از تصنیفات و افادات

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

— مترجمہ —

مولانا قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

— ناشر —

قاضی غلام محی الدین غازی

حیدرآباد کالونی کلیٹن روڈ کراچی ۵ پاکستان

عرضِ ناشر

سلطان العارفین حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف مجموعہ یازدہ رسائل سلسلہ معارف اسلامیہ کی جانب سے شائع کی جارہی ہے۔ گذشتہ پانچسو سال کی طویل مدت میں خواجہ صاحب کے دوسرے مشہور ملفوظات کی طرح یہ رسائل بھی معارف نواز تبرکات کے طور پر اہل اللہ کے پاس متداول اور محفوظ رہے ہیں

یازدہ رسائل کو اگر خواجہ صاحبؒ کی ایک سو سے زائد تصنیفات کا سَت رَس کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ خواجہ صاحبؒ کی تصنیفات آپ کی اپنی قلمی اور علمی کرامات ہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ کی کتابوں کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوگا کہ پیچیدہ فقہی مسائل، دقائق وغوامض کی افہام و تفہیم خواجہ صاحبؒ کا ایک تصرف ہے جیسے جیسے قارئین خواجہ صاحبؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے جائیں گے ویسے ویسے ان کے دل و دماغ بلکہ ان کی روح کو الہام کی وہ روشنی بھی نصیب ہوتی جائے گی جس کے ایک شعلۂ جوالہ سے خواجہ صاحب نے ہزاروں قلب و نظر کے چراغ سلوک اور ہدایت کے راستہ میں روشن کئے ہیں۔ خواجہ صاحب رح کے بعد کے اکابر اہل اللہ اور برگزیدہ علماء اولیاء اللہ نے آپ کی تصانیف،

فرمودات اور افادات سے کافی استفادہ کیا ہے اس طرح اپنے مدارج عالیہ اور اپنی ان روحانی اور علمی فتوحات کی بنا پر آپ واقعتاً ابوالفتح بھی ہیں اور صدر والملت والدین بھی علم و فضل کے کمال کے ساتھ ساتھ خواجہ گیسو دراز کی گیسو درازی چشتیہ بارگاہوں کی رعنائیوں کا ایک کیف ایک خاص رنگ ایک خاص خوشبو اور ایک خاص بات ہے۔ اور خواجہ بندہ نواز کی بندہ نوازی آپ کے عقیدتمندوں کے لئے ہر زمانہ میں فیض جاریہ تھی اور اور آج بھی ہے اور رہے گی۔

خواجہ بندہ نواز قطب الاقطاب ولی کامل ہیں حضور خواجہ بندہ نواز کے اس باعظمت اور بلند روحانی مقام کے ساتھ ساتھ آپؒ کی تصنیفات چھ سو سال قبل کے قدیم فارسی ادب کا ایک جلیل القدر نمونہ ہیں۔ اس لئے آپ کی فارسی کتابیں اس اہمیت کی بھی حامل ہیں۔

اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے تمدنی اور تہذیبی فتوحات میں قرآن کی زبان یعنی زبان عربی کے بعد زبان فارسی نے دین اسلام کے فروغ میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اور فارسی زبان عربی کے بعد تمام عالم اسلام کی مشترکہ زبان بھی رہی ہے۔ اور اب بھی ہے یعنی فارسی اسلام کے غلبہ کے بعد صرف ایران کی علاقہ واری زبان نہیں رہی۔ بلکہ اکابرین اسلام کے توسط سے ہر اسلامی ملک اور مسلمان علاقہ میں فکرِ اسلامی اور معارفِ اسلامیہ کی توفیر کے لئے فارسی زبان ایک علمی زبان کی حیثیت سے وسعت پاتی گئی۔ اور علوم دینیات اور اسلامیات سے اس کا دامن مالا مال ہوگیا۔

اسلام کی روشنی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان ایران کی سرحدیں پار کرتی ہوئی حضرت جامیؒ کے وطن وسطِ ایشیاء مولانا رومؒ کے وطن

ترکستان، امام غزالیؒ کے وطن افغانستان اور حضرت امیر خسروؒ کے وطن ہندوستان میں پہنچ کر ابلاغِ دین، تعلیم علوم تبلیغ دینیات اور معارفِ اسلامیہ کی تلقین کا ایک گران قدر علمی اور روحانی ذریعہ بن گئی۔

ہم فارسی زبان کے اُن اسلامی کارناموں کو کیسے بھلا دے سکیں گے جو کارنامے کہ اس زبان نے سمرقند، تاشقند، بخارا، ترمذ، نیشاپور، شیراز تبریز، روم، کشمیر، لاہور، اجمیر، قندہار، کابل، دلّی، ناگور، گجرات بیجاپور، بیدر، گلبرگہ، اورنگ آباد اور حیدرآباد دکن میں انجام دیے ہیں۔ اس لحاظ سے عربی اور فارسی ادب خاص طور پر اِن دو زبانوں کا اسلامی ادب عالم اسلام کے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان مشترکہ ورثہ ہے۔ قبل اسلام کی عربی اور فارسی میں اسلام کے بعد جو شاندار اضافے ہوئے ہیں وہ عالمی ادب یا تاریخِ ادب عالم کا ایک اہم اور درخشاں باب ہے۔ جن عجمی مسلمان اکابرین، علمائے محدثین اور مفسرین نے زبان عربی میں کمال حاصل کیا تھا، تبلیغ دین کی خاطر انھوں نے خود اپنی زبانوں کو اور خاص طور پر فارسی زبان کو معارف اسلامیہ کے ابلاغ کا ایک طاقتور لسانی ذریعہ بھی بنا دیا ہے۔ اسلامی زبانوں کے اس طاقتور لسانی بہاؤ کے خلاف خود پرست مقامی علاقہ واری اور لسانی بغاوتوں نے تیرنے کی کوشش کی لیکن عربی زبان اور فارسی زبان کے اسلامی اثر سے خود عرب، ایرانی اور ترک باوجود شعوری کوششوں کے روگردانی نہ کر سکے۔ عالم اسلام کی زبانوں پر بشمولِ عربی جو یہ اسلامی اثر ہے اس کے تاریخی باقیات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اس اثر کی تجدید کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ دنیا کے ہر علاقہ سے غیر عرب، غیر ایرانی

مسلمان بزرگوں کی فارسی اور عربی قدیم کتابوں کو ایک دولتِ مشترکہ کے طور پر نہ صرف ہر اسلامی ملک میں جمع اور محفوظ کیا جائے بلکہ اُن پر علمی ادبی اور مسائلی تحقیقاتی کاموں کا سلسلہ بھی شروع ہو جانا چاہیئے تاکہ اسلامی ممالک کی باہمی خیر سگالی فروغ پا سکے۔ اور ہر مقام کی مقامی قومیت سے ہٹ کر عالمگیر اسلام کو دیکھنے سمجھنے اور طاقتور بنانے کا موقع تمام عالمِ اسلام کو مل سکے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انیسویں صدی کی سقیم قوم پرستی یعنی علاقہ داری، لسانی اور نسلی قوم پرستی نے عالم اسلام کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے اور آجکل عالمی سیاست میں اس انتشار نے اسلام کے لئے ایک فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

عالیہ رابطۂ عالمِ اسلامی کی ثقافتی مساعی میں جو مختلف اسلامی ملکوں میں شروع ہو چکی ہیں۔ حضرت سیّد محمّد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ جیسے جلیل القدر، عظیم المرتبت مفسر، محدث، فقیہہ، صوفی، عالم دین اور عارفِ کامل کی فارسی تصنیفات کو بھی تمام عالم اسلام میں پاکستان کے ایک ثقافتی علمی اور روحانی تحفہ کے طور پر پہونچانے کا مقصود بھی ہمارے پیشِ نظر ہے۔

خواجہ صاحبؒ کی کتابوں کے اردو ترجموں کے ساتھ اُن کے فارسی متن کی اشاعت سے ہمارا مقصد اب قارئین پر واضح ہو چکا ہوگا۔ اس کے علاوہ ابھی ذیلی برِعظم یعنی ہند و پاکستان میں ایسے علم دوست اور خواجہ صاحبؒ کے عقیدت مند حضرات موجود ہیں جو حضرت خواجہ بندہ نواز کی فارسی کتابوں کے دستیاب ہونے پر یقیناً مسرور ہوں گے۔

مجموعہ یازدہ رسائل کی مختصر کیفیت جو مولوی عطا حسین صاحب نے

لکھی ہے اس کے مطالعہ سے قبل یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ آج سے چھبیس سال پہلے جو مجموعہ یازدہ رسائل شائع ہوا تھا۔ اس میں چند غلطیاں اور اکثر حروف مشکوک رہ گئے تھے۔ حضرت مترجم محترم قدس سرہٗ نے اپنے مطالعہ اور ترجمہ کے دوران ان کی تصحیح اور وضاحت کی ہے۔ اور رسالہ عشق کو بھی جو خواجہ صاحبؒ کی ایک تصنیف ہے اس مجموعہ میں شریک کیا گیا ہے یہ رسالۂ عشق عطا حسین صاحب کے مرتب کردہ مجموعہ میں شامل نہ تھا۔

جیسا کہ تذکرۂ گیسو درازؒ کے مقدمہ میں میں نے عرض کیا تھا کہ تصوف کے موضوع پر صوفیائے متقدمین نے جو لکھا ہے یا ارشاد فرمایا ہے اُن کے شہ کار عربی اور فارسی میں ہیں اور تفاوت زمانی کی وجہ سے ادائی مفاہیم میں بھی کافی قدامت آگئی ہے دوسری بات جو بہت اہم ہے وہ یہ کہ اہل اللہ قرآن اور حدیث کے تابع ہوتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں خشیت احتیاط تقوے کی ایک کیفیت ہے جو ایک دینی عالم کے لئے بیحد ضروری ہے اور علم نواز اولیاء اللہ کا حال و قال یا سماعِ قال اور رویت و کیفیتِ حال بھی شمعِ نبوت کے الہامی انوار سے منور اور اسی شمع نبوت کے پروانوں کی اتباع سے روشن ہوتا ہے اس لئے ان اولیاء اللہ کے ملفوظات و ارشادات میں بھی ایک موثر اجمال پایا جاتا ہے۔

قدیم فارسی اور عربی کی لسانی مہارت کے ساتھ، تفسیر، حدیث، فقہ پر عبور کے ساتھ ساتھ تصوف پر کچھ لکھنے اور بولنے کے لئے رموز و عوارف کا محرم اور حامل ہونا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اولیاء کرام کے رشحات قلم برکات نطق یعنی ملفوظات مکتوبات اور ارشادات کا اردو میں ترجمہ کر کے اُردو داں قارئین کے لئے قابلِ فہم بنانا بجائے

خود ایک کرامت ہے۔
اس مجموعہ یازدہ رسائل کے فارسی اور اردو متن کی مشترکہ جلدیں شائع کیجا رہی ہیں اور فارسی متن اور اردو ترجمے بھی علیٰحدہ علیٰحدہ جلدوں میں شائع کئے جا رہے ہیں
مترجم قدس سرہٗ نے خواجہ صاحبؒ کی تقریباً تمام فارسی کتابوں کے اُردو میں ترجمے کئے ہیں. خواجہ صاحبؒ کی دوسری کتاب جو اس کے بعد شائع ہوگی وہ ترجمہ 'آداب المریدین ہے'۔
رسالہ غوث الاعظم جواہر العشاق نشاط العشق' بحرِ عشق' امواج خوبا مکتوبات عبد الحق محدث دہلوی جیسی فارسی کتابوں کے اُردو ترجمے جو مترجم محترم نے فرمائے ہیں اور جو اس سے قبل شائع ہوچکے ہیں وہ بہت ہی مقبول ہوئے ہیں۔
یازدہ رسائل کے ترجمہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ مترجم محترم نے کتنی عرق ریزی اور کیسے فیضان کی جولانی سے ان کا ترجمہ فرمایا ہے یہ سارا کام مترجم محترم کی محنت شاقہ اور آپ کے چالیس پچاس سالہ روحانی شغل کا ماحصل ہے' کسے خبر تھی کہ یہ چھپے ہوئے علمی اور روحانی خزانے جو ترجموں کے قلمی مسودوں کی شکل میں تھے ان کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا خدا کا فضل ہو تو ایسا بھی ہوتا ہے۔
مردے از غیب بروں آید و کارے بکند
اور اب اس عاصی پر معاصی کو حضرت والد محترم قدس سرہٗ کے تحریری ارشاد پر کامل یقین ہوگیا جو آج سے چھ سال پہلے میرے نام ملتان روانہ فرمایا تھا
"عزیزم تمہارے سلسلے میں مجھے اس بات کا یقین ہے کہ

خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند"

خواجہ صاحبؒ کی بندہ پروری کا یہ گدائے بےنوا بھی ایک زندہ اور کھلا ثبوت ہے اور یہ اُن کا کرم ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ خواجہ صاحبؒ کی تصنیفات اور اُن کے تراجم کی طباعت و اشاعت کا باعث حضرت خواجہ صاحبؒ کا عرسِ مبارک بھی ہے جو ہر سال اس شہر کراچی میں حضور بندہ نوازؒ کے عقیدت کیش اپنے انتہائی خلوص سے بصد تزک و احتشام و احترام مناتے ہیں اور اس عرس شریف کے دوران ایک ادبی اجلاس بھی منعقد ہوتا ہے اور خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات اور تصنیفات کی بھی نمائش ہوتی ہے جس کے ایک معتدبہ حصے کو بطور ایک خاندانی تبرک کے رکھنے کی اس ناچیز کو سعادت حاصل ہے۔ حضرت مترجم محترم کے تراجم اور خواجہ صاحب کی کتابیں جو شائع ہو رہی ہیں وہ ایک حیثیت سے بانیانِ عرس بندہ نوازؒ کی کوششوں اور آرزوں کا بھی حاصل ہیں۔

آخر میں ناشر جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی پاکستان کا خاص شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے کہ یہاں کے منتظمین نے بہت ہی کم وقت میں چھ سو صفحات کی کتاب کی طباعت کی۔

قاضی غلام محی الدین غازی

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۶۷ء

فہرست مضامین

مختصر کیفیت
یازدہ رسائل

از

مولوی حافظ سیّد عطا حسین صاحب ایم۔ اے سی آئی
ناظم (وظیفہ یاب) سررشتہ تعمیرات سرکار عالی
چیف انجنیر پی ڈبلیو ڈی مملکت آصفیہ
حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ انت اللہ الواحد الاحد الفرد الذی لا الٰہ انت لا غیرک ولا موجودًا سواک الٰھی انت الذاکر وانت المذکور انت الحامد وانت المحمود۔ انت الطالب وانت المطلوب انت المحب وانت المحبوب۔ انت الناظر وانت المنظور۔ انت الشاہد وانت المشھود۔ یاھو یامن لاھو الاھو یامن لا الٰہ الّاھو یا ازلی یا ابدی یا دھری یا دیمومی صل وسلم وبارک علی النور الاقدس الاتم الاقدم الذی لولاہ حجابک لا حرقت سبحات وجھک ما انتھی الیہ بصرک من خلقک وعلی اٰلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الھادین المھدیین۔

—— الٰہی ——

تو بعلم ازل مرا دیدی · وآنچنانم بعیب بگزیدی

تو بعلم آں و من بعیب ہماں · رومکن آنچہ خود پسندیدی

اِن رسالوں کی کیفیت مختصر طور پر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) تفسیر سورۂ فاتحہ شریف

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کلام اللہ شریف کے ہر سورہ سے

چند آیتیں انتخاب کرکے اُن کی تفسیر لکھی ہے اور اس کا نام **لطائف قشیری** رکھا ہے۔ یہ تفسیر بے حد لطیف پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ اور ہر آیت کے اسرار و غوامض نہایت خوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہ امام قشیری کے بہت معتقد تھے اور یہ تفسیر آپ کو نہایت پسند تھی اور اپنی تصانیف میں کہیں کہیں اس تفسیر کے مضامین درج کئے ہیں۔ حضرت مخدوم کے سوانح نگار محمد سامانیؒ نے کتاب **سیر محمدی** میں جہاں حضرت مخدوم کی تصانیف کا ذکر کیا ہے ان کی ایک **تفسیر ملتقط** کا بھی ذکر کیا ہے۔ خود حضرت مخدوم نے بھی اپنی بعض تصانیف میں اس تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ اس کے بعض مقامات کی عبارتیں بھی نقل کر دی ہے۔ یہ تفسیر قرآن شریف کے منتخب سورتوں اور آیات کی ہے اور لطائف قشیری ہی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ تفسیر ملتقط اب مفقود ہے بہت جستجو کے بعد بھی اس کا پتہ ہنوز نہیں مل سکا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سورۂ فاتحہ کی یہ تفسیر جو اس مجموعہ میں شامل کی گئی ہے، اسی تفسیر ملتقط کا جزو ہے یا حضرت مخدوم نے اس سے علیحدہ مستقل طور پر تحریر فرمایا ہے۔ جناب مولانا حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب حیدر آبادی کے کتب خانہ سے ایک نہایت خوشخط سنہ ۱۰۶۴ھ کا لکھا ہوا حضرت مخدوم بندہ نواز کے چند چھوٹے رسالوں کا مجموعہ عاریتاً ملا تھا۔ اس میں یہ تفسیر بھی تھی۔ اسی سے نقل لی گئی اور طباعت کی گئی ہے

(۲) استقامت الشریعت بطریق الحقیقت

حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے جیسا کہ دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے اس کو سنہ ۷۹۲ھ میں تحریر فرمایا ہے اس کا ذکر آپنے اسماء الاسرارؒ کے ایک سمر میں بھی کیا ہے۔ اپنے زمانے کی حالت دیکھ کر خواجہ صاحبؒ نے نہایت سوزِ دل سے یہ کتاب

تصنیف کی اور چند نہایت نازک مسائل (خصوصاً مسئلۂ جبر و اختیار) کا بیان نہایت
لطیف اور واضح پیرایہ میں فرما دیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں ۱۰۶۵ھ
کا لکھا ہوا ایک نسخہ ہے اس سے نقل لی گئی۔ حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب کے کتاب خانہ
سے ایک مجموعہ ملا جس میں ۱۲۶۳ھ کا نقل کیا ہوا رسالہ بھی تھا اور اس سے نقل کرکے
میرے نقل لیتے ہوئے رسالہ کی تصحیح کی گئی لیکن پھر بھی بہت مقامات تصحیح طلب رہ
گئے۔ ۱۳۵۱ھ میں مجھے کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے
کتب خانہ میں مجھے اس کا ایک نسخہ ملا (فارسی نمبر ۱۲۱۹) ملا اس سے میں نے اپنے نسخہ کا
مقابلہ کیا اور مکمل طور تصحیح کر لی اسی تصحیح کردہ نسخہ سے یہ کتاب طبع کی گئی۔

(۳) رسالہ در مسئلہ رویت باری تعالیٰ و کرامات اولیا وغیرہ

کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) کے نسخہ سے نقل لی گئی اور ۱۳۵۱ھ میں میں
جب کلکتہ گیا رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ کے نسخہ (فارسی نمبر ۱۲۲۸)
سے میں نے مقابلہ کیا اور جس حد تک تصحیح ممکن ہو سکی کی۔ یہ رسالہ بغیر حمد و نعت
اور بغیر کسی تمہید کے شروع کیا گیا ہے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ رسالہ آیا حضرت مخدوم کی
تصنیف کا ایک جزو ہے یا آپ کی مستقل تصنیف ہے۔ اس رسالہ میں حضرت گیسو دراز
نے متعدد مسائل پر محققانہ بحث کر کے ان کی وضاحت فرمائی ہے۔ پہلا مسئلہ رویت
باری تعالیٰ کا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے علاوہ اسلام کے تمام فرقے اس کا قطعی
انکار کرتے ہیں نہ صرف دنیا میں بلکہ عقبیٰ میں بھی ان کا ادعا ہے کہ بشر کے نزدیک رویت باری
محال ہے۔ چونکہ صحیح حدیثوں سے نہایت وضاحت اور قطعیت کے ساتھ ثابت
ہے کہ بہشت میں مومن خداوند تبارک و تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا اسلئے
اہل سنت میں کسی کو بہشت میں دیدار باری سے اختلاف نہیں ہے۔ اگر اختلاف

ہے تو دنیا میں رویت سے ہے۔ جمہور علمائے محققین اور صوفیائے کاملین متفق ہیں کہ دنیا میں خواب میں دیدار ممکن ہے چنانچہ بہت سے خواص اولیائے کے متعلق صحت کے ساتھ روایت کی گئی ہے کہ وہ خواب میں بارہا دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ زیادہ اختلاف اس میں ہے کہ آیا دنیا میں بحالتِ بیداری بھی دیدار ممکن ہے؟ چند اکابر مثلاً امام ابوبکر کلاباذی مصنف کتاب ''تعرف'' اور حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری، قطعاً انکار ہے۔ بخلاف اس کے دوسرے اکابر کو جن میں حضرت پیران پیر غوث الثقلین سلطان الجن والانس سید عبدالقادرؒ جیلانی اور اولیائے چشتیہ شامل ہیں۔ رویت کا انکار نہیں ہے۔ حضرت مخدوم نے صراحت فرمائی ہے کہ خص الخواص اولیا جب اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کا خواب بیداری ان کا ظاہر و باطن ان کی دنیا و عقبیٰ سب کی حالت ایک سی ہو جاتی ہے تو ان کے لئے رویت حالت یقظہ میں بھی بچشم باطن دیدار ممکن ہو جاتا ہے۔ اور ہوا ہے۔ اسی رسالہ میں حضرت مخدوم خود فرماتے ہیں ''محمد یوسف حسینی میگوید تعلم اللہ من آں طائفہ را دیدہ ام کہ ایشاں یک ساعتے از دیدار او محروم نماندہ آند''

اس کتاب میں دوسرا مسئلہ انبیا کی ملائکہ مقربین پر فضیلت کے متعلق ہے۔ تیسرا مسئلہ کرامات اولیا اور چوتھا مسئلہ کلام اللہ شریف کے متشابہات کی بحث میں ہے۔

(۴) حدائق الانس

۱۳۵۱ھ میں میں نے کلکتہ کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ کے نسخہ سے اس کتاب کی نقل لی۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں بھی ۱۲۲۵ھ کا لکھا ہوا جدید الخط نسخہ موجود ہے۔ مگر وہ اس قدر غلط لکھا ہوا ہے کہ اس کتاب کی تصحیح میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکی۔ تیسرا نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوا۔

حضرت مخدوم نے اپنے ایک برگزیدہ مرید کو دس حدیقے لکھوائے، اُن کو لکھوانے کے بعد اور دو حدیقوں کا اضافہ فرمایا۔ پیر کی رحلت کے بعد انہوں نے دیباچہ لکھ کر اُن حدیقوں کو کتاب کی صورت میں مدون کیا اور ترتیب وہی قائم رکھی جس ترتیب سے حضرت مخدوم نے لکھوایا تھا اور غایت ادب کو ملحوظ رکھ کر ان حدیقوں کے جامع نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ حدیقہ ہشتم اور حدیقہ نہم کے مضامین کو غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عنوان میں تقدم تاخر ہو گیا ہے۔ کتاب منقول عنہ میں چونکہ یہی ترتیب تھی اور تصحیح کے لئے دوسرا نسخہ دستیاب نہیں ہوا اسلئے طباعت میں عنوان کا وہی شمار قائم رکھا گیا۔

اِن حدیقوں میں حضرت مخدوم قدس سرہ نے عجیب عجیب نکتے اور اسرار بیان فرمائے ہیں۔ بعض کا یہاں نقل کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

حدیقہ اول میں فرماتے ہیں: "بدانی کہ مرد عارف و سالک و ہالک را ہرچہ اَلْدّے وا شہی بود تجلی او در آن الذ و اشہی و اہی بود چہ دانم تو چہ فہم کنی۔ آنی دانی"۔

حدیقہ نہم میں نماز باجماعت کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ "خواجہ من قدس سرہ گفتہ است کہ ہر کہ میان ہشتاد سال یک نماز فریضہ بغیر جماعت گذارد صوفیان اور چہرت پر لکین نامند"۔ اللہ اللہ ایک وقت کی جماعت کے قضا ہونے کا یہ حال ہے کہ اگر کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے تو کیا حال ہوگا۔ اللہم احفظنا۔

اسی حدیقہ میں نماز باجماعت کی باطنی حالت اس طرح ظاہر فرمائی ہے: "در تحقیقت نماز باجماعت ایں باشد کہ انسان قلبے دارد و روحے دارد و سرے دارد و خفی دارد ہر پنج بیک خانہ قرار گیرد و ہر یکے با دیگرے صورتِ اتحاد بیند خفی با قلب آنچنان جمع گردد کہ قطرہ با دریا ہر یکے را با دیگرے ہمیں مثال است۔ اے عزیز نماز باجماعت بحق معرفت دشناخت۔ رب العزت جز ایں نباشد"۔

حدیقہ یازدہم (یعنی حدیقہ دہم کے بعد کی حدیقے میں جس کو جامع کتاب نے حدیقہ "اول" لکھا ہے) حضرت مخدوم روحی فداہ نے ایک نہایت ہی باریک اور مدہوشی آور نکتہ بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انسان کو مال وزر دیتا ہے جس کو وہ راہِ خدا میں مختلف طریقوں پر صرف کرتا ہے۔ اس کو قوت اور صحت جسمانی مرحمت فرماتا ہے جن کی بدولت وہ نمازیں پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے۔ تلاوتِ کلام اللہ کرتا ہے۔ ذکر اور مراقبہ اور مجاہدہ میں مشغول ہوتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں جان ومال کو قربان کرتا ہے۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ قبول فرمادے تو عاقبت میں ان کی جزا اور بہت جزا ملے گی۔ لیکن یہ سب خیرات ومبرات، عبادات ومجاہدات انسان اسی وقت تک کر سکتا ہے جب تک کہ وہ بقیہ حیات ہے۔ موت کے آتے ہی یہ سب ختم ہوجاتے ہیں۔ اور انسان ہمیشہ کے لئے دفعتاً سب سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم فرماتے ہیں "امامحبت اللہ سبحانہ بصفتہ ازلی وابدی است وازلی وابدی دوستی او کذلک پس مرد حکیم ہمہ را پشت دادہ روئے بمحبت آرد"۔ یعنی سب سے انفع اور ما یحتاج چیز محبتِ الٰہی ہے۔ موت کے آتے ہی سب اعمال منقطع ہوجاتے ہیں عشقِ الٰہی ہی ایسی چیز ہے جو غیر فانی ہے اور جو ابدالاباد تک منقطع نہیں ہوسکتی۔ اس لئے چاہیئے کہ تم محبتِ الٰہی پیدا کرو اور جتنی عبادتیں تم سے ہوسکیں محبت میں سرشار ہوکر بجا لاؤ تاکہ مرنے کے بعد تمہارے اعمال ظاہری منقطع ہوجائیں۔ محبت الٰہی تمہارا ساتھ قبر میں دے اور ابدالاباد تک تم کو نہ چھوڑے۔ تم نے سنا ہوگا کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے تشریف لے گئے تو راستہ میں حضرت موسیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اسی وقت ان سے آسمان پر بھی ملاقات ہوئی۔ حدیث صحیح ہے کہ کما تعیشون تموتون کما تموتون تبعثون۔ یعنی آدمی جس دھن میں زندگی گذارے گا مرے گا بھی اسی دھن میں اور جب قیامت میں

زندہ کیا جائے گا تو اسی دھن میں زندہ ہوگا۔ اللہ کی محبت اور اس کا عشق جب انسان
کے وجود پر مستولی ہو جائے گا تو اس کی ہر سی محبت اور عشق میں کٹ جائے گی اور جب
مرے گا اسی عشق اور محبت میں مر [illegible] قیامت کے روز جب اٹھایا
جائے گا اسی عشق اور محبت میں [illegible] شمار اٹھے گا۔

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

[illegible] اعظم ہوا کرتا ہے۔ عشق الٰہی کے ذریعے سے حساب کتاب ہونے [illegible]
[illegible] ہے کہ قیامت کے روز ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بغیر کسی
حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیے جائیں گے وہ انہیں دلدادگان محبت الٰہی کی
جماعت ہوگی۔ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ قتیلانِ محبتِ الٰہی کی موت سُنّتِ الٰہی کی تبعیت میں محض ظاہری موت
ہے۔ ورنہ وہ لوگ زندہ جاوید ہیں۔ ــــ خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے بالکل
صحیح کہا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق | ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حق سبحانہ تعالیٰ حضرتِ مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز کے وابستگانِ دامن کو انکے مسلک
پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے۔ اللھم حرق
قلوبنا بنار عشقک وارزقنا ازدیاد محبتک حتی لایبقی شئی غیرک

۵۔ وجود العاشقین

یہ مختصر رسالہ حضرت مخدوم نے عشق الٰہی کی حقیقت اور اس کے مراتب کے بیان

اس مختصر سے رسالہ میں اوس کے تمام مراتب کو از ابتدا تا انتہا نہایت ایجاز کے ساتھ اپنے خاص انداز میں نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

ملک دکن میں اس رسالہ کے نسخے جابجا موجود ہیں۔ چونکہ نقلیں بہت لی گئی ہیں اس لئے بمصداق "ہر کہ آمد بر آن مزید کرد" کاتبوں نے غلطیوں کا بھی انبار کر دیا ہے جس سے ایسی غامض کتاب کی تصحیح میں نہایت دشواری پیش آئی۔ مجھے اس کے پانچ قلمی نسخے ملے جن میں ایک ۱۱۰۰ھ کا اور دوسرا ۱۲۶۱ھ کا لکھا ہوا تھا۔ مطبع گلزار ابراہیم مرادآباد میں ۱۳۱۰ھ میں یہ کتاب چھپی بھی تھی لیکن سرتاپا غلطیوں اور حذف و اسقاط سے بھری ہوئی۔ بہرحال ان پانچ نسخوں کے مقابلہ سے بقدر امکان تصحیح کی گئی۔

(۶) رسالہ توحیدِ خواص

اس رسالہ میں "وحدتِ حقیقی" کا مسئلہ نہایت لطیف اور محققانہ طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب کے کتب خانہ میں مجھے ایک مجموعہ ملا جس میں حضرت مخدوم کے چند دوسرے رسالوں کے ساتھ یہ رسالہ بھی تھا۔ اور شرف پریس بہار میں ۱۳۰۶ھ میں حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور حضرت امیر ابوالعلا اکبرآبادی اور حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہم کے چھوٹے چھوٹے رسالوں کے ہمراہ طبع بھی ہوا تھا۔ ان دونوں (یعنی قلمی و مطبوعہ) نسخوں کے مقابلہ سے تصحیح کی گئی۔ اس رسالہ میں حضرت مخدوم بندہ نواز نے اپنا نام کہیں درج نہیں کیا ہے۔ اس لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ انہیں کی تصنیف ہے۔ لیکن قلمی نسخہ کی لوح پر ان کا نام لکھا ہوا تھا۔ اور جن رسالوں کے ہمراہ یہ مجموعہ میں شریک تھا وہ انہیں کے تصنیف کردہ ہیں۔ اس لئے ظنِ غالب یہی ہے کہ رسالہ بھی حضرت مخدوم ہی کی تصنیف ہے۔

(۷) رسالہ منظوم در اذکار

بائیس سال ہوئے روضہ خورد کے ایک متوسل کے پاس میں نے حضرت مخدوم بندہ نواز قدس سرہ کا نثر میں اذکار کے متعلق ایک رسالہ دیکھا تھا اس میں طریقہ عیسیٰ چشتیہ کے وہ اذکار درج کئے گئے تھے جن کی تعلیم عموماً مریدوں کو دی جاتی ہے۔ جن صاحب کے پاس یہ رسالہ تھا ان کا انتقال ہوگیا اور ان کے بعد وہ رسالہ بھی تلف ہوگیا۔ اور کسی دوسرے نسخے کا مجھے پتہ نہیں ملا۔ اس منظوم رسالہ کا مجھے صرف ایک ہی نسخہ ملا چونکہ مقابلہ اور تصحیح کے لئے دوسرا نسخہ دستیاب نہیں ہوا اس لئے بعض جگہ الفاظ اور عبارتیں مشکوک رہ گئیں۔ اس منظوم رسالہ میں حضرت مخدوم نے وہ اذکار جمع کئے ہیں جن کی تعلیم منتہی اور پایہ تکمیل کو پہنچے ہوئے مریدوں کو دی جاتی ہے۔ اس لئے حضرت مصنف نے ان سب کو نہایت غامض پیرایہ میں بطور معمہ کے لکھا ہے۔

(۸) رسالہ در مراقبہ

یہ رسالہ بھی مجھے حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب کے کتاب خانہ سے ملا۔ اس نسخہ کی کتابت ختم کرکے کاتب نے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے:۔ "قوبل باصلہ الکرام" اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اس کا مقابلہ حضرت مصنف کے دستخطی نسخہ سے کیا گیا تھا۔ اس رسالہ میں مریدوں کی تعلیم و تربیت کے لئے چھتیس مراقبہ درج کئے گئے ہیں جو علاوہ طریقہ چشتیہ کے دوسرے طریقوں (مثلاً قادریہ۔ سہروردیہ وغیرہ) میں بھی رائج ہیں۔

(۹) رسالہ اذکار چشتیہ

یہ رسالہ بھی مجھے حکیم مرزا قاسم علی بیگ کے کتب خانہ سے ملا۔ کاتب نے آخر

کتاب میں ختم کتابت کی تاریخ ان الفاظ میں لکھی ہے "فی التاریخ ۲۰ شوال ۲۷ سنہ
از جلوس اورنگ زیب ود اورنگ آباد"۔ اس نسخہ سے مدد لے کر میں نے اس مجموعہ
میں شریک کیا۔ مقابلہ اور تصحیح کے لئے چونکہ دوسرا نسخہ نہیں ملا۔ اس لئے بعض بعض
جگہ الفاظ مشکوک رہے

یہ رسالہ خود حضرت سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کا تصنیف کردہ نہیں ہے۔ بلکہ ان
کے ایک مرید نے جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے ان اذکار کو جن کی تعلیم حضرت مخدوم
دیا کرتے تھے کتاب کی صورت میں مرتب اور مدون کر دیا ہے۔ متعدد مقامات پر یہ یا اس
کے ہم معنی عبارت بھی لکھی ہے۔ بندگی میاں بڑہ ابن مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز می فرمایند"
حضرت مخدوم کے بڑے فرزند سید اکبر حسینی قدس سرہٗ کو عموماً لوگ سید بڑے اور میاں
بڑے کہا کرتے تھے۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ اس رسالہ کے مولف سید اکبر حسینی
کے بھی فیض یافتہ تھے اور اُن کے زمانۂ حیات میں انہوں نے یہ رسالہ قلمبند کیا۔ چونکہ ان
کی وفات ان کے والد کی زندگی میں واقع ہوئی۔ اس لئے یہ رسالہ ضرور حضرت مخدوم
بندہ نواز کی نظر سے بھی گزرا ہوگا۔ چونکہ ان کا تصنیف کردہ رسالہ جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں
مجھے نہیں ملا۔ اس لئے اس مجموعہ میں اس "رسالہ اذکارِ چشتیہ" کو شریک کر دینا
مناسب معلوم ہوا۔

۱۰۔ شرح بیت حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ

امیر خسرو دہلوی حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا قدس سرہٗ
کے قدیم ترین، مقرب ترین برگزیدہ ترین اور اخص الخواص مرید تھے۔ پیر کے جناب میں جو
تقرب اور محرمیت انہیں حاصل تھی کسی مرید کو حاصل نہیں ہوئی۔ راتوں کو ان کے خلوتِ
خاص میں ان کے سوا دوسرا کوئی شخص نہیں جا سکتا تھا۔ حضرت محبوب الٰہی نے انہیں

خواجہ ترک اللہ کا خطاب دیا تھا۔ خود اپنی تحریرات میں اسی لقب سے مخاطب
فرماتے تھے اور گفتگو میں بھی شیخ ترک ہی کے لقب سے یاد کیا کرتے۔ ان کو حضرت
امیر سے اس قدر محبت تھی کہ وہ بے تکلف اکثر کبھی کبھی فرماتے "من از ہمہ تنگ آیم
تا حدے کہ از خود تنگ آیم۔ اما از تو تنگ نیایم" یہ بھی فرمایا کرتے کہ" اگر شریعت اجازت
دیتی تو میں وصیت کر جاتا کہ ہم دونوں کو ایک ہی قبر میں یکجا دفن کریں"۔ چونکہ یہ ناممکن
تھا، ان سے وصیت کی کہ ان کو میرے قریب دفن کئے جائیں۔ حضرت امیر نے فرمایا۔
"خواجہ ما بندۂ خود را زود است کہ ہر گاہ کہ در بہشت خرامد بندہ را برابر خود در بہشت
برد انشاء اللہ تعالیٰ" محبت الٰہی کی آگ خسرو کے سینہ میں اس قدر بھری ہوئی اور شعلہ زن
تھی ان کے پیر نے کبھی کبھی فرمایا "حق تعالیٰ مرا بسوز سینہ ترک بہ بخشاید" اللہ اللہ!
حضرت محبوب الٰہی کے دل میں خسرو کی محبت اس قدر زیادہ تھی کہ یہ شعر ان کی زبان سے
بے ساختہ نکلا ہے۔

گر برائے ترک ترکم ارّہ بر فرقم نہند ۔۔۔ ترک تارک گیرم والا نگیرم ترک ترک

خلاصہ یہ کہ حضرت امیر خسرو محبوب الٰہی کے محبوب تھے:

غرض کہ ذات آیت من آیات اللہ تھی یا یوں کہئے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کے معجزوں میں ایک معجزہ تھی۔ اس جامعیت کے آدمی امت محمدیہ میں بہت کم
پیدا ہوئے۔ علامہ شبلی نے شعر العجم کی دوسری جلد میں خسرو کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔
"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا"
اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران اور روم کی خاک نے
بھی دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے:

ان کے تمام کمالات کو بیان کرنا اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں ہے۔ صرف شاعری ہی پر
نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس جامعیت کا شاعر دنیا کی کسی قوم نے نہیں پیدا کیا۔ دنیا کے

بڑے بڑے باکمال شاعر جتنے ہوئے انہوں نے شاعری کی صرف ایک یا دو صنف میں کمال حاصل کیا لیکن خسرو شاعری کی ہر صنف میں بلند پایہ رکھتے ہیں۔ قصیدہ میں خاقانی، کمال اصفہانی اور ظہیر فاریابی سے بلند تر ہیں۔ مثنوی اور غزل میں نظامی اور سعدی کے ہم پایہ اور ہم رتبہ ہیں۔ رباعی گوئی میں کوئی شاعر ان کے برابر نہیں ہوا۔ در قطعات اور ترجیع بند تو وہ یگانۂ روزگار۔ یہ تو فارسی زبان کے کمالات تھے۔ ہندی زبان کی شاعری کو انہوں نے اس درجہ کمال کو پہنچایا کہ ان کے قبل یا ان کے بعد کوئی شاعر اُن کی گرد تک نہ پہنچ سکا۔ عربی میں ان کے اشعار بہت کم منقول ہیں لیکن جو موجود ہیں متنبی کے اشعار سے کسی طرح کم پایہ نہیں ہیں۔ خسرو ہندی اور ایرانی موسیقی کے بھی جامع تھے اور ایسے جامع تھے کہ ایسا باکمال ان کے بعد آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ ان سے پہلے کسی کا پتہ چلتا ہے۔

حکیم افضل الدین خاقانی کی کلیات کا جو پہلا قصیدہ ہے اس کے مطلع کے دو شعر یہ ہیں۔ یہ تشبیب کا شعر ہے۔ ؎

دل من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش — سواد اول بسبق و مسکنت کنج دبستانش
نہ ہر زانو دبستان است و ہر روزی تعلیمش — نہ ہر خاکی گل انگیز است و نہ ہر نورستہ ریحانش

اس قصیدہ میں ایک مشہور تر شعر یہ ہے۔ ؎

بدریائے شہادت چوں نہنگ لا برآرد سر
تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

یہ شعر اس قدر دقیق معنی اور رموز و اسرار حقیقت سے بھرا ہوا ہے کہ متعدد اکابر نے غور کیا اور ان کو اس کی شرحیں لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز نے شرح لکھی۔ اسی کے قریب زمانہ میں جونپور کے بادشاہ سلطان

ابراہیم شرقی کی درخواست پر حضرت شیخ کبیر مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اس کی شرح لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیجی۔ ان کے بعد مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے ایک امیر کی فرمائش پر ایک مبسوط شرح لکھی۔ یہ شرح ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوئی تھی۔ ایک شرح حضرت حسن محمد گجراتی نے اور ایک شرح میاں احمد چشتی گجراتی نے لکھی ان کے علاوہ دو شرحیں اور بھی میری نظر سے گزری ہیں۔ حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز کی شرح اس مجموعہ میں شریک کی گئی ہے۔ اس کا ایک قدیم قلمی نسخہ مجھ کو حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب کے کتب خانہ سے ملا۔

(۱۱) برہان العاشقین معروف قصہ چہار برادر مشہور بہ شکار نامہ

یہ ایک صفحہ کا مختصر مضمون ہے جس میں حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ نے حقیقتِ انسانی کا ابتدائے آفرینش سے انتہائے کار دنیاوی دموت تک کا خاکہ نہایت غامض مگر بے حد لطیف پیرائے میں کھینچا ہے۔ صوفیوں میں یہ معمّا اس قدر مقبول ہوا کہ متعدد اکابر طریقت نے مختصر اور مطول شرحیں لکھیں۔ اس مجموعہ میں اکابر سلف کی چھ شرحیں شریک کی گئی ہیں۔ اور ساتویں شرح ہمارے محترم کرم فرما حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب نے خاص اس مجموعہ کے لئے لکھ کر دی۔ ہر شرح کی مختصر کیفیت اور اس کے شارح کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

شرح اوّل و دوم برہان العاشقین

قاضی عین القضات ہمدانی کی تمہیدات کی شرح حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہ نے لکھی ہے "مصری کندری" نامی ایک بزرگ کے قلم کا نقل کیا ہوا اس کا ایک نہایت اچھا نسخہ ہمارے محترم دوست نواب معشوق یار جنگ بہادر کے پاس تھا۔ مصری

کندری نے اس کو اپنے لئے حیدرآباد میں ۱۱۴۹ھ میں نقل کیا تھا۔ یہ نسخہ کتب خانہ روضتین میں اوقف کردیا گیا ہے۔ اس کے آخر میں انہیں کاتب مصری کندری کی لکھی ہوئی دو شرحیں بھی شریک ہیں۔ ان کی نقل لی گئی اور اس مجموعہ میں شریک کی گئی۔ پہلی شرح مکمّل ہے اور گو مختصر ہے لیکن نہایت وضاحت سے لکھی گئی ہے۔ شارح نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ بعض قرائن سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً مخدوم سید اکبر حسینی (فرزند اکبر حضرت مخدوم گیسو دراز قدس سرہما) کی لکھی ہوئی ہے۔ مگر اس کا اطمینان بخش ثبوت نہیں مل سکا۔ بہر حال شرح کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح علیہ الرحمہ عالم جید اور عارف کامل تھے ۱۱۴۹ھ میں جب اس کی نقل لی گئی تو ظاہر ہے کہ تصنیف بہت پہلے کی ہوگی۔

دوسری شرح ناتمام ہے۔ اگر تمام کی گئی ہوتی تو خوب شرح ہوتی۔ شارح کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

شرح سیوم بُرہان العاشقین از حضرت شیخ حسن محمد چشتی علیہ الرحمہ

اِس شرح کے مولف حضرت شیخ ابو صالح محمد معروف بہ شیخ حسن محمد بن شیخ احمد معروف بہ میانجیو بن شیخ نصیر الدین ثانی بن شیخ محمود الدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ کمال الدین علامہ بن شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن حضرت ختم المشائخ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے والد کے چچا کے فرزند تھے اور شیخ کمال الدین علامہ کی والدہ حضرت ختم المشائخ کی حقیقی ہمشیر تھیں۔ اس لئے حضرت علّامہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے حقیقی بھانجے اور چچازاد بھائی تھے۔ وہ حضرت چراغ دہلی کے سابق ترین اور برگزیدہ ترین مرید اور خلیفہ بھی تھے۔ خواجہ بندہ نواز ان کے پیر بھائی تھے اور ان کی صحبت سے ظاہراً و باطناً مستفید ہوتے تھے۔ حضرت علامہ کی رحلت پیر کے زمانہ حیات میں ۲۷ ذی قعدہ ۷۵۶ھ کو دہلی میں ہوئی اور مزار مبارک پیر کے

مزار کے احاطے کے اندر ہے۔ حضرت چراغ دہلی کی رحلت کی تاریخ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ہے۔ حضرت کمال الدین علامہ کے بڑے فرزند شیخ سراج الدین حضرت چراغ دہلی کے مرید تھے مگر تعلیم و تربیت اور خلافت اپنے والد سے پائی تھی۔ والد نے ان کو گجرات بھیج دیا۔ وہاں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی سجادگی تاحال ان کی اولاد میں احمد آباد گجرات میں باقی ہے۔ شیخ حسن محمد چشتی کو خلافت اپنے چچا شیخ جمال الدین جمن سے اور ان کو ان کے والد شیخ علم الدین سے اور ان کو ان کے والد شیخ سراج الدین علامہ سے ملی تھی۔ یہ سلسلہ بہت بابرکت ہوا۔ ان کے متوسلین میں بکثرت درجۂ ولایت پر فائز ہوئے۔ حضرت محب النبیؐ مولانا فخر الدین چراغ چشت دہلوی بن مولانا نظام الدین اورنگ آبادی اسی سلسلے سے وابستہ تھے۔ شیخ حسن محمد چشتی قدس سرہ کی رحلت روز دوشنبہ بست و ہشتم ذی قعدہ ۹۸۲ھ کو ہوئی۔ مزار مبارک احمد آباد گجرات میں ہے۔

شیخ حسن محمد چشتی کے فرزند و خلیفہ حضرت شیخ محمد قطب گجرات نے اپنے والد علیہ الرحمہ کے چھوٹے چھوٹے بیالیس رسالوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ برہان العاشقین کی یہ شرح اسی مجموعہ سے نقل کی گئی۔ مقابلہ اور تصحیح کے لئے دوسرا نسخہ مجھے نہیں ملا۔

شرح چہارم برہان العاشقین از حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ

مخدوم سید عبد الواحد بلگرامی بہت بلند مرتبہ عالم اور عارف اور سادات بلگرام کے خاندان کے فرد فرید تھے۔ کم عمری میں حضرت مخدوم صفی الدین سائی پوری سے مرید ہوئے اور چند سال تک ان کے زیر تربیت رہے۔ ابھی صرف اٹھارہ سال کے تھے کہ پیر کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا۔ تکمیل باقی تھی۔ اس لئے اپنے والد کے دوست شیخ حسن سکندرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سال تک خدمت گزاری کرکے میر عبد میر غلام علی آزاد

بلگرامی و تربیت ہائے فراواں یافت" اور تکمیل کے بعد ان سے خلافت حاصل کی۔
سید عبد الواحد بلگرامی صاحبِ تصنیف بھی۔ سبع سنابل ان کی نہایت مشہور اور
صوفیوں میں نہایت مقبول کتاب ہے۔ نزہت الارواح کی مبسوط اور محققانہ شرح
بھی لکھی ہے۔ چھوٹے چھوٹے رسالے بھی بہت سے ان کی تصنیف ہیں۔ ان کی
رحلت جمعہ سیوم رمضان المبارک سنہ ۱۰۱۷ھ میں ہوئی۔ مزار بلگرام میں ہے۔

میر عبد الواحد بلگرامی نے برہان العاشقین کی ایک مختصر مگر نہایت واضح
شرح لکھی ہے۔ اس کے نسخے مجھے ملے۔ ایک علامہ سید عبد الجلیل بلگرامی کے والد
سید احمد بن سید عبد اللہ کے قلم کا ۱۰۳۲ھ کا۔ نہایت خوشخط لکھا ہوا۔ دوسرے پر
کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے مگر سنہ ۱۱۰۰ھ کے کچھ ہی بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ ان
دونوں کے مقابلے سے تصحیح کی گئی۔

شرح پنجم برہان العاشقین از حضرت میر سید محمد کالپوی رحمۃ اللہ علیہ

میر غلام علی آزاد مآثر الکرام میں لکھتے ہیں "اصل ایشان از سادات ترمذ است"
ان کے اجداد میں ایک بزرگ ترمذ سے آکر جالندھر میں سکونت پذیر ہوئے اور حضرت
سید محمد کے والد جالندھر سے کالپی چلے آئے۔ حضرت قدس سرہ نے پہلے شیخ یونس
محدث سے تلمذ کیا۔ میر غلام لکھتے ہیں "شیخ یونس در حفظ شریعت غرا بسیار می
کوشیدند۔ تشرعات در مزاج وہاج تاثیر تمام کرد و نور متابعت نبوی تربیائے
ایشان را فرا گرفت" شیخ عمر کی رحلت کے بعد کچھ دنوں مولانا عمر جاجموی سے تلمذ کیا
اس کے بعد شیخ جمال اولیا قدس اللہ سرہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے تکمیل علم
سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پیر نے سلاسل چشتیہ اور قادریہ اور سہروردیہ اور
مداریہ میں خلافت دے کر ان کو رخصت کیا۔ کالپی واپس آئے اور "بیاد رب الارباب"

تلقین اصحاب مشغول شدند" بعد چندے جالندھر تشریف لے گئے۔ واپسی میں آگرے میں حضرت امیر ابو العلا اکبر آبادی قدس سرہ سے ملے اور طریقہ نقشبندیہ اور ابوالعلائیہ میں خلافت حاصل۔ حضرت سید محمد کالپوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے اولیاء کبار میں بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی ماثرالکرام میں لکھتے ہیں۔ "حضرت سید در اواخر عمر عیسوی المشہد بودہ اند و بمقام قطبیت کبریٰ متمکن۔ وعیسوی المشہد بودن، عبارت ازیں است کہ۔ چنانچہ احیائے اموات حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقع شد۔ احیائے قلوب ازیں شخص واقع می شود"۔ حضرت سید محمد کالپوی کا فیض ابھی تک جاری ہے۔ میر سید عبدالواحد بلگرامی کے پرپوتے حضرت سید برکت اللہ مارہروی قدس اللہ سرہ کو سلاسل پنجگانہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، مداریہ، ابوالعلائیہ میں خلافت سید فضل اللہ بن سید احمد بن سید محمد کالپوی قدس سرہم سے ملی تھی۔ ان کے ذریعہ سے ان پانچوں سلاسل کا فیض ہندوستان میں پہنچا۔ حضرت شاہ برکت اللہ کے خاندان میں سجادگی ابھی تک آرہی ہے اور اس خاندان میں بہت بلند مرتبت اولیا ہوتے آئے ہیں۔ حضرت سید محمد کالپوی کا وصال بست وششم شعبان ۱۰۷۱ھ کو ہوا۔ مزار مبارک کالپی میں ہے۔

حضرت سید محمد کالپوی صاحب تصنیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں برہان العاشقین کی شرح بھی ایک ہے۔ اس کے دو نسخے بھی مجھے ملے۔ ایک نسخہ کانپور میں مولانا محمد عادل قدس سرہ کے فرزند مولانا ابوالقاسم حبیب الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے مجھے ملا۔ غدر کے زمانہ میں مولانا محمد عادل صاحب اپنے استاد حضرت شاہ سلامت اللہ صاحب کے ہمراہ کالپی چلے گئے تھے۔ وہاں حضرت سید محمد کالپی کے آستانہ میں ان کی تصنیفیں دستیاب ہوئیں اور مولانا نے ان کو نقل کر لیا ان میں یہ شرح بھی تھی۔ دوسرا نسخہ مجھ کو ایک تاجر کتب سے حیدرآباد (دکن) میں ملا۔ ان دونوں کے مقابلہ سے یہ تصحیح کی گئی۔

برہان العاشقین کی جتنی شرحیں لکھی گئیں ان میں سب سے واضح تر شرح

حضرت سید محمد کالپوی کی ہے۔ جیسے بلند مرتبت بزرگ وہ خود تھے ویسی ہی ان کی شرح بھی ہے۔ اس کے دیباچہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن وہ تنہا تشریف رکھتے تھے کہ دو بزرگ ان کے پاس آئے اور برہان العاشقین کا ایک نسخہ لائے اور کہا کہ یہ معما چونکہ نہایت غامض اور فہم سے باہر ہے اس لئے اس کو وہ "علماء اور فضلا" کے پاس لے گئے ان لوگوں نے کہا کہ "ایں کلمات مہملہ نتیجہ خیالات بے فائدہ است معانی ندارد کلام گیسو دراز بخواہد بود" اس کے بعد وہ اس کو "فقراء صاحب ارشاد و مشائخ پاک اعتقاد" کے پاس لے گئے ان لوگوں نے دیکھ کر فرمایا "ایں عبارت اسرار عاشقان حق و مستان جام معرفت مطلق است و غیر از ایشان کسے را دسترس بر ادراک مقاصد آں نیست صوفیوں کی سمجھ میں نہیں آیا اور انہوں نے اپنے قصور فہم کا صاف صاف اقرار کر دیا۔ مولویوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ مقتضائے جہل مرکب ان لوگوں نے بلا تکلف اس کو لغو بے معنی اور مہمل کہہ دیا۔ صوفی اور ظاہر پرست مولوی میں ایک فرق یہ ہے۔ وہ فقرا جب اس معمے کو حضرت سید محمد کالپوی کے پاس لے گئے انہوں نے اس کو لے لیا اور یہ شرح لکھدی۔ فرماتے ہیں "پس قلم برگرفتم و توفیق از حق خواستم و بہ امداد روح پر فتوح آں بزرگوار (سید محمد حسینی گیسو دراز) شرح کلمات مذکور بایں نوع آراستم۔

شرح ششم برہان العاشقین از مولانا محمد رفیع الدین محدث دہلوی

حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فرزند اور مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے قدس اللہ ارواحہم ان کا تمام خاندان بمصداق ؎

ایں خانہ تمام آفتاب است

علم و فضل اور درویشی کا مخزن اور سرچشمہ رہا ہے۔ اس خاندان کا ہر فرد صاحب

نازل ہوا۔ حدیث کا علم ہندوستان میں جس قدر رائج ہے سب اسی خاندان سے وابستہ ہے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب بڑے محدث اور مفسر تھے ان کا ترجمہ قرآن مشہور ہے۔ تمام عمر درس و تدریس اور عبادت الٰہی میں بسر کی۔ رحلت ۱۲۳۳ھ میں ہوئی۔ قبر شریف دہلی میں اس احاطہ میں ہے جہاں ان کے والد اور جد امجد شاہ عبدالرحیم قدس سرہ اور ان کے بھائی اور دوسرے اہل خاندان مدفون ہیں۔

بعض شاگردوں اور دوستوں کی فرمائش پر انہوں نے برہان العاشقین کی شرح لکھی۔ جیسا کہ آپ نے خود تحریر فرمایا ہے اس کو ۲ جمادی الثانی ۱۲۲۲ھ کو ختم کیا۔ نہایت دقیق اور مشکل اور عالمانہ شرح ہے۔ چالیس سال سے زیادہ زمانہ گذرا۔ مولانا قدس سرہ کے دوسرے چھوٹے چھوٹے آٹھ رسالوں کے ساتھ یہ شرح بھی مطبع احمدی میں چھپی تھی اس سے نقل لی گئی اور اس مجموعہ میں شریک کی گئی۔

شرح ہفتم برہان العاشقین از مولانا حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب حیدرآبادی دام فیضہم

مولانا حکیم مرزا قاسم علی بیگ صاحب حیدرآباد کے باشندہ ہیں بیگم بازار میں ان کی سکونت ہے۔ سررشتہ مالگذاری میں ملازم تھے۔ چند سال ہوئے کہ وظیفہ لے لیا اور اب خانہ نشین ہیں۔ وہ عالم متبحر ہیں۔ فلسفہ اور حکمت اشراق اور طب میں بہت بلند درجہ [illegible] نہایت وسیع ہے [illegible] شاعر [illegible] [illegible] اس [illegible] نام [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible]

چونکہ نام و نمود سے نفرت ہے، تو اسے انہیں طبع کرانے اور شائع کرانے کا خیال
تک نہیں کرتے۔ کاش یہ شعر پارے اور رسالے اور مضامین شائع ہو جاتے تو معلوم ہوتا
کہ ہمارے ملک میں باقیات الصالحات اب بھی ایسے باکمال افراد موجود ہیں.....
بہرحال عاشقین کی ان کی یہ شرح غالباً ان کی پہلی تحریر ہے جو اس مجموعہ میں شریک
ہو کر شائع ہو رہی ہے۔

اس مجموعہ کے اکثر رسالے بھی مجھے انہیں بزرگوار کے کتب خانہ سے ملے ہیں۔ وہ
چاہتے تھے کہ یہ سب مجموعے کے طور پر شائع ہو جائیں۔ جس وقت جب مطابع پر ان کی
طباعت شروع ہوئی اور انہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اس کی چھ شرحیں درج کر لی ہیں
اور ابھی ایک کی تلاش باقی ہے تاکہ سات کے عدد پورے ہو جائیں تو انہوں نے خود
ایک شرح لکھ کر مجھے دینے پر آمادگی ظاہر کی اور لکھ کر دے دی۔ یہ شرح انہوں نے فلسفہ
اور حکمت اشراق کے اصول پر لکھی ہے۔ صوفیانہ مشرب بھی ان اصول کے ساتھ ملا
ہوا ہے۔ اور شک نہیں کہ اس طرز میں یہ شرح بھی لاجواب ہے۔

———— ★ ————

ترجمہ یازدہ رسائل

(۱)

رسالۂ اول

تفسیر سورۂ فاتحہ

از تصنیفات

حضرت قطب الاقطاب سید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

حضرت مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب سُنّی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ ۔ حقیقت الحقائق (ساری حقیقتوں کی حقیقت) کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ وہی مستحق عبادت ہے، وہ ساری قابلیات و کمالات سماوی (ناسوتی و ملکوتی) اور صفاتی (جبروتی) کا جامع (جمع کرنے والا۔ ملانے والا۔ مجتمع) ہے۔ قرآنی اسرار (رموز و نکات) فرقانی لطائف (نزاکتیں، باریکیاں خوبیاں) دنیا اور دنیا والوں کا قرار و قیام، ان کا باقی رکھنا، رکھا جانا اُسی سے اُسی کے لئے ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وجود کا فیضان (خیر کا عام ہونا) اس کی مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ) جس کی بقا تجلیات کی امداد سے۔ اُسی کی عطا کی ہوئی ایک نعمت ہے۔

اَلْحَمْدُ ۔ ازل سے ابد تک یعنی ابتدا کی ابتدا سے انتہا کی انتہا تک اول سے آخر تک ہر طرح کی ہر قسم کی جو بھی تعریف ہو سکتی یا جو بھی توصیف کی جا سکتی ہے وہ اُسی کے لائق و سزاوار ہے۔ سب موجودات اور ساری کائنات سے جو تعریف و توصیف منسوب کی گئی ہو یا کی جائے، ہوتی ہو یا ہو، وہ سب اللہ ہی کے لئے اسی کے شایانِ شان اسی کے لائق و سزاوار ہے۔

لِلّٰہِ ۔ خاص اُسی ذات کے لئے مخصوص ہے جو ہر صفت اور ہر خوبی

ہے موصوف و معروف ہے جو سب اسماء (نام) سے مسمّیٰ (پکارا گیا۔ نام والا) اور موسوم ہے۔ (نام دیا گیا ہے) جس قدر اور جتنے بھی موجودات پائے جاتے اور نہیں پائے جاتے وہ سب کے سب اسمائے الٰہی (اللہ کے ناموں) کے مظاہر (ظاہر ہونے کی جگہ) ہیں۔ جو تعریف یا توصیف ان کی کی جائے یا جو نسبت بھی انھیں دی جائے۔ کسی تاویل (ہیر پھیر) کے بغیر حقیقتاً وہ اسی کی تعریف ہے کیونکہ اس کے سوائے کسی کا وجود ہی نہیں۔ کوئی موجود ہی نہیں کسی کی نمود ہی نہیں کوئی نمود ہی نہیں سب کچھ اسی کا وجود اسی کی نمود ہے۔ وہی وہ ہے اور اسی کے لئے ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اپنے آپ کو تمثلات و تعینات کے لباس میں ظاہر کرنے والا عالم اعیان (باطنی) عالم اجسام (ظاہری) کا محبوب (محبت کیا گیا۔ پیارا معشوق) اور مُحب (محبت کرنے والا۔ پیار کرنے والا۔ عاشق) کا اشارہ وکنایہ اسی کی طرف ہونے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہے۔ جو بھی ہے وہ۔ وہی وہ ہے۔ اس کے سوائے اور کوئی نہیں۔ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ (جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو پروردگار ٹھہرا کر بُلاتا ہے) لَا بُرْهَانَ لَهٗ (اس کے پاس اس کی کوئی دلیل و سند نہیں) یہ جو فرمایا گیا یہ خود ایک کافی شہادت کُھلی گواہی ہے۔ سچ ہے اللہ کے سوا کسی کی خدائی کا اقرار جھوٹ من گھڑت بات ہے۔ الوانِ مختلفہ (قسم قسم کے، ایک سے ایک جدا رنگ) اشکال متضادہ (طرح طرح کی۔ مختلف، ایک دوسرے سے جدا شکل وصورت) کے باوجود خدائے تعالیٰ احد ہے (ایک ہے اور ایسا ایک ہے جو گنتی کا ایک نہیں ایسے ایک کا دُو نہیں) چنانچہ فرمان ہے۔ ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے) سب کو یہ بھی بتلا دیجئے کہ وہ وحدہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ (ایک ہے کوئی اس کا شریک و ساجھی نہیں) ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے

ہے ہمارا ایمان ہے وہ خود بھی فرماتا ہے کہ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (تمہارا پروردگار ایک ہے) یاد رہے کہ وہ ایسا یکتا ہے ایک ہے کہ جس کا دو نہیں یعنی ایک ہی ایک ہے دوسرے کا وجود ہی نہیں وہ اپنے آپ میں اپنے ساتھ آپ ہی مشغول ہے اپنے ساتھ آپ ہی عشق کرتا ہے کسی اور سے مشغول نہیں وہی وہ ہے وہی اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن (وہی اگلا وہی پچھلا وہی کھلا وہی چھپا (پہلے کا پہلا پچھلے کا پچھلا۔ کھلے کا کھلا۔ چھپے کا چھپا ہے وھو بکل شئ علیم (وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے) کسی نے خوب کہا اور سچ کہا ؎

عشق است آنکہ در دو جہاں جلوہ میکند   گاہ از لباس شاہ وگہ از کسوتِ گدا

(عشق ہی ہے جو دونوں جہان میں جلوہ کر رہا ہے   کبھی بادشاہ کے لباس میں کبھی فقیر کی گودڑی میں)

الرَّحْمٰن رحمٰن وہ ہے۔ جو دوسرے مرتبہ میں وجود متوہم کی فنا کے بعد تجلی صفات وجود بخشتی کیا کرتا ہے۔ جناب [illegible] [illegible] پہلے [illegible] ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اسی تجلی کا ذکر اپنے قرآن [illegible] وکذالک نری ابراہیم ملکوت السموٰت والارض ولیکون من الموقنین (اسی طرح [illegible] ابراہیم کو ملکوت [illegible] یعنی آسمان و [illegible] [illegible] سب کچھ [illegible] حقیقت ان پر [illegible] [illegible] [illegible]

دکھ جاتے ہیں کسی کے ہمراہ کسی جگہ حاضر ہونا ہاتھ آجاتا میسر ہو جاتا ہے۔ اِذا تم الفقر ھو اللہ (جب فقر پورا ہو جاتا کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ ہی اللہ ہے) جو کہا گیا وہ یہی رمز یہی راز یعنی بھید چھپی ہوئی بات ہے۔ ھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (وہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے) کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔ یہ وہ مشاہدہ ہے کہ وقت کے ہاتھ آجانے یعنی تنزل یعنی اس میں اُتر آنے سے ہمیشہ کے لئے اس کا شہود ہی شہود رہتا ہے۔ یعنی ہمیشہ اس کا سامنا اس کے ساتھ ہوتا رہتا ہے یہ وہ مرتبہ وہ مقام ہے کہ جہاں وہم وگمان شک وشبہ کا پتہ نہیں بلکہ مفقود (گم) ہے اس تجلی اور اس مرتبہ میں غیر و غیریت کا وجود سالک کی نظر میں نہیں رہتا یعنی اس کو غیر دکھلائی نہیں دیتا وہ غیر و غیریت کو نہیں پاتا سب کو عین دیکھتا اور جانتا ہے۔ اس سے پہلے جو تجلی سالک پر ہوئی تھی اگرچہ اس میں بھی مشاہدہ جمال ذی جلال شامل حال تھا لیکن شہود کا آفتاب غروب ہو جاتا تو ایک قسم کی تیرگی یعنی دھندلاپن اور اندھیری وہم و گمان یعنی تنزل سالک کے دل کے کنارے سے ظاہر ہوا کرتا تھا وہ اس دوسری تجلی مرتبہ و مقام میں پیش نہیں آتا۔ اس مرتبہ میں آفتاب شہود کے لئے طلوع وغروب نہیں وہ ہمیشہ اپنی جلوہ نمائی میں ہوتا ہے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ روزِ جزا یعنی بدلہ کے دن کا مالک، یعنے خداوند آقا متصرف اور صاحب وہی ہے۔ جزا سے سالک کی فنا کا وقت اور اس کی بیخودی مراد ہے جو عالم کثرت سے ہو جاتی ہے۔ یعنی جب سالک کو پہلی فنا سے فانی یعنے پہلی بار جب "کچھ نہیں" کر دیا جاتا ہے تو یوم تبدل الارض غیر الارض (اس دن یعنی اس تجلی میں زمین اور ہی زمین سے بدل جائے گی) کی تقضا اور بلحاظ اشرقت الارض بنور ربھا (چمک گئی روشن ہو گئی زمین اپنے پروردگار کے

نورت، سالک کے وجود کونی (دنیاوی جسم) کو اپنی جلوہ گاہ بنائے کر اس کی ہستی یعنی انیّت کو برز الله یعنے الله ظاہر ہوا (باہر آیا، برآمد ہوا) کی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیتا ہے سرادقات عزّت (بزرگی، حرمت کے پردوں) سے پیچھے سے لِمَنِ المُلکُ الیَوم (آج کا دن کس کے لئے۔ آج کس کی حکومت۔ آج کس کی تجلی ہے) کی ندا دی جاتی ہے۔ جس سے سالک الا کلّ شیءٍ ما خلا الله باطلا (اللہ کے سوائے جو کچھ ہے جو کہا کرتے ہیں وہ باطل یعنی سراسر جھوٹ ہے) کی شراب سے مست ہو کر جاء الحقّ وزهق الباطل (حق آگیا۔ باطل چل دیا) میں آ جاتا ہے تو حق ہی حق رہ جاتا ہے باطل روانہ ہو جاتا ہے۔ اس حال میں لباس حق پہن کر زبان حال سے لله الواحد القهار (اللہ ہی کے لئے جو یکتا و یگانہ ضابطہ اور صاحب غلبہ و زور ہے) کہنے لگ جاتا ہے۔ اور جزا کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہی وہ ہے جو متصرف باطن ہے اوقات فنا فی اللہ میں بقا باللہ عطا فرماتا ہے جس کی بناء پر سالک اللہ تعالیٰ کی بقا سے باقی رہتا ہے۔ لی مع الله وقتٌ (اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے) کی عبارت کا منشا بھی یہی ہے۔ کبھی وہ تنزل میں لاکر فنائے دوام (ہمیشہ کی نفی کچھ نہ ہونے) کے شہود کی عطا سے سالک کو مستغنی (لاپرواہ) بنا دیتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ روز جزا کے متصرف کا مطلب یہ ہو کہ وقتیہ مشاہدہ بعض کے لئے تھوڑا اور بعض کے لئے بہت نصیب ہوتا ہے۔ وقت کے تواصل و توالی (آملنے پے درپے ایک کے بعد ایک تجلی ہونے) سے مشاہدہ کے ایک جذبہ میں (ایک کشش میں) رکھ کر ایک گروہ کو مسلوب العقل (عقل سے بے ہوش) کر کے مجذوب و دیوانہ بنا دیتا ہے۔ عقل سے محروم کر دیتا ہے۔ الا انّ اولیاء الله لایموتون (اللہ کے دوست نہیں مرتے) سے جس کی خبر ملتی اشاع ہوتی ہے یا یہ ہو کہ بدلہ

(نزدیکی) سے بدل جاتی ہے غیبت (آنکھ سے اوجھل ہونے) کی پستی (ذلت
و تباہ یعنی) سے نکل کر خطاب کے حلقہ گفتگو کے دائرہ میں آجاتے ہی اس کی
مخاطبت میں بے اختیار اِیَّاکَ نَعۡبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کہنے
لگ جاتا اور عبادت ہی میں رہتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی جو کچھ خدمت
بندگی عبادت ہم سے وجود میں آتی ہے۔ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ بظاہر اگرچہ ہماری
طرف منسوب ہوتی ہے۔ ہماری کہی جاتی ہے فی الحقیقت وہ تیری ہی سبب
تیرے ہی لئے ہے تجھ ہی سے منسوب ہے۔ تیرے غیر کا وجود ہی نہیں تو ہی تو ہے
چنانچہ شیخ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو بھی تو دوست رکھے۔ اپنا
دوست بنائے۔ دوست جانے۔ سمجھ کہ تونے اسی کو دوست رکھا اسی کو دوست
بنایا جس طرف بھی تیری توجہ ہوتی ہے یا تو متوجہ ہوتا ہے سمجھ کہ اسی کی طرف
تیری توجہ ہے اور اسی کی طرف تو متوجہ ہے۔ اگرچہ تو یہ نہ جانے۔ حقیقت یہ
ہے کہ سب کے ساتھ جو دوستی ہوتی ہے پائی جاتی ہے۔ سب پر جو توجہ ہوتی ہے
پائی جاتی ہے وہ حقیقتاً اُسی کے ساتھ اسی کی طرف ہوتی ہے ؎

میلِ جملہ خلق عالم تا ابد	گر شناسند وگر نہ سوئے تست
(ساری مخلوق کی توجہ ابد تک	(چاہے تجھکو پہچانیں یا نہ پہچانیں تیری ہی طرف ہے)
جز ترا چوں دوست نتواں داشتن	دوستی دیگراں بر بوئے تست
(جب تیرے سوائے کسی کو دوست نہیں رکھا جاسکتا تو)	(دوسروں کیساتھ جو دوستی کیجاتی ہے وہ تیری ہی خوشبو ہے)

وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔ اثبات یگانگی میں ہم خاص طور سے تجھ ہی سے
مدد چاہتے ہیں۔ اثبات یگانگی یعنی دوستی و یکتائی کے ثابت و محقق ہونے سے
ثبوت و تحقیق پاجانے سے ذرا بھی شائبہ شرک جلی و خفی کا نہ ہونے سے ہم

خصوصیت کے ساتھ تجھ ہی سے اعانت (یاری) کے طالب ہیں مدد مانگتے ہیں۔ شرک جلی یہ کہ غیر کا نام زبان پر لائیں۔ عالم کو۔ اس کا غیر جانیں۔ شرک خفی یہ کہ خطرہ غیر کو دلمیں گذرنے۔ آنے دیں تاثیرات کو اشیاء کا اثر جانیں مؤثر حقیقی سے غافل ہوجائیں سبب۔ وعلت میں رہ جائیں، مسبب کو فراموش کردیں (بھول جائیں) اس بارے میں ایک حکایت کہی جاتی ہے کہ جب سلطان العارفین یعنی خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی روح عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رجوع ہوکر ریاض قدس یعنی جنّت کے باغوں میں پہنچی اور داخل ہوگئی تو ندا آئی کہ ہمارے لئے کیا تحفہ لائے۔ آپ نے عرض کیا کہ خداوندا تیری بارگاہ کے لائق کیا لاسکتا ہوں۔ کچھ بھی نہیں لایا اس قدر عرض کرسکتا ہوں کہ میں نے کبھی شرک نہیں کیا تو خطاب ہوا کہ بات ایسی نہیں ذرا یاد کرو۔ ایک رات تم نے دودھ پیا تھا تمہارے پیٹ میں درد ہوا تھا۔ تم نے یہ کہا تھا کہ دودھ پینے سے درد ہوا۔ تم نے درد کی نسبت دودھ سے دی ..... ہائے۔ ہائے کیا کیا جاسکتا ہے ؎

زدرِ خویش مرا بردرِ غیرے بردی　　　باز گوئی کہ چرا بر درِ غیرے گذری

(اپنے دروازے سے خود مجھکو دوسرے کے دروازے پر لے گیا۔ اور پھر یہ کہتا ہے کہ تو کیوں دوسرے کے دروازہ پر گیا)

؎ کجا غیر کو غیر کو نقشِ غیر　　　سوی اللہ واللہِ مافی الوجود

(غیر کہاں۔ کون غیر۔ غیر کا اثر کیا۔ قسم اللہ کی اللہ کے سوائے کوئی وجود نہیں)

اللہ ہی اللہ ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا۔ سب میں تصرف دینے والا اللہ ہی ہے سب کچھ اُسی کا ہے بلکہ وہی وہ ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ التصوف شرکٌ لانہ صیانۃ القلب عن الغیر ولا غیرہ (تصوف شرک ہے یعنی غیر ٹھہرانا دُو کی قرارداد کرنا ہے۔ غیر کا وجود ہی نہیں، جس کو تم غیر کہتے ہو

سمجھتے ہو وہ اسی کا نورِ ظہور ہے۔ چنانچہ ایک محقق کہتا ہے سہ

یک عین متفق کہ جز او ذرہ نبود — چون گشت ظاہر ایں ہمہ اغیار آمدہ

(سب کا مانا ہوا ایک ہے جس کے سوائے کوئی اور نہیں۔ جب وہ ظاہر ہو گیا تو یہ سب غیر کی صورت میں نکل آئے)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ (اے پروردگار میں تیری پناہ تجھ سے چاہتا ہوں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیری مدد تجھ سے ہی چاہتا ہوں تیرا ہی سہارا ڈھونڈتا چاہتا ہوں تیری پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں)....

ہوش میں آؤ سمجھ جاؤ کہ جہاں یعنی یہ ساری کائنات یعنی اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ غیر نما ہے دنیا غیر سے جیسی نظر آتی ہے لیکن وہ غیر نہیں۔ وہی وہ ہے اس کے سوائے کوئی اور نہیں سہ

رہنمایم باش دیوانم بشوے — وز دو عالم تختہ جانم بشوے

(میرا راستہ بتلانے والا ہو جا میری عقل کو دھو ڈال۔ میری جان سے دونوں عالم کا نقش دھو ڈال)

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ سیدھی راہ کی رہبری کر۔ سیدھی راہ پر سیدھی طرح سے چلا۔ ہیر پھیر میں نہ ڈال۔ سیدھی راہ کونسی ہو سکتی ہے وہ یہی کہ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (میرا پروردگار ہی سیدھی راہ پر ہے) خوب سمجھ جاؤ کہ یہ سارے مظاہر (جائے ظہور) ہیں چاہے وہ جلالی ہوں یا جمالی۔ سب اسی کے مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ) ہیں سب مظاہر میں وہی ظاہر اور ظہور کیا ہوا ہے۔ وہی مضل (رستہ بتلانے والا ہدایت کرنے والا۔ راستے سے بھٹکانے والا۔ گمراہ کرنے والا) وہی ہے الغرض ناموں کی ہی فعالیت سے وہ فاعل ہے۔ متصرف حقیقی وہی ہونے سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ فاعل حقیقی ایک ہے۔ ایک کے سوائے کوئی اور نہ ہونے سے لامحالہ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ فعل میں بھی اس کے سوائے کوئی اور نہیں چنانچہ

فرماتا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (اللہ نے پیدا کیا تم کو اور جو کچھ کہ تم کرتے ہو یعنی تمہارے افعال کو تم کو) وہ اسی راز کو کھولتا ہے سے

ہیچ جا نیست کہ عکس رُخ او پیدا نیست جرم آئینہ بود گر نبود عکس پذیر

(کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں اس کے چہرہ کا عکس ظاہر نہ ہو۔ آئینہ کا قصور ہے اگر وہ عکس نہ لے یعنی پیش نہ دکھلائے)

استغفراللہ ۔ استغفراللہ ۔ واتوب الیہ (اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اللہ کی مغفرت میں آتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہوں)

اٰمنت باللہ ۔ (ایمان لایا میں اللہ پر) ایسی ذات اور مطلق حقیقی پر ایمان لایا کہ وہ لوث کثرت (بہت ہونے کے داغ دھبہ) سے منزہ (پاک و مبرا) ہے یعنی زیادہ تعداد میں ہونے کے میل کچیل سے پاک صاف بے داغ دھبہ ہے مطلب یہ کہ تقیدات و تعینات کے باوجود یعنے نمود و اعتبارات کے ہوتے ہوئے بھی وہ الآن کما کان (جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے۔ ویسا ہی رہے گا) ہے۔ اپنے اطلاق کی صرافت (قید کی پاکیزگی) میں نرالا ہے۔ یہ پاکیزگی اس کی ایسی بے قید ہے کہ وہ اپنی پاکیزگی میں اپنے حال میں آپ ہے چنانچہ فرماتا ہے ان اللہ غنیٌ عن العٰلمین۔ (اللہ دونوں جہاں سے لاپرواہ ہے) خاص صفت مخصوص تعریف و توصیف اسی کے لئے سزاوار ہے۔

ملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لے آیا اس پر بھی ایمان لایا کہ یہ سارے تعینات و تکثرات یہ ساری صورتیں سب اسی کے مظاہر ہیں وہی وہ ہے کہ اس لباس میں متلبس (لباس لیکر) ہوکر بہت سارے لباس میں تجلی فرمایا

خوب یاد رہے کہ اس کا غیر "عدم محض" یعنی "ہے ہی نہیں" اس کے سوائے کوئی وجود و نمود نہیں رکھتا۔ وجود و نمود میں نہیں ھُوَ ھُوَ لَیْسَ ھُوَ اِلَّا ھُوْ۔

(وہی وہ ہے کوئی اور نہیں وہی وہ ہے) اس کو غور سے سمجھ اچھی طرح سے پاؤ کہ یہ سب اسی کی بود و نمود ہے ؎

اندر آئینۂ جہاں بنگر   تا بہ بینی ہمیں زماں روشن
(دنیا کے آئینہ میں دیکھو   تاکہ اس کو اسی وقت کھلا دیکھو)

کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقین   جان جاناں ودلبر دل و دین
(وہی وہ ہے جو کچھ بھی ہے یقیناً وہی ہے   معشوق کا معشوق ایسا معشوق جو دل و دین لیتا ہے)

ذرا غور کرو۔ ہمیشہ مشاہدہ کے طوفان میں ہوتے ہوئے بھی یہ کیسی عجیب حیرت وحیرانی ہے کہ جس میں یہ کہتا ہے کہ تیری بھویں میرا قبلہ ہے۔ میں کھویا ہوا سجدہ کروں تو کہاں کروں۔ جلالی وجمالی مظاہر سالک کی نظر سے (یعنی نظر وہ میں ایک کے سوائے منظور نظر نہیں رہتے۔ سب کو ایک دیکھتا ہے۔ اس مرتبہ میں شریعت کی رعایت۔ مراتب کی پاسداری اس کی حفاظت بڑی کٹھن چیز ہے۔ انتہائی جوانمردی کا کام ہے۔ اس شہود کے ہاتھ آنے سے پہلے سالک کے لئے ساری چیزیں حق کا حجاب تھیں۔ اس شہود کے نصیب ہوجانے کے بعد حق تعالیٰ سب چیزوں کا حجاب بن گیا ہے ہائے رے ہائے۔ کیا کرسکتے ہیں کیا کیا جاسکتا ہے۔ کرنا ہی پڑتا ہے اور کرتے ہی رہتے ہیں۔ شریعت کی رعایت مراتب کی حفاظت اولیائے محفوظ کا طرۂ امتیاز اور طغرائے خاص ہے

صِرَاطَ الَّذِيْنَ: ان کا راستہ جنھیں تو نے اپنے انعام اور اپنی نعمت دیدار سے مشرف و سرفراز اور مشاہدہ سے بانصیب فرمایا۔ ہمیں ان میں شامل کرکہ جنھوں نے دیدار کی نعمت مشاہدہ و مکاشفہ کی دولت نصیب ہونے کے باوجود شریعت کی پاسداری و رعایت۔ مراتب کی نگہبانی وحفاظت کی جنھیں تو نے طریقت باطن کی فضیلت ارادت علمی کی بزرگی کے مدارج جلیل عطا

کرکے وجہ کمال (انتہائی خوبی) کے ساتھ فرائض کی ادائی احکام کی بجاآوری کی قوت عطا فرمایا۔ وہ ہمیں بھی عطا فرما۔ وہ ایسے تھے کہ جن کے دلوں پر مشاہدات کے فیضان۔ انتہائی عنایت کی گھٹائیں پے درپے پہنچتے رہنے کے باوجود امتثالاً لِاَوَامِرِاللّٰہ وَاجْتِنَاباً لِّنَوَاھِی۔ یعنی قبول حکم و تعمیل حکم میں تھے۔ بلحاظ حکم کام کرتے تھے۔ کام کرنے کا حکم کرتے تھے اسی کام میں رہتے تھے منع کئے ہونے سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی بچاتے تھے۔ بچنے کا حکم کرتے تھے سارے احکام شریعت فرائض واجبات آداب وسنن کو اچھی طرح سے ادا کیا کرتے تھے کبھی مغلوب الحال نہ ہوتے تھے۔ حال کے دباؤ میں نہ آتے تھے۔

کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ (بات کرو لوگوں سے ان کی سمجھ کے لحاظ سے) کے فرمان کے مطابق ہمیشہ نصیحت وفہمائش کیا کرتے تھے۔

یہ یاد رہے کہ جو بزرگ ہستیاں بلند مرتبہ کی ہوتی ہیں وہ اسی طرح بجا آوری کیا کرتی ہیں۔ جنھیں اصحاب بہترین کہتے ہیں۔ یہ وہ کمال ہے جس کو "مرتبہ تمکین" "رتبہ تاج نبوت" کہا جاتا ہے

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ [illegible] لوگوں کے [illegible] نہیں نہ دیا جو ہمیشہ جلالی تجلی میں رکھ چھوڑے گئے ہیں [illegible] کرتے ہیں یہ تجلی عقل کو زائل کر دیتی ہے ہستی کو توڑ دیتی ہے۔ ہمیں ایسا بھی نہ کر جنھیں تو نے جذب میں رکھ کر مجذوب [illegible] تمکین کے حظ [illegible] اور ان کے [illegible] سے محروم کر رکھا ہے۔ [illegible] کی بانی ہوئی [illegible] ہے کہ سالک اس مرتبہ تک [illegible]

[illegible] نہ رہ [illegible] کسی [illegible] کات [illegible]

کی [illegible]

ہر بات ہر چیز سے لاپروا رہتا ہے۔ اپنے آپ ہی میں ڈوبے ہوئے ہوتا ہے۔

وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ نہ ایسے لوگوں کا راستہ جنھوں نے راستہ کھو دیا۔ بھٹک گئے وقتیہ لاپروائی نے جنھیں گھیر لیا۔ ترقی وطلب سے روک رکھا۔ اس شعر کو ان کی رٹ بنا دیا ؎

نہ انتظار لقائیش بود چنیں کہ مرا ۔۔۔ کہ در مقابل چشمم ہمیشہ صورت اوست

(اس کے دیکھنے کا انتظار مجھ کو اس لئے نہیں ہے کہ ۔۔۔ ہمیشہ اس کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ہے)

لیکن محققین کا کہنا یہ ہے کہ ؎

نہ حسنش آخریں دارد نہ سعدی را سخن پایاں ۔۔۔ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ تو اس کے حُسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے بیان کی کوئی سرحد ہے پیاس کی بیماری پیاسا مر جاتا ہے دریا اسی طرح رہتا ہے)

اہلِ تمکین یہ کہتے ہیں ؎

ہزار ساغرِ دریا اگر بہ بادہ کشم ۔۔۔ ہنوز ہمت ما بادہ دگر خواہد

(اگر لاکھوں دریا شراب کے پیالہ میں پی جائیں ۔۔۔ پھر بھی ہماری ہمت اور شراب مانگتی ہے)

آمین! آمین۔ ایسا ہی ہمارے ساتھ ہو۔ ہمیں یہ نصیب ہو۔ بحرمت النبی و آلہٖ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کے صدقہ وطفیل میں) وصل علیٰ خیر خلقہٖ (درود وسلام بہترین مخلوق پر) فقط

—— تمت الترجمہ ۔ ۱۱ رجب سنہ ۱۳۶۴ ہجری ——

ترجمہ یازدہ رسائل

(۲)

رسالۂ دوم

استقامۃ فی الشریعۃ بطریق الحقیقت

تصنیف

حضرت سلطان العارفین امام الواصلین سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس سرہٗ

والے پر۔ اس کا ظہور اس کے بطون کے خلاف نہیں۔ اس کا بطون اس کے
ظہور کی ضد نہیں۔ اس کا حضور اس کا غیب ہے اس کا غیب اس کا حضور ہے
اس کا ظہور اس کا بطون ہے۔ اس کا بطون اس کا ظہور ہے اس کا وجود اس کا
شہود ہے۔ اس کا ہونا۔ ہو جانا۔ ہست ہونا ہی اس کا وجود ہے۔ اے اللہ تو تو ہے
تیرے سوائے کوئی نہیں تو ہی تو ہے۔ انتہائی تعریف طرح کے ساتھ مبالغہ کے ساتھ
اور مدح وثناء (تعریف وخوبی) درود وسلام رحمت وثناء کے ساتھ بہت ہی بلند
فائدہ مند محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ مخصوص ہیں۔ برگزیدگی۔ نزدیکی۔ اور
تقرب خاص سے کہ آپ کی شان میں پروردگار تعالیٰ وتبارک فرماتا ہے کہ قاب قوسین او ادنیٰ
"مل گئیں دونوں کمانیں بلکہ قریب تر سے بھی قریب ہو گئیں"۔ آپ پر آپ کی آل پر جو
صاحبان زہد وتقویٰ ہیں اور آپ کے اصحاب پر کہ دور کرنے والے ضلالت (گمراہی)
کے اور روشن ستارے ہیں ہدایت (صحیح راستہ پانے) کے۔ آپ کی عترت پر جن کو
اللہ تعالیٰ نے پوری طرح سے پاک کیا پاکی کے ساتھ پاک ومطہر ہیں۔

اما بعد (مدح وثنا کے بعد) کہنا یہ ہے کہ اس زمانے میں جب کہ ہجرت سے
سات سو بیانوے (۷۹۲ ہجری) سال گذر چکے ہیں۔ سمجھو کہ آٹھ سو کے قریب
قریب پہنچ گئے۔ آفات (دکھ مصیبت) بلیات (بلائیں) فتن (فتنے آزمائشیں)
مصائب (تکالیف) گناہ (بدکاریاں) ملکوں شہروں میں ہر طرف سے امڈ آئے ہیں۔
چھوٹے بڑے۔ لکھے پڑھے۔ ان پڑھ۔ عالم جاہل سب کو حبث سے مالا مال [illegible]
بادشاہ۔ جنہیں کچھ بھی نہیں آتا۔ تھوڑے سے بھی اہل تحقیق کی طرح زبان کھول رکھی ہے
ثابت و استوار قدم کہاں [illegible] ہوتے ہیں۔ بلکہ کسی کو ہدایت [illegible]
[illegible] نعوذ باللہ من شرور زماننا نعوذ باللہ

رکھنا کھلی گمراہی ہے۔ بے دینی گناہ کبیرہ ہے۔ ان صورتوں۔ ان حالات کو دیکھ کر
میں نے ارادہ کیا کہ چند باتیں اشارتاً اتصاف صفات۔ تعوذ ذات میں
لکھوا دوں تاکہ وفادار دوستوں۔ سچے بھائیوں کو قیاس صحیح کے ساتھ۔ حق کی ٹھیک
سمجھ۔ راہ حق کا صحیح طریقہ ہاتھ آجائے۔ اور ان ملاحدہ۔ الحاد میں پھنسے ہوئے
بے دینوں کی گفتگو جو اپنی تحریر و تقریر و بیان میں نزاکت خیال۔ باریکی بیان
کی شہرت رکھتے ہیں۔ اس میں جو بدعت (نئی بات خلاف سنت) کدورت (گندہ پن)
تدبیر راستہ سے بھٹکے ہوئے ہونا یعنی گمراہی انحراف (پھرنا) ہے اس سے وہ
بے خبر تھے۔ اپنی ہوا میں آپ ہی بہ گئے تھے۔ اسی طرح سے کبھی نہ آجائے۔ سب
کچھ سمجھ جائیں۔ اسی کو ہم اچھی طرح سے تفصیل کے ساتھ بتلانا چاہتے ہیں۔ تاکہ
سالک ایسے دینداروں کی اقتدا پیروی کریں جن کی شان میں جن کے بارے
میں المرد علی دین خلیله (مرد اپنے دوست کے راستے پر ہوتا ہے) کہا گیا ہے۔ یہ
بھی واضح رہے کہ ساتھیوں کو سیدھے راستہ پر لیجانے منزل میں پہنچنے کا راستہ بتلانے
کے لئے شروط موافقت (برابری و یکسانیت کی شرطیں) و مصادقت (دلی دوستی)
کا جاننا ضروری ہے دین کی قیمت اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حق چھپا نہ رہے۔
دین اسلام کی راہ ٹیڑھی نہ ہو جائے۔ جو خدا رسیدہ حضرت ہوتے ہیں وہ کسی کے
لئے یہ روا نہیں رکھتے کہ وہ حرمان (دوری محرومی) میں پڑ جائے یا رد ہو جائے۔
دستگیری (مدد دینا۔ ہاتھ پکڑنا) ثبات قدم حضرات ہی کا کام ہے۔ مردان حق کام
کی حقیقت کی تحقیق رکھتے ہیں۔ انہی کا یہ حوصلہ ہے۔ ہم نے اس رسالہ کا نام استقامت
فی الشریعت بطریق الحقیقت رکھا ہے تاکہ یہ اسم با مسمیٰ ہو جائے (جیسا کہ اس کا
نام ہے یہ ویسا ہی نامزد ہو جائے) وباللہ التوفیق (راستہ دکھانا اللہ کا کام ہے)

نظریات ثابت ہو جاتے ہیں بعض وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ صفات عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ ایک لحاظ سے عین ذات ایک اعتبار سے غیر ذات ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ بعض صفات عین ذات ہیں جیسے کہ وجود۔ حیات۔ بقا۔ بعض غیر ذات جیسے کہ خلق۔ رزق۔ احیا۔ سب اسی کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی کے ایک ایک طرف کو کہ حق ہی حق ہے۔ جو گرمی و نرمی کرتا ہے۔ جو مارتا ہے قابو میں کر لیتا۔ چھوڑ دیتا ہے رحم کرتا ہے بنیادی خوبیوں (امہات صفات) کو بعض نے نو بعض نے سات بعض نے چار کہا ہے۔ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جو متکلمین کے امام و پیشوا ہیں۔ ہاتھ منہ استوا کو بھی ثابت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حقیقی ہیں ہاتھ قدرت کے معنی میں نہیں ہے۔ وجھہ ذات کے معنی میں نہیں۔ استویٰ بمعنی استیلا نہیں۔

اللھم (اے ہمارے پروردگار) یہ مرد متکلم۔ دلیل و برہان (حجت و سند) کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ عین عیان (کھلی حقیقت) کی خبر نہیں رکھتا۔ اگر ہاتھ منہ استویٰ کو از قبیل تمثل کہا جاتا تو وہ ایک توجیہ کی صورت ہو سکتی تھی کیونکہ صورت جیسی کہ ہے۔ ہے۔ تمثل تشکل میں جو کچھ دکھلائی دیتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن ویسا ضرور دکھلائی دیتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام کی صورت نہ تو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت کے جیسی ہے نہ جبرئیل علیہ السلام نے دحیہ کلبی کی صورت لی مطلب یہ کہ وہ ویسے۔ ان کے جیسے ضرور دکھلائی دیتے تھے۔ لیکن وہ ویسے نہ تھے نہ ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ ذات کے ہاتھ ہیں تو کیا وہ ہاتھ ویسے ہی ہیں جیسے کہ محجوب کے ہوتے ہیں۔ محجوب کے ہاتھ میں اعصاب (رگ پٹھے) ہڈیاں گوشت پوست خون جڑا ہوتے ہیں۔ گھٹتے بڑھتے کھلتے بند ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں سے جو کہی گئی ہیں ہم اللہ کی پناہ میں آتے اور استغفار کرتے ہیں۔ اور تختی کے ساتھ

انکار کرتے ہیں کہ یہ سب اس کو جیسا کہ سمجھنا چاہیئے نہ سمجھے۔ کچھ کا کچھ کہہ گئے بعض یہ کہتے ہیں کہ قاضی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے لمس (چھونا) شم (سونگھنا) ذوق (چکھنا) کا اس میں ہونا ثابت کیا ہے۔ اس بارہ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب میٹھا کھاتے اس کو چباتے ہیں۔ منہ میں گھوٹتے پھراتے اندنگل جاتے ہیں تو وہ حلاوت جو حلق میں محسوس ہوتی ہے وہی اس کو بھی ہوتی ہے مگر بغیر آلات کے فاللہ الکبیر المتعال عن ہذہ المقال (اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر ایسی باتوں سے پاک ومنزہ ہے) قربت ومعیت کے اعتبار کرتے وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہو) ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم شہ رگ سے بھی نزدیک تر ہیں) ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون۔ (ہم تم سے بھی تمہارے نزدیک تر ہیں لیکن تم نہیں دیکھ پاتے) کا اشارہ تمہارے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو ذرہ بھی ذرات وجود سے ہے وہ اس کے ساتھ ہے۔ اگر تم یہ کہیں کہ وہ علم وقدرت کے ساتھ ہے تو علم وقدرت صفات ذات ہیں۔ صفات غیر ذات نہیں اسی صورت میں وہ ذات ہی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ نحن (ہم) اور انا (میں) کے بارے میں گفتگو کرنے والوں کی تمام باتیں ان کی پیچ اور تہہ کی حکایت کرتی ہیں۔ اس کے سوائے جو معنی بھی کروگے یا ہوئے وہ کوئی تاویل ہوگی یا تبدیل (کسی چیز کو ظاہر معنی سے پھیرنا۔ اور یہی معنی بیان کرنا عرفان کے ساتھ) خیالی گندے لگانا ہوگا۔

جب تم یہ جان گئے سمجھ چکے تو اس کو یہی سمجھو کہ لمس، ذوق، شم ظاہری حواس۔ اجزائے انسانی سے متعلق ومنسوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ "جز" کے مقصد سے فرد ہے۔ اگر وہ کسی جز کے ساتھ نہ ہو تو وہ "جز" جز ہی نہیں معنی کردی۔ ہر مزہ حس کا احساس بلحاظ حس ہر انسان کرتا ہے وہ ہرگز نہ کرسکے گا۔ کیونکہ سب کی

حیات سب کا قیام۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہی سے ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ تم
اُن اجزا کا تجزیہ کرتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ ایسا حصہ رہ جائے جو قابلِ تقسیم قابل تجزیہ
نہ ہو۔ اس سے تم اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے کہ وہ جزء لایتجزیٰ ہی ہے جو لذت پانی ہوئی
سونگھی ہوئی۔ چھوئی ہوئی چکھی ہوئی کا احساس کرتا ہے اس لئے یہ اسی سے ہے۔ اس
سے یہ ثابت ہو گیا۔ احساس اس کے جزو نہیں کرتے بلکہ وہی کیا کرتا ہے جس سے یہ اجزاء
قائم ہیں۔ کیونکہ در اصل حیّ (زندہ) متحرک (حرکت کرنے والا) واجد (مزہ لینے پانے والا)
وہی ہے۔ اُسی سے اس نے یہ وجدان (یافت) پایا ہے اس سے یہ سمجھ میں آجاتا اور
ثابت ہو جاتا ہے کہ چھونے۔ سونگھنے۔ مزہ پانے۔ لینے کی تعریف و حکایت۔ کسی
درمیانی واسطہ کے بغیر اسی کے لئے ہے۔ اگر کسی قسم کی تشویش کسی کے دل و جان
میں آئے الحاد و اباحت کی صورت کا نقش بنائے اور یہ دکھلائے کہ جب لذت لینے
پانے والا۔ چھونے والا۔ سونگھنے والا وہی ہے تو پھر حلال کیا اور حرام کیا سب ایک
ہی درجہ میں آجاتے ایک ہی تار میں بندھ جاتے منسلک ہو جاتے ہیں۔

نعوذ باللہ من شر الشیطان ومن شر ھذا الظان (پناہ میں
آتا ہوں اللہ کی شیطان کی برائی ڈالنے سے اور ایسے بُرے وہم و گمان کے آجانے
سے) وہی اشکال جو کہ قضا و قدر میں رونما ہوئے تھے وہی اس درجہ میں روشن تر
پا [illegible] دیکھے گئے۔ قدری۔ سُنّی۔ اشعری۔ جبری۔ سب یہی کہتے ہیں کہ اِنَّ اللہَ
لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْد (اللہ اپنے بندوں پر ظالم نہیں۔ ظلم نہیں کرتا۔)
[illegible] نے ایک تقدیر ٹھہرا دی۔ ایک قضا جاری کی۔ افعال و حرکات کو پیدا کیا۔ وہی
[illegible] پیدا کئے ہوئے پر عذاب کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب۔ ان مشکل مسئلہ کا حل ان
[illegible] کی صورت پذیری۔ صورت نمائی ان کا سمجھنا لوگوں کے لئے ایک بہاڑ عنت
[illegible] جلد محال کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے۔ اگرچہ ان میں بیان کرنے کی طاقت۔ کہنے

کی قوت کافی ہے۔ لیکن اس کے بیان کرنے ان گتھیوں کے سلجھانے میں سب کا منہ بند ہے۔ زبان خشک ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کا جو کچھ بیان ہوتا ہے وہ مٹکے (مٹی کا برتن) اور مٹکے کے بنانے والے کی تعریف کا سا ہو کر رہ گیا۔ رسالت مآب شارع علیہ السلام نے فرمادیا کہ اذا ذکر القدر فاسکتوا (جب مسئلہ قدر کا ذکر آجائے تو خاموش ہو جاؤ)
بعض یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ ہر چیز کو خود پیدا کیا۔ ہر کام خود کیا۔ خود ہی عذاب کرتا ہے۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تم اس بھید سے واقف نہیں ہو۔ چاہے تم "جبر" پر اعتقاد رکھو یا "قدر" پر۔ یہ دونوں معتقدات جان کا جنجال اور وبال ہیں۔ عذاب و مصیبت ہیں۔

محمد حسینی جو شیخ الاسلام نصیر الدین محمود دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سب سے کم درجہ کا مرید۔ اور آپ کے شاگردوں میں بہت کم مرتبہ کا شاگرد ہے اس نے اس پردہ میں چھپی ہوئی کو باہر لایا۔ منہ ڈھانکی ہوئی کو بے نقاب کر دیا ہے۔ علمائے باللہ کی جوانمردی ان کی انتہائی جستجو نے ہر ایک معنی کو کھول دیا ہے ہر ایک بات ان کے قابو و اختیار و بیان میں آگئی ہے انھوں نے ہر چیز کو اچھی طرح سے ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن اس گفتگو۔ اس بارہ میں خود کام (اپنے کو کچھ سمجھے ہوؤں) کے جگر خون اور سر نیچے ہو گئے۔ کوئی جواب ہاتھ نہ آیا۔ جواب دینے پر قادر نہ ہو سکے۔ اگر تم مرد ہو۔ تم میں جوانمردی ہو تو ذرا دل کی گہرائیوں سے اچھی طرح سے کان لگا کر سنو جب تک ہمہ تن جان (پورے طور سے روح) اور سراپا بصر (سر سے پاؤں تک آنکھ) بالکلیہ فواد (دل کا مخصوص اندرونی حصہ) یعنی تہہ دل سے نہ سنو گے اس چھپی ہوئی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکو گے۔ ہماری بات کو پا نہ سکو گے تمہارے لئے عزت و حیا والے معشوق کا خوبصورت حسن دیکھنا مشکل ہوگا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

شروع کرتا ہوں نام سے اللہ کے جو بڑا مہربان انتہائی بخشش کرنے والا ہے،
اللہ ہی کا کام راستہ بتانا ہدایت دینا ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے۔ عناصر کو عالم غیب سے عالم جسم و جسمانیت میں لے آیا ان
کو نہ تو مادہ سے نہ اس کے جیسے ست سے آیا۔ فلسفہ کے ماہر جنہیں ہم شیطان کہتے ہیں
وہ ہیولیٰ (مادہ اصلی) کو قدیم کہتے ہیں، صورت کو حادث (نو پیدا) بتاتے ہیں۔
وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہو تو تقدر و استحالہ (بلید رہنا محال کی طلب) رونما ہو کر
ایک دور تسلسل و گردش سلسلہ بندی کا مرحلہ پیش آجاتا ہے۔ بخلاف اس کے محققین
یہ کہتے ہیں کہ اللہ مصدر الموجودات ای مبدءا و مرجعہا لا شاحۃ
فی الالفاظ (اللہ پیدا و ظاہر کرنے والا ہے کائنات کا بلکہ اس کی ابتدا و انتہا
اور اس کا لوٹنا۔ کوئی کسر الفاظ میں نہیں) وہ اس مشکل کے دور ہونے کے لئے کہا
کرتے ہیں کہ یہی ہیولیٰ ہے۔ یہ سب کچھ جو کہا جاتا ہے وہ بطور انکار کہا جاتا ہے۔
اذا اراد اللہ شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ (اللہ جب ارادہ کرتا ہے کسی
چیز کا تو کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے) کُن۔ کو۔ ہیولیٰ تصور کرلو۔ قدیم سمجھ لو۔
فیکون کو صورت تصور کرلو۔ حادث جان لو۔ اللہ تعالیٰ نے چاروں عناصر کو ایک
دوسرے کی ضد بنایا۔ ہر ایک کی ایک طبیعت ٹھہرائی۔ ان کی خاصیتوں میں ایک
نسبت خاصہ رکھ کر ان کو ظاہر کیا تاکہ ان کا آپس میں میل ہوجائے وہ یکساں ہو کر
آپس میں مل جائیں ان میں امتزاج طبعی حاصل و پیدا ہوجائے۔ خود اس نے ان کو
آپس میں ملا دیا۔ اسی نے آگ کو گرم و خشک۔ مٹی کو سرد و خشک۔ خشکی کی وجہ سے
مٹی اور آگ میں ایک مناسبت و نسبت ہوگئی۔ پانی سرد و تر ہے۔ مٹی و پانی میں سردی

ہونے سے ایک مناسبت نسبت ان میں پیدا ہوگئی ہو اگرم و تر پانی اور ہوا میں تری ہونے سے۔ پانی اور ہوا میں ایک مناسبت و نسبت پیدا ہوگئی اور گرمی کی نسبت سے آگ سے مناسبت و نسبت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپس میں جوڑ دیا ان کو آپس میں ملا کر نتائج ظاہر کر دیا۔ بعض لوگ عناصر کو امہات یعنی اصل و ماہیت کہتے ہیں۔ اور نتائج کو موالید (پیدا شدہ) کہتے ہیں۔ ان ہی پیدا کئے گئے ہوؤں میں سے ایک آدم علیہ السلام کا ہونا بھی بتاتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ صفرا آگ سے۔ سودا مٹی سے۔ بلغم پانی سے خون ہوا سے نسبت رکھتا ہے خوب سمجھو۔ اللہ تعالیٰ۔ دو قسم کے آدمی پیدا کیا (۱) موحد (خدا کو ایک جاننے ماننے والا) (۲) مشرک (خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والا) مشرک کو اور اس کے شرک کو پیدا کیا۔ شرک میں۔ پیدا کیا۔ مشرک کو شرک پر ثبوت دیا۔ یعنی قیام و ثبات دیا الیٰ ان یبلغ الکتاب اجلہ (اس وقت تک جب تک کہ اس کا حکم پورا ہوگیا) یعنی موت آگئی۔ پانی مٹی آگ ہوا کے جو اجزا اس کے ساتھ تھے وہ متفرق ہوگئے۔ ہر چیز نے اپنے کل کے ساتھ مل گئی۔ پورا میل کھایا۔ پھر ان اجزائے متعینہ (ٹھیرائے ہوئے حصے) متشخصہ (تشخص شخصیت دی ہوئی صورتوں) کو اس نفس معین (ٹھیرائی ہوئی جنس میں وقت میں) کہ صفت تعین (اعتبار ایک قسم کو) لے لیا تھا پھر جمع و یکجا کر دیا کہ وہ ایک ترکیب ایک صفت لے چکی تھی۔ چونکہ اس سے پہلے بھی اس کی غیر تھی اس لئے اس کو کلیت کے ساتھ بازگشت میسر نہ ہوئی کیونکہ وہ تعین و تشخص ایک اعتبار سے زیادہ نہ تھا۔ اس کا غیر ہوگیا تھا اس لئے اس کے لئے جس طرف سے وہ گیا تھا اس کے سوا اس کے لئے کوئی اور راستہ واپسی کا نہ رہا۔ یہ اس لئے کہ ہر ایک کی رجوع (واپسی) بلحاظ نسبت اسی کے ساتھ ہے۔ اس کو جب دوبارہ پیدا کیا تو اسی شرک کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ دوبارہ زندہ زندہ

جواس کے شرک کے ساتھ ہے جس کے بارے میں کما تعیشون تموتون کما تموتون تبعثون (جیسے جئیں گے ویسے مریں گے جیسے مریں گے ویسے ہی دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) فرمایا گیا۔ دوزخ کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ دوزخ میں جو دکھ تکلیف رنج دینے والے امور ہیں یا چیزیں ہیں ان سب کو اسی نے پیدا کیا۔ آگ بھی اسی نے پیدا کی آگ میں جلانے کی خاصیت اسی نے پیدا کی۔ مشرک کے جسم سے اسی نے اس کو لپیٹ دیا۔ مشرک کے تن میں جلنے کی خاصیت اسی نے پیدا کی۔ آگ کے قبول کرنے کے لیے مشرک کے جسم کو اسی نے پیدا کیا۔ مشرک میں تکلیف رنج کے پانے کو بھی اسی نے پیدا کیا مشرک کے چلانے 'پکارنے' فریاد کرنے۔ تکلیف دکھ درد اٹھانے۔ رونے پیٹنے کو بھی اسی نے پیدا کیا ایسی تکالیف اٹھانے کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ اب کہو کہ تمہارے کون سے سوال کا جواب باقی رہا ہمارے کہے ہوئے میں غور کرو گے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ظلم ہوا ہی نہیں۔۔ ہوتا ہی نہیں جب یہ بات ہو تو تم ہی کہو کہ جبر (دباؤ) کہاں ہے۔ کون سی کھڑکی سے سر نکالتا ہے کیسے ہوا اس کو جبر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ آپ ہی کھیل رہا ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی مشغول ہے۔ غیر کے ساتھ وہ مشغول ہی نہیں۔ ظلم اس وقت ہوتا جب کہ ہماری خدا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو بادشاہ کے ساتھ رعایا کو۔ مالک کے ساتھ غلام کو کہ ایک آقا۔ ایک بندہ۔ ایک مالک ایک مملوک ہوتا ہے۔ ہم ہیں اور سلطان۔ جو جیسے وہ کہے ویسا کریں۔ مامور و مفعول اس کے کہے ہوئے کے مطابق کرنے پر بھی عذاب ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ ظلم ہوا۔ اللہ تعالیٰ۔ خود بنا اور خود کیا۔ خود فرمایا۔ خود عذاب کیا تو اس کو ظلم کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ظلم کا گزر کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارے اس بیان سے قضا و قدر کے اشکال کمزور ہو گئے وہم و خیال قدری جبری ناتوان ہو گیا۔ ہماری بحث سے جیسا کہ چاہیئے مقصد و مطلب مل گیا

ثابت ہوگیا۔

حکماء و فلاسفہ نے ہیولیٰ و صورت میں جو بحث کی ہے وہ بیان ہی بیان
ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس حقیقت کو وہ جان نہ سکے پراگندہ و پریشان ہوگئے
ذرات کی طرح ہوا میں اُڑ گئے۔ ہم یہ کہتے ہیں ہم اُن پر غلبہ پا گئے تحقیق کے میدان میں
بازی لے گئے مگر اُٹھنا سچ ہے۔ دوزخ کا ہونا سچ ہے اللہ تعالیٰ کو ظلم و ستم کے ساتھ
نسبت نہیں دی جا سکتی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے تمہارے لئے
اختیار کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔ تمہارے افعال کو بھی پیدا کیا یعنی
جو تم کرتے ہو اس کو بھی پیدا کیا۔ اللہ ہی کے لئے بہترین دلیل ہے۔ اب ہم ابتدائی
کلام کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ کہا وہ تم سمجھ گئے ہوں گے۔ لذت راحت
نفرت۔ کراہیت کا پانے والا اس سے رس لینے والا وہی ہے۔ جنت۔ حور
باغ۔ جنگل۔ میدان۔ دوزخ۔ آگ جلنا۔ بھوک وہی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مطیع و فرمانبردار
کے لئے۔ جنت حور۔ تعریف۔ شاباشی واہ واہ ہے۔ کافر مشرک۔ گنہگار۔ حکم نہ
ماننے والے کے لئے دوزخ۔ آگ میں جلنا "تھو تھو" تھوڑا لعنت ملامت۔ مومن مطیع
لطف سے نسبت رکھتا ہے مشرک بدبخت قہر سے نسبت رکھتا ہے۔ جنت کو صفت
لطف۔ دوزخ کو صفتِ قہر سے پیدا کیا۔ جس کی جو نسبت یا مناسبت ہوتی ہے
وہ اسی طرف جاتا ہے نہ جائے تو لے جایا جاتا ہے۔ جنسیت کا رابطہ (ایک قسم
میں سے ہونے کا لگاؤ) اس کو کھینچ کھانچ کر اسی طرف کھینچ لے جاتا ہے یہ جو فرمایا
گیا کہ بعض خدا کے دوستوں کے گلے میں نور کی زنجیریں ڈال کر انہیں کھینچ کر
جنت میں لے جائیں گے۔ یہ زنجیریں وہی رابطہ ہے اللہ کے دشمنوں کو جنہوں
نے اس کے ساتھ دوسرے کو شریک کیا اس کے غیر کی پرستش کی اس سے غفلت
برتی۔ ان کی حالت کو یوخذ بالنواصی والاقدام (پیشانی کے بال اور

جوڑتی ہے ان کو پکڑتا ہے) سے بیان کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ دوزخ میں دوزخی اسی
طرح رہیں گے جیسے کہ آگ کا کیڑا آگ میں رہا کرتا ہے اور پانی میں مچھلی۔ بعض وقت
بیر تیرج کی باتیں بحث (ہٹ دھری کے) سوال پیدا ہوجاتے ہیں۔ جہاں سب کی
زبانیں گونگی اور خاموش ہوجاتی ہیں۔ راہ تحقیق میں چلنے والوں کے قدم کٹ جاتے
ہیں۔ جب مشرک کو آگ سے بنایا گیا وہ دوزخی ہے تو اس کو دوزخ میں وہی راحت
ملنی چاہیئے جو آگ کے کیڑے کو آگ میں۔ مچھلی کو پانی میں ملتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ آگ کا کیڑا آگ میں اور مچھلی پانی میں پیدا ہوئی۔ یہ آگ و پانی سے نکلے۔ اسی میں رہتے
ہیں ان کا قوام (اصلی بناوٹ) اسی سے ہے) بخلاف اس کے مشرک صرف آگ ہی
سے بنا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے اس کو دوزخ میں راحت نہیں مل سکتی۔ دوزخی کے
متعلق ایسا قیاس انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ ان کے اقوال و تعلیم کے بالکل خلاف
ہے۔ انبیاء علیہم السلام سب کو خدا کی طرف بلانے اس کا پیغام پہنچانے کے لئے آئے
سبھوں نے یہ خبر دی کہ دوزخ میں دکھ ہوگا۔ دوزخی کو عذاب پہنچائے جانے کا ذکر
کیا۔ اور تکرار کے ساتھ فرمایا کہ دوزخ میں عذاب دیا جائے گا دکھ پہنچایا جائے گا
ہر نبی علیہ السلام کے فرمائے ہوئے کو لکھوں تو طوالت ہوجائے گی۔ جتنے بھی اہل کتاب
ہیں انہیں یہ معلوم ہے۔ سب کا متفقہ اعتقاد ہے کہ دوزخ تکلیف دہ مقام ہے۔
محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ دفع اعتراض قرآنی کے لئے کہتے ہیں کہ عذاب مشتق
ہے عذب سے انما وہ یعنی تکلیف نہ ہوگی رنج نہ ہوگا۔ لیکن قرآن شریف میں عذاب
جس معنی میں آیا ہے وہ اس معنی میں نہیں ہرگز ایسا نہیں۔ [illegible] لائق بحث و [illegible]
نہیں۔ اعتبار کے قابل نہیں۔ کیونکہ جتنے دین حق آئے [illegible] بتلایا گیا وہ
[illegible]
[illegible]

قرآن شریف میں جن جن آیات میں عذاب کا لفظ آیا ہے وہاں ۔ الم ۔ ایذا رنج ۔ دکھ تکلیف کو صاف عبارت صحیح بیان کے ساتھ فرمایا گیا ہے ۔ جس کی اہل تفسیر اہل فقہ نے نہایت خوبی کے ساتھ تشریح وتفسیر وتفہیم کی ہے ۔ جس میں تاویل وتحویل کی ذرا بھی گنجائش نہیں ۔ نعوذ باللہ منہ (پناہ مانگتا ہوں اللہ سے ایسے کہنے سے) محمد حسینی ۔ اِنِّی اَنَا اللّٰہ (میں ہی اللہ ہوں) کی آگ سے ایک چنگاری لے کر مشکوٰۃ مصطفوی (فانوس چراغِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے چراغ روشن کیا ہے اور زجاجہ مرتضوی (قندیل علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے جلا (صفائی روشنی) پاکر روشن تر ہو گیا ۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر انسان ۔ آگ میں آگ کے کیڑے کے جیسا یا پانی میں مچھلی کی طرح ہوتا تو نتیجہ وہی ہوتا جو وہم کرنے والے ۔ (کا وہم مزاحمت بن کر) وہم کرنے والے کے لئے مشکل ومانع ہو جانے کی وجہ وسبب ہو کر اس کی قوت واہمہ کو (تحقیق) جانچ پڑتال کے حدود اور قیاسِ صحیح کے دائرہ سے باہر لے گئی سنو ۔ انسان اگر صرف آگ ہی کے میدان میں پھولتا پھلتا ۔ پروان چڑھتا ۔ وہیں سے سر نکالتا ۔ آگ ہی میں سے یا آگ سے پیدا ہوتا تو یہ اعتراض ٹھیک ہوتا ۔ ظاہر ہے کہ انسان کئی اجزاء سے مرکب ہے جس میں ایک جزء آگ بھی ہے اس کے باقی اجزاء دوسرے ہیں یہ بھی سُن لو کہ "ایلام" عبارت ہے ایصال غیر موافق اور اتصال غیر ملائم سے (دکھ پہنچانا مراد ہے : ناموافق چیز کے پہنچانے اور ایسے کے ساتھ ملا دینے سے جو مزاج وطبیعت کے خلاف ہو) اس سے اور سابقہ بیان سے تم نے فیض کی معیت ۔ علم وقدرت کی قربت کو جان پہچان لیا اور یہ سمجھ چکے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ساتھ علم وقدرت کے ساتھ ہے ۔ وہ نہ تو خارج ہے نہ داخل نہ قریب ہے نہ بعید ۔ (نہ اندر ہے نہ باہر ۔ نہ نزدیک ہے نہ دور) نہ متصل ہے نہ منفصل (نہ ملا ہوا ہے نہ جدا) چنانچہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ اسی مکاشفہ کی بنا پر فرماتے ہیں

انه مع كل شئ لا بمقارنة وغير كل شئ لا بمزائلة (وہ ہر چیز کے ساتھ
ہے لیکن باہم نزدیک ہونے کی طرح نہیں۔ وہ ہر چیز کا غیر ہے لیکن باہم دور ہونے کی
طرح نہیں) یہ قرب (نزدیکی) بُعد (دوری) اجسام کی دوری و نزدیکی کے جیسی نہیں
یعنی جگہ تا پائی ہوئی، مگر کوئی ہوئی نہیں پائی جاتی۔ ارباب معنی (علم ادب والے لوگ)
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب ... در تعریف فرمائی۔ یہ سب
جانتے ہیں کہ کسی بات ... علم نحو یا اسم و رسم علم ہر فن کے مشتقات سے پیدا ہیں نہیں لاسکتے
اللہ تعالیٰ کے افعال کو حدیث و نحو کے کلمہ سے ادا کیا تو کرتے ہیں یقین رکھتے ہیں وہ
نہیں جن کو بغیر سمجھے جانے اور رٹتے سے کہا کرتے ہوں۔ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ
نے گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت کی ہے اس کے لحاظ سے کوئی شکل یا شبہ کی صورت
باقی نہیں رہتی کہ ان الاسماء التسعة والتسعين تصير اوصاف
العبد السالك وهو بعيد فى السلوك غير واصل (نام ننانوے ہیں
بندہ سالک کے اوصاف کی صراحت کرتے ہیں کہ وہ سلوک میں دور ہے۔ ظاہر ہوا
نہیں) گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلوک کے جنگل و بیابان کے ایک شیر سمجھو کہ جس کے
دام میں ہر شکار آیا ہے۔ ان کے شکار بند سے ہر شکار کو باندھ دیا گیا ہے۔ اس کے
باوجود بھی وہ گھوڑا سوار۔ اپنا گھوڑا اڑاتا رہا۔ اسی دوڑ دھوپ میں رہا کسی جگہ
اپنے آپ کو نہیں ٹھیرایا۔ تم وہ ہو کہ تم نے ان کی گرد بھی نہیں دیکھی کسی مرد کے
زین پوش (خوگیر کے اوپر کا کپڑا) تک نہیں تھا۔ تو ان کی بات کو کیا پاسکو گے
کہ اب تک تم نے تھوڑا سا غبار بھی اس میدان کا نہ پایا۔ اس لئے ہم زیادہ وضاحت
کے ساتھ کہتے اور شرح کرنے کی ضرورت پاتے ہیں۔ ایسا کھلا بیان کرنا چاہتے
ہیں جس سے تمہارا دل کھل جائے اور بہتر ... سے تمہاری سمجھ میں آجائے۔
سنو۔ ملک یعنی ناسوت (عالم اجسام) ملکوت (عالم فرشتگان و روح) لاہوت

یعنی عالم الٰہی (غیب الغیب) جبروت (مجموعہ ناسوت ملکوت لاہوت) تک"۔ عالم شاہد (حاضر موجود) کو کہتے ہیں جس کا نام ناسوت (عالم اجسام) بھی ہے۔ "ملکوت" عالم شہود کے باطن کو کہتے ہیں کیونکہ "روح الروح" جس سے عالم شہود قائم ہے یہ اس کا خلاصہ ہے "لاہوت" وہ عالم ہے جس سے عالم ملکوت قائم ہے یہ خلاصہ کا خلاصہ ہے "جبروت" وہ عالم ہے۔ جہاں ملک ملکوت، لاہوت جمع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ جوز کا پوست عالم ناسوت، جوز کا مغز۔ عالم ملکوت۔ جوز کے مغز کا مغز عالم لاہوت۔ جوز کو پوست، مغز۔ مغز کے مغز کے ساتھ اعتبار دیا جائے تو اس کو جبروت یعنی سب کا مجموعہ خلاصہ کے خلاصہ اور نچوڑ کہتے ہیں۔ یہ چاروں کے چاروں انسان میں بالفعل موجود ہیں۔ جسم بمنزلہ ملک۔ روح جو کہ انسان کا باطن ہے خلاصہ ہے یہی اس کا قیام قرار اور اصل ہے وہ بمنزلہ ملکوت ہے۔ روح الروح جو خلاصہ کا خلاصہ باطن کا باطن ہے جس سے روح کا قیام و قرار ہے اس کی جو اصل ہے وہ بمنزلہ لاہوت ہے۔ اب سب کو جب اعتبار دیا جاتا ہے تو اس کو جبروت کہتے ہیں۔

فیض قدسی قدیم ہے۔ اسی کو حکماء نفس جزئی کہتے ہیں۔ ہر بشر (آدمی) کی اصل کے ساتھ اس کو اس طرح متعلق تصور کرلو کہ تعلق الملك بالمدینۃ والعاشق بالمعشوق (جیسا کہ بادشاہ کا تعلق شہر کے ساتھ اور عاشق کا معشوق کے ساتھ) یہ تعلق یہ نزدیکی ایسی نہیں ہے جیسی کہ اجسام کی نزدیکی ہوا کرتی یا ان کا اتصال اور دوری بھی ویسی نہیں جیسی کہ اجسام کی ہوتی ہے یا اس کا تعلق اس مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وہ نزدیک بھی نہیں دور بھی نہیں۔ ملا ہوا بھی نہیں، جدا بھی نہیں، اندر بھی نہیں۔ باہر بھی نہیں۔ فیض قدسی جسمانی نزدیکی دوری۔ ملا، جدا ہونے کے جیسا ہونے سے بالکلیہ پاک و منزہ ہے۔ یک ... منزہ ہے

ہونے بھی ہر شخص کی گردن کی رگ سے ہر اس چیز سے جو انسان کے ساتھ ہوتی ہے
وہ فیض اس سے بھی زیادہ نزدیک ہے آنکھ میں آنکھ کی پتلی میں. ہر ایک کے
ساتھ کہ وہ اپنے ساتھ آپ ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ نزدیک اور ساتھ ہے. وہ
فیض قدیم ایک خاص پردہ میں جس کو تتق عزت کبریائی کہتے ہیں. چھپا ہوا۔ پردہ
کیا ہوا۔ ڈھکا ہوا ہے۔ استتار تفرد (اکائی کی چھپاہٹ) حجب استغنا (بلندی
کے پردوں) میں ہے. یہ پردے. روک جو کچھ بھی ہیں اسی کی نسبت سے روک
بنے ہوئے ہیں چنانچہ کہتے ہیں حجابه النور لو کشفه لاحترقت سبحات
وجهه ما انتهیٰ الیه بصره من خلقه (نور اس کا پردہ ہے. اگر اٹھ جائے
تو چہرے جھلس جائیں انتہا اس کی ہے وہ نور پردوں کے پیچھے سے دیکھتا ہے)۔
جو پردہ جو حجاب بھی ہے وہ اسی جہت اور اسی جانب سے ہے جیسے کہ سبعی (درندگی)
بہیمی (حیوانیت) شیطانی (شیطانیت) ملکی (فرشتگی) بہت سخت پردہ ہے
اسی کا کھلنا سخت مشکل ہے. اور وہ ہمیشہ کا چھپا رہنا ہے. یہی اس کا ثبات
ہے. یہ وہم دوئی (دو ہونے کا منظرہ (وہم)) خیال نیستی (نہ ہونے کا گمان) یہ اپنے
گمان ہے. جب وہ دوام توجہ (ہمیشہ اسی طرف لگے رہنے) پاکی نفس (جسم و دل کی صفائی)
یعنی مجاہدات (عبادات و ریاضت سے ٹھیک ہو جاتا ہے تو یہ اندھیرے پردے
جس کی نسبت سالک سے اور نورانی پردے جس کی نسبت الٰہی ملکی (خدائی
فرشتگی) سے ہم نے دی ہے جس کی نسبت ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ جب
سالک کے سامنے سے یہ ظلماتی (اندھیرے) پردے پھاڑ دئے چاک کر دئے جاتے
ہیں یا اٹھ جاتے اٹھا دئے جاتے ہیں تو غیر و غیریت اس کے سامنے نہیں آتی. اس
طرح جب سالک کے دل کے سامنے سے نورانی پردے اٹھ جاتے ہیں تو وہ فیض قدیم
جو ہمیشہ سے اس کے ساتھ ہے اس پر منکشف ہو جاتا ہے (کھل جاتا دکھ جاتا ہے)

تو خود بخود یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ ہر ظہوریت میں وہ ایک صفت کے ساتھ ہے۔
اپنی صفت میں آپ ہی تجلی کیا کرتا ہے (جلوہ نما ہوتا ہے) تجلی لطف کی قہر کی
(مہربانی کی غصہ کی) بزرگی کی کبریائی کی (بڑائی کی) ہوا کرتی ہے۔ صورت کی
مناسبت کے ساتھ ایک لطیف تجلی ہی عجیب صورت کے ساتھ آتا متجلی ہوتا ہے
اس کہنے سے شاید تم یہ گمان کرنے لگ جاؤ کہ یہ لطیف صورت وہاں کیونکر نقش
پاتی (ٹھہر سکتی) کس طرح رنگ آمیزی (کھیل تماشے) کرتی۔ کیسے منہ دکھلاتی ہے
یہ پیکر (تن۔ شکل جسم۔ ڈھانچہ) عالم بیچون (نرا۔ عالم خدای بے مانند۔
جس کا کوئی ہمسر نہو۔ غیب) سے چگونگی (ہرتاپن۔ جسمانیت۔ شہادت) میں یعنی
بے صورتی سے صورت میں آیا تو اس کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سالک میں ابھی
وہ استعداد پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس کو اپنے احیان عیان (ظاہری آنکھوں) سے
معائنہ کرے۔ عین بعین ہوجائے اسی عین میں ایسا محو او۔ گم ہوجائے کہ اس
اس کا اُس میں کچھ اثر نہ رہے۔

یادرکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چاہا کہ قبول بندگی کی ایک صورت آپ
پیدا کرے جو۔ احسن الصور (سب صورتوں میں بہترین صورت) اجمل النقوش
(سب نقوش میں بہترین نقش) املح الاشکال (سب شکلوں میں خوبصورت نمکین
دل پذیر و دل پسند) ہوتے ہوئے مجلی و مصفیٰ بھی ہو تاکہ جمال لایزالی کی صورت
اس کے عکس کو قبولے (قبول کرے) جس میں وہ اس وجود کو دیکھ سکے جس کو
ذات قدیم کہتے ہیں جب وہ "ذات" سالک پر تجلی کرتی ہے تو سالک اس عکس
(سایہ) کے عکس سے محظوظ ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ وہ اس حال میں بصیر
(بینا) کو دیکھتا ہے۔ تو اس کی بصر (بینائی) جو ذات پاک سے نسبت رکھتی ہے۔
مشاہدہ (دیکھنے) میں آجاتی مشہود ہوجاتی ہے ہم کہہ چکے ہیں وہ اس سے جب

ذہنی و تصوری (من گھڑت خیالی۔ یوں ہی) ہرگز نہ سمجھو۔ یہ واقعی
حقیقی ہیں۔ ہوا کرتی ہیں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک گھڑی میں اُن پر
کئی ہزار تجلیاں ہوتی ہیں۔ جو ایک دوسرے کے برابر مقابل۔ یکساں عین
بعین ایک سے نہیں ہوتے پائے رہے ہائے۔ عجیب تر۔ یہ ہے کہ سالک پر
ایسی تجلی ہوتی ہے کہ وہ کہنے سننے میں نہیں آسکتی وہ تعریف میں نہیں لائی جا سکتی
اس کو نہ تو بیان میں لایا جاسکتا ہے نہ وہ ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ سبحان من
لہ کل یوم شان ولا یشغلہ شان عن شان کل یوم ھو فی شان
(پاک ذات جس کے لئے ہر دن میں ایک شان اور نہیں مشغول ہوتا ایک شان
سے دوسری شان میں۔ ہر روز وہ ایک اور ہی شان میں ہے۔) جب سالک
چاہتا ہے کہ اس کو پائے اس کا محیط و مدرک (گھیرنے والا۔ خوب جاننے والا)
ہو جائے تو دیکھتا ہے کہ وہ کچھ اور ہی ہے۔ جب تک اپنے آپ میں نہ آئے۔
دیکھنے والا یہ نہیں جانتا کہ یہ کیا۔ وہ کس قدر تجلیات مکاشفات تھے ہاں یہ کہ
صرف جتانے والا جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں۔ کیسے ہیں کس قدر ہیں۔ انہ عالم
بالجزئیات والکلیات (وہ جاننے والا ہے جزئیات و کلیات کا) یا ایسا
ہے کہ وہی دو ہے جو اپنے اضداد (برخلاف برعکس مخالف) کی طرف لوٹتا جاتا
ہے۔ دوسرے صفات میں دوسری صورتوں میں ہو کر کسی ایک صورت میں تجلی
کرکے اس کو اپنا عاشق و مبتلا۔ دیوانہ و والہ۔ بنا دیتا ہے۔ ابدالآباد (ایک کافی عرصہ)
گذر جاتی ہے اور وہ مرد اس سوز و دردہی میں رہتا ہے۔ اس کا دماغ (بھیجا) پگھل
جاتا ہے۔ وہ سوختہ ناساختہ (جلا ہوا۔ آراستہ نہ کیا ہوا) افروختہ تا دوختہ (روشن
کیا ہوا۔ نا ملایا ہوا) دردمند و اماندہ (درد والا۔ عاجز آیا ہوا) درماندہ (تھکا ہوا)
درویش بے خویش (بیچارہ جو اپنے میں نہ ہو۔ کوئی اس کا سہارا نہ ہو) بے بس

(لاچار) بے ہنر (بغیر کسی پیشہ کے) رہ جاتا ہے۔ مراد یعنی مطلوب کو اپنے دام
(قابو) میں نہیں پاتا۔ کسی ہمیشہ درد میں رہنے والے، گرے پڑے ہوئے سے اگر
پوچھو تو تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے اور سمجھ سکو کہ یہ بات کیا ہے اور اس میں کیا خرابی ہے؟
ایسے شخص کو پسندیدہ کہیں تو یہ ہو سکتا ہے اور نایافتہ کہیں تو بھی ہو سکتا ہے یہ وہ
ہے جو مار ڈالا ہوا پہنچا ہوا ہے۔ یہ وہ صاحب ذوق و شوق ہے جو سوکھ کر کانٹا
ہو گیا ہے مراد و مقصود کو پہنچا ہوا ہے لیکن اس میں یہ ندرت ہے کہ وہ اس کا منہ
ابھی تک نہیں دیکھا۔ یہ وہ ہے کہ جس نے طلب کی عصا (سہارے کو) ہاتھ سے ڈال
دیا ہوا۔ مسافت کے جوتے (اسباب) پاؤں سے اتار چکا ہوا۔ سعی کوشش، محنت
جستجو کا کمربند ہمت (بلند ارادہ) کی کمر سے کھول دیا ہوا۔ مسافت میں کام آنے
کا توشہ سب کو بانٹ دیا ہوا اپنے پاؤں پھیلا کر ایک گوشہ میں بے فکری کا تکیہ پیٹھ
سے لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ جس سفر میں وہ اب ہے وہ صورت سقر (دوزخ کا
منہ۔ نمونہ) ہے اس سے پہلے وہ پاؤں سے چلتا تھا اب سر کے بل چل رہا ہے۔
جس کے پاؤں کاٹ دئے گئے ہیں اب وہ جوتے پہنے تو کس طرح کیسے پہنے۔ جس
کی کمر توڑ دی گئی ہو وہ کمربند کہاں باندھے۔ جس کے اختیارات کم کر دئے گئے
ہوں وہ عصا ہاتھ میں لے تو کیونکر اور کیسے لے۔ جس کے راستہ کا خرچ اڑا دیا
گیا وہ جمع کرے تو کیا کرے۔ جس کا ٹھکانہ خلوت کی جگہ ویران برباد کر دی گئی ہو وہ
ٹکے ٹھہرے تو کہاں ٹکے اور ٹھہرے کس جگہ قرار و قیام پائے جس کا دماغ سودا زدہ
(پریشان۔ مخبوط) ہو گیا ہو وہ خواب میں آئینہ خیال میں چہرے کا جمال دیکھے تو کیسے
دیکھے۔ اس سے پہلے جب سفر میں وہ تھے وہ سفر ختم ہو گیا۔ جو کچھ مجاہدہ (ریاضت،
مشقت، محنت، کوشش) تھی وہ اس سفر میں اس کو چھوڑ دینی پڑی۔ اب کچھ ایسا
راستہ اس کے سامنے ہے جس میں نہ کوئی راستہ بتانے والا ہے نہ ساتھ چلنے والا ہے

کو۔ دوسرا دیکھنا ایسے سمندر کا جس کا کنارا نہیں۔ ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اسی راستہ کی دوری بے نہایتی کا پتہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "جب میں ہوتا ہوں تو وہ نہیں ہوتا۔ جب وہ ہوتا ہے تو میں نہیں ہوتا۔"

چنانچہ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

بے من است او تا سنائی با من است　　　　با سنائی زین قبل در مانده ام

(وہ میرے بغیر ہے جب تک سنائی میرے ساتھ ہے　　　　سنائی سے اس طرح عاجز آگیا ہوں)

اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر سمندر کلمات رب لکھنے کی سیاہی ہو جائیں الخ۔ پس قلم کتاب۔ کتابت کی صورت میں سورتوں کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ آیات کو کلمات ربی کہنے سے اس کی کیا مراد ہے اس کو بھی جاننا ضروری۔ اس نتیجہ پر پہنچنا بھی لازمی ہے۔ کلمۃ القیٰہا الی مریم (ایک کلمہ جو ڈالا ہم نے مریم میں) یہ مجموعہ مفرد ہے کہ اس نے اپنے فیض کی "بلا ترکیب مادہ" اور صورت جسمانی کے ملے بغیر ایک صورت آدم علیہ السلام کی صورت پر بنائی اس کا نام عیسیٰ علیہ السلام رکھا۔ انھیں مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ آدمیت کے صفات کے ملنے کی تھے کہ شخص قدیم جس سے متعلق تھا وہ اپنے آپ کو۔ اس صورت میں یا جو مسیح علیہ السلام کی صورت تھی۔ دکھلایا۔ یوحنا کی انجیل میں ہے کہ لقد کان مسدد اً للکلمات لدی اللہ لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (البتہ وہ تھا بند کرنے والا کلمات اللہ کا ہمارے لئے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے) کلام کلمہ بن گیا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔ لا الٰہ۔ نفی ما استحال وجودہ۔ (اللہ کے سوائے کسی اور کا وجود نہ ہونا) الا اللہ۔ اثبات ما استحال عدمہ (ثابت کرنا ہے کہ اس کا وجود ثابت) ظہور کی ایک اور مثال "سراب" اور "ہوا" ہے۔ سراب ہوا کی صورت۔ ہوا سراب کی معنی ہے۔ ہوا کا ظہور سراب کی صورت کے سوا کسی اور

صورت میں نہیں ہوتا۔ سراب کا قرار و قیام۔ ہوا کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس سے
یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو نازک ترین چیزوں میں سے ہو اس کا ظہور مثال ہی میں
ہوا کرتا ہے۔ یہ عکوس و ظلال (سایہ سائے پرچھاؤں پرچھائیاں) ہیں وہ اس
مرتبہ میں عینی و مثالی (حقیقی اور مانند کاسا) ہے۔ سالک اس مرتبہ میں کلمہ کی ملازمت
(ہمیشہ کی مداومت۔ پابندی) کرتا ہے۔ تاکہ وہ کلمہ کی صورت (ظاہر) سے کلمہ
کی معنی (باطن) میں پہنچ جائے۔ ظاہر سے باطن میں اس کی نظر چلی جائے کلمہ اپنی
حقیقت کے ساتھ اس پر متجلی (جلوہ نما) ہو جائے۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ
(البتہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں) یعنی صورت عنصری کے ساتھ متحد ہوں۔
(جسمانی لحاظ سے ملا ہوا ہوں) یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔ (وحی کی جاتی ہے مجھ پر) یعنی فیض
قدیم کا ظہور مجھ پر ہوتا ہے مطلب یہ کہ جو کوئی اس سلوک میں آتا ہے۔ جو محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نے کیا تھا تو وہ فیض قدیم سے ملتا اس کے کرنے سے اس کا دیدار ہوتا ہے
فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحاً (جو کوئی ہم سے ملنے۔ ہمارے
دیکھنے کی تمنا میں ہو امید رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ (وہ نیک عمل کرے) جب تک شرط
پوری نہ کی جائے۔ اس جال سے کوئی مراد ہاتھ نہیں آتی وہ کشف نہیں ہوتا بھید
نہیں کھلتا۔ اس کا کھوج نہیں ملتا۔ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً (اس کی
عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے) سے عہد واثق (حتمی وعدہ) کی مضبوط گرہ ڈالی گئی
فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (جس طرف منہ کرو اللہ ہی کی وجہ صورت اور
سامنا ہے) جس کسی کا یا جس وجود کا تصور کریں۔ اس کی دو صورتیں ہوں گی۔
وجھہ منہ الی ربہ وھو الفیض القدیم الازلی الابدی۔ (ایک
صورت اپنے پروردگار کی طرف اور وہ فیض قدیم ہے۔ ازلی ہے ابدی ہے۔)
وجھہ منہ الی نفسہ وھو المبتداء والمصور المجبول بجعول (ایک صورت

لینے نفس کی طرف وہ مبتدا اور مصورہے پیدا کیا گیا، بنایا گیا ہے) ایسی دو ئی
(دو کا ہونا۔ پایا جانا) جو قدیم سے نسبت رکھتی ہے یبقی علی الابد والازل کان
ویکون وھوالآن کما کان ویکون وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ازل ابد
تھا اور ہے اور وہ جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے ویسا ہی رہتا ہے ویسا ہی رہے گا)
اِس اتنا ضرور ہے کہ جس قدر جس سے تعلق کیا ہوا ہے اس کے لحاظ سے یہ ایک
دوسرے سے جدا اور غیر دکھلائی دیتے ہیں جیسا کہ زجاجہ (شیشہ۔ آبگینہ۔ کانچ)
جو اپنے محاذی (سامنے) ومقابل (برابر) کے لحاظ ومناسبت سے اپنا نقش
دکھلاتا ہے لیکن جیسا اور جو کچھ کہ وہ ہے۔ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ تھا ویسا ہی
ہے۔ لایتغیر فی ذاتہ ولافی صفاتہ بحدوث الاکوان والموجود
لایصیر معدوما بل ینتقل من صورۃ الی صورۃ ومن ھیئۃ الی
ھیئۃ (وہ تغیر نہیں پاتا۔ ذات میں نہ صفات میں کونین کے پیدا کرنے ہونے
سے جو موجود ہے وہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ ایک صورت سے دوسری صورت میں
ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہوتا ہے۔) مطلب یہ کہ فیض قدیم فانی
نہیں ہوتا۔ مٹ نہیں جاتا بلکہ وہ ایک تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ ایک صورت کے بعد
ایک صورت سے۔ ایک وضع سے ایک وضع میں آجاتا ہے۔ العالم متغیر
(دنیا کچھ سے کچھ ہونے والی ہے) اس سے متعلق ہے نہ کہ اُس سے کیونکہ وہ فرماتا ہے
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
(جو بھی ہیں وہ مٹنے والے ہیں اور باقی رہنے والا۔ تیرا پروردگار صاحب مرتبہ و
بزرگی والا ہے۔) فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (جدھر دیکھو اللہ کی وجہ ہے)
یہ مکان بشری (آدمیت کا محل) لباس ملکی (فرشتگی کا لباس) ہو یا شیطانی۔
زمین کا ہو۔ یا آسمان کا ہو یا عرش کا سب فنا و زوال کے راستہ پر لگے ہوئے

ہیں۔ سب کو فنا و زوال ہے۔ الا وجہہ (مگر اس کی وجہہ) ہر موجود کی توجہ اسی کی طرف ہے۔ جیسا کہ کہا گیا۔ لا یقبل الفنا (یہ لیسۃ یعنی فنا قبول نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حال سے دوسرے حال میں ہو جاتا ہے) اس بیان سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے گمان میں وہم پیدا ہو ... تمکنہ فی مکان و حلولہ فی محل (رہنا اس کا کسی مکان میں ... کا کسی جگہ میں) ہرگز ہرگز ایسا گمان نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے ... برتر ہے اگر تم یہ کہیں نظاہر ... میں لفظ اینما اس کی دلیل ہے ... آسمانوں اور زمین میں ہے کے معنی کیا ہوں گے۔ لحاظ منقول ... ولایت ... کے جو مناسب معنی منقول سے سمجھے ہوئے ہو۔ وہی معنی یہاں بھی سمجھ لو ... کو اس سے سمجھ جاؤ۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اجزائے لا یتجزیٰ میں سے کوئی جزء ایسا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نہ ہو وہ ایسی صفت قربت (نزدیکی کی خوبی) کے ساتھ ہے جو اس کی بارگاہ کے لائق و سزاوار ہے۔ اس لحاظ سے "اینما" میں اگر چند اجزائے لا یتجزیٰ تصور کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے۔ ہوتا ہے۔ اس نسبت سے آینما کو "ظاہر" بتانا مناسب نہیں۔ وہ اس لئے کہ حادث (نو پیدا) کا حلول قدیم میں نہیں ہوتا اس لئے ٹھیک نہیں پڑتا قاضی عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اپنی تصنیف رسالہ شکائیہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے انھوں نے ایسے مکان کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ جو قدیم و لطیف کے لائق ہو۔ یہ بھی وہی بیان وہی بات ہو گئی جس کو ہم نے اترنے کی جگہ کے بارے میں اس سے پہلے کہہ دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کی بہترین اور اس کے مناسب ہے یہی صورت ٹھیک و مناسب ہے دوسری معنی جو کہ اس مالک الاحوال (صاحب تصرف و کیفیت)

سید الرجال (مردوں کے سردار) سدید الفعال (راست و درست کام کرنے والا)
حمید الخصال (بہترین خصلت والا) المتخلق باخلاق اللہ الکبیر المتعال
(جو اخلاق و خصائل بڑے بزرگ اللہ کے پایا ہوا) المحو (گم شدہ)
المطموس (گھس پس گیا ہوا) الفانی فی الآباد والازال۔ الباقی
الثابت باللہ (ازل و ابد میں ثابت شدہ۔ بقا پایا ہوا) اللہ لم یزل ولا یزال
سے) کے فرمانے ہوئے کی تشریح جو ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وہ ذات ہے مبارک میں
ملا ہوا نہیں ہے یعنی وہ سیر صفات و اسماء میں ہے سالک کی بھی دنیا ہے۔
اس کے اتصاف ان صفتوں کے ساتھ تام پانے سے۔ اس میں یہ بات پوری
ہوگئی اس قدر سمجھ لو کہ ذات میں محو ہونا (گم) ذات میں بقا پانا کہنے کی مطلب
ملنے کے ابتدائی مرحلہ میں پہنچنے سے ہے جس کو مقدمات وصول بھی کہتے ہیں
یہ اس لئے کہ وہ سلوک میں اس طرح بنتا ہے جیسا کہ پہنچا ہوا رہا کرتا ہے
وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی (اور البتہ تیرے رب تک تیری انتہا ہے) کے لحاظ سے
سیر الی اللہ (اللہ کی طرف سیر) پوری ہو چکی ہے۔ السیر للہ (سیر اللہ کے لئے)
السیر فی اللہ (سیر اللہ میں) السیر باللہ (سیر اللہ کے ساتھ) السیر من اللہ
الی اللہ (سیر اللہ سے اللہ کی طرف) انشاء اللہ العزیز (زبردست نے چاہا تو)
[illegible] کی تشریح آگے آئے گی تو شرح ہوگی۔ یہ وہ مرتبہ ہے جہاں زبان بند [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] تقریر و تحریر عبارت کے لئے کوئی راستہ نہیں [illegible]
[illegible] موقع نہیں۔ [illegible] کی روشنی کی تیزی رسائی [illegible] روشنی
[illegible] جاتی ہے [illegible] جو باقی ہے [illegible] بے خودی
ہی [illegible] کہتے ہیں [illegible] ایک شعور [illegible]۔ یقین مخلص کا
[illegible] ایک کے سوا نہیں نکلتا۔ وہ

ایک ہے۔ ایک میں ایک ایک ہی ہوتا ہے۔ ایک سے ایک کو ضرب دیں تو
ایک ہی نکلتا ہے۔ ایک ہی حاصل ہوتا ہے اس فہم کے ساتھ جب بیان
کرنے پر آتا ہوں تو یہ وہ بیان عیان ہے جو عالم کثرت کا نشان ہے وکائنات
اور کائنات والوں کا پتہ بتلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو عیان (کھلا ہوا) ہو وہ بیان
رکھنے میں نہیں آتا۔ سچ ہے بیان کے لئے عیان نہیں عیان کے لئے بیان نہیں
یہ سمجھ جاؤ کہ ملنے والا وہی ہے جس میں جدائی کا تصور نہ ہو۔ جب جدا ہونا ہی نہ
ہو تو ملنا کیسا۔ ھوالاول ھوالدائم ھوالآخر (وہی پہلا۔ وہی ہمیشہ ہمیشہ
وہی پچھلا) ساری جہان کو جو گھیرا ہوا ہے کوئی اس کا بیان کرے تو کیا کرے کس کا کیا بیان کرے
کیونکر کرے بات یہ ہے کہ اس میں ایک تصور ہوتا ہے جس کی وہ ایک مثال
بناتا ہے۔ کچھ بیان میں آجاتا ہے کچھ ایسا ہی رہ جاتا ہے۔ تھوڑا سا ایک اشارہ
اس کی طرف ہو جا سکتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ (نہیں ہے حول
وقوت کسی میں اللہ کے سوائے) کیسا اشارہ کس طرح کیونکر کیا جا سکتا ہے۔
مَنْ اشارالی توحید فھو عابد وثن (جس نے توحید کی طرف اشارہ
کیا وہ بت پرست ہے۔) مَنْ (جو) اور اِلیٰ (طرف)۔ دراصل عدم ہیں یعنے
حقیقتاً غیب ہے۔ متیٰ (کب) اذا (جب) بود نابود (ہونے نہ ہونے) میں
فی (میں) علیٰ (اوپر) وہم وخیال میں گم ہیں۔ کونہ وجودہ ھوھولاھو
الاھو (اس کی بنائی ہوئی اس کا وجود ہے۔ وہ وہ ہے۔ نہیں وہ مگر وہی وہ)
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سبحان من جعل للخلق سبیلا
الی معرفتہ اِلَّا بالعجز عن معرفتہ (پاک ذات وہ جس نے نہیں بنایا
لوگوں کے واسطے راستہ معرفت کی طرف بجز عاجز آجانے کے معرفت سے)
یہ سب کچھ ہی۔ ہم تو کہتے ہیں اس میں اِنِّیَّت (میں پن) باقی در ثنیت

(دوئی) کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس قدر گفتگو بھی نہ ہوتی۔ جب دریا جوش میں آیا تو اس کا نام موج ہوا۔ جب بھاپ بن کر اڑ گیا تو اس کو بخار کہا گیا جمع ہو گیا تو ابر۔ برسنے لگا تو بارش۔ جب بہنے لگا تو ندی۔ جب دریا میں مل گیا تو دریا ہی دریا ہو گیا ؎

فالبحر بحر علی ما کان فی قدم	ان الحوادث امواج و انہار
(دریا دریا ہے جیسا کہ پہلے سے تھا	البتہ نئی پیدا شدہ موج اور ندیاں ہیں)
لا یحجبنک اشکال تشاکلہا	عمن تشکل فیہا فہی استار
(نہیں شکلوں میں متشابہ پن ہے	جس تشکل میں بھی ہو وہ اس میں چھپا ہوا ہے

حرکت میں آ جانا اڑ جانا۔ جمع ہونا برس جانا بہہ جانا انیت کا ارتفاع (میں پن کا اٹھ جانا جاتا رہتا) ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے جب حقیقت کا سوال ہوا تو آپ نے یہ کہا کہ ایک گانے والا یہ گنگنا رہا تھا ؎

وکنت حیث ما کانوا	وکانوا حیث ما کنتا
(ہم وہیں رہیں جہاں ہم تھے	ہم جہاں تھے وہیں ہیں)

نہ آنا ہے نہ جانا ہے۔ نہ رہنا ہے۔ نہ ... بانا۔

سہل عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا آسان و سہل طریقہ سے کہتے ہیں کہ دیکھئے۔

کان اللہ ولم تکن ویکون ولا تکون وھو الآن کما کان ویکون فلن انت کما کنت وتکون۔ (اے مسکین تھا اللہ اور نہ تھا کوئی۔ وہ ہے اور نہیں ہے کوئی۔ وہ جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے۔ اور ویسا ہی رہے گا۔ نہیں تو ہو جا جیسا کہ تو تھا اور ہے۔ انیت ہی انیت (یکتائی ہی یکتائی) اثنینیت ہی اثنینیت (دوئی ہی دوئی) ہے۔ ھو الآن متکثر بکثرۃ واحد لا کما بدا (اللہ تعالیٰ

ازل سے ابد تک یعنی ابتدا سے انتہا تک ایک ہی کلام میں ہے) اس کے کلام میں اس کے حکم کے ہوتے منع کئے ہوئے میں فرق و تمیز کرنا کسی طرح سے بھی جائز نہیں یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک حرف کے بجائے دوسرے حرف کے بدلنے کو جائز رکھا جائے۔ وہ کبھی عربی۔ کبھی عبرانی۔ کبھی سریانی میں کہتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کہ کبھی بات کرتا کبھی چپ رہ جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے ایک وجرا ہے۔ یہ باتیں مخلوق سے متعلق ہیں۔ ذرا سوچو کہ وہ لمن الملك اليوم لله الواحد القهار (کس کے لئے آج کا دن ہے۔ اللہ ہی کے لئے جو ایک اور ضابط ہے) فرمایا ہے ایک گھڑی ایک پل۔ تھوڑی دیر کے لئے بھی اس کہنے سے نہیں رکتا۔ وہ منحصر یا ٹھہرا ہوا نہیں، وہ اپنے ساتھ آپ ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی کہتا ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی سنتا ہے۔ اپنے سوال کا جواب آپ ہی دیتا ہے۔ خود لمن الملك کہتا ہے جواب میں خود ہی لله الواحد القهار کہتا ہے ازل سے ابد تک سب ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے شمار میں ہیں۔ عین شہود ہونے ہوئے بھی وجود کے بغیر ہیں۔ مہینے۔ سال۔ دن۔ گھنٹے۔ منٹ سب کا ظہور گردش آفتاب ہیں۔ نظام شمسی دور فلک سے ان کا ربط ہے۔ و ليس عند الله صبح ولا مساء (اللہ کے پاس نہ صبح ہے نہ شام) کلام مجید میں غائب حاضر ہو کر کہتا ہے منتظر کو واقع شدہ (ہونے والے کو ہوا ہوا) جانتا ہے۔ حال کو بطریقہ ماضی لوٹاتا ہے۔ یہی میں سے ایک قصہ بیان کی گئی ہے اگر ہر ایک بات کو بیان کرنے لگ جاؤں تو بات بڑھ جائے گی۔ ہمیں مختصر طور سے کہنا منظور ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (قیامت کے دن کا مالک) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. (جو کوئی ذرہ برابر عمل کرے وہ دیکھ لے اس کی بھلائی) اس کتاب ہو اس بارہ میں ہے وما امرنا الا واحدة كلمح بالبصر

ایک اور معنی وہ ہو سکتے ہیں جو مولانا محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ان
کے متبعین جیسے کہ عبدالرزاق وغیرہ اور بہت سارے صوفیا۔ جنھوں نے توحید
تحقیق کا نعرہ لگایا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ھو سبحانہ تعالیٰ عین الاشیاء
(پاک منزہ اللہ سب چیزوں کی عین یعنی حقیقت ہے) مطلب یہ کہ ان وجودات
کے سوا کوئی وجود نہیں۔ وہی ہے جو تمام صور و اشکال (صورتوں شکلوں) میں
ظاہر ہوا ہے ھو الظاہر ھو الباطن (وہی حاضر وہی وہی کھلا۔ وہی غائب
وہی چھپا) یہ اس کے سوا نہیں جانتے۔ ان ہی میں کا ایک کہتا ہے ؎

انکہ برآمد بہ بزم مجلسیان دوست دوست — گرچہ غلط می دہد نیست غلط اوست اوست

(وہ جو مجلس میں آیا ہے وہ دوستوں کا دوست ہے ۔ اگرچہ کچھ اور دکھائی دے رہا ہے یہ غلط نہیں وہ وہی ہے
اس شعور کے ہاتھ آجانے کے بعد عارف محقق کا سلوک پورا ہو جاتا ہے بظاہر ہے کہ
وجود نامتناہی ہے۔ (جس کی کوئی انتہا نہیں ہے) اس کے ایسے ہونے سے
زمانہ وقت میں وقتاً فوقتاً۔ ایک سیر سے دوسری سیر میں آجاتا ہے۔ رہتا ہے۔
اور کبھی سیر سے خالی نہیں رہتا۔ ہمیشہ سیر میں رہتا ہے پھر بھی یگانگی (یکتائی)
جیسی کہ ہونی چاہیے اس کے ہاتھ نہیں آتی۔ ایسے جو ہوتے ہیں ان میں یکتائی
دوئی باقی ہے جب وہ لامتناہی (جس کی انتہا نہیں) ہے تو ٹھہرنا۔ آرام پاجانا
کیسے میسر ہو سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بے وقوفی حماقت۔ خجالت۔ ملامت
ہاتھ آسکتی۔ منہ دکھا سکتی ہے۔ ان کے پیرو یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو اس طرح
اس شکل کے سوا بیان کرنا نتیجہ خیز نہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ نتیجہ
شکل بعد۔ وسعت۔ اصغر۔ اکبر۔ صغریٰ۔ کبریٰ۔ رابطہ۔ نسبت کی یہاں گنجائش
کہاں۔ یہ ٹھیک ہے کہ دریا کا پانی دریا میں مل گیا۔ ایک ہو گیا۔ وہ دریا کا پانی جو
[illegible] جدا تھا اپنے مرکز۔ اپنا نام کھو گیا۔ مطلب یہ کہ اس کا نام ہاں

اس کی دوئی ہے۔ حلقۂ مستوی الاطراف (دائرہ) کو اگر خط اور نقطہ وہی سے آدھا آدھا کریں یا اس خط کو درمیان سے اگر تقسیم کر دیں تو وہ حلقہ ویسا نہیں رہتا۔ نہیں ہو جاتا جیسے کہ پہلے تھا۔ لیکن اس کا اثر ضرور باقی رہتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قابَ قوسین اَو اَدنیٰ (مل گئیں دونوں کمانیں بلکہ اور قریب ہو گئیں۔) اسی کی حکایت ہے۔ سمجھو کہ وہ ایک درست دائرہ تھا۔ اس دائرہ احدی کو خط احمدی نے آدھا آدھا کر کے اوٹ گیا۔ اصل دائرہ یہی ہو گیا۔ یاد رہے کہ دائرہ ویسا نہ رہا جیسا کہ تصور خط و نقطہ کے پہلے تھا۔ اصل۔ اصل کے ساتھ یگانگی کے ساتھ نہ ملے تو جزٌ من الکل (کل کے جز) کے جیسا ہو تو جاتا ہے لیکن کسی صورت میں جزو کُل کا محیط نہیں ہو سکتا۔ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك۔ (جو کچھ مرے جی میں ہے وہ تو جانتا ہے۔ جو کچھ تیرے نفس جی میں (ذات میں) ہے وہ میں نہیں جانتا) جزو کُل سے کیسے آگاہ ہو سکتا ہے یارہ سکتا ہے، قطرہ کو دریا کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس جز کو اس کُل نے ایک نہت ضرور بخشی ہے۔ اس لئے یہ چاہتا ہے کہ کُل کے ساتھ کُل ہو جائے یہ اس سے یا اس کے لئے ممکن نہیں اس لئے مٹ مٹا جا کر کُل کے ساتھ ایک ہو کر عین بعین ہونے سے یعنی مل کر ایک ہو جانے سے ھُوَ ھُوْ (وہی وہ) کا گمان (تصور) پیدا کر لیتا ہے چونکہ اب تک اطلاع (باخبری) واشراق (کھلنا) اس پر نہیں ہوا۔ اس لئے وہ ضرورتاً سلوک سے ٹھہر نہیں جاتا اپنے آپ کو واصل تصور نہیں کرتا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قرآن پڑھنے والے سے وما قدروا اللہ حق قدرہ (اللہ کی قدر جو جانی تھی نہ جانی) سنتے ہی سر دیوار سے ٹکرا کر کہنے لگ گئے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ تجھ تک راہ نہیں تو پھر تو نے اس گدا (فقیر) کے دل میں تیری طلب کیوں پیدا کی۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے حقیقت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے تھوڑی سی شکر لی اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ سبھوں نے کہا کہ شکر ہے اس کے بعد آپ نے اسی شکر سے چند صورتیں بنائیں۔ شکر کی بنائی ہوئی صورتوں میں سے ایک ایک دکھا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو جواب میں انھوں نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے۔ یہ ہاتھی ہے یہ بیل ہے۔ یہ آدمی ہے پھر آپ نے اُن کو توڑ کر گولی بنائی باریک کر دیا تو وہ پہلے کے جیسی شکر ہو گئی اس کو دکھا کر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو جواب ملا کہ شکر ہے تو آپ نے فرمایا کہ ھٰذا بیان الحقیقت (یہی حقیقت کی صراحت و بیان ہے) ہر ایک کی ویسی شکر ہی میں ہوئی کیونکہ ہر ایک کی اصل شکر تھی۔ لیکن ہر ایک اپنی صورت و شکل سے ایک نام پا گیا۔ کہ یہ گھوڑا ہے۔ آدمی ہے فلاں ہے فلاں ہے۔ اثنیت و اثنینت کی خصوصیت بھی یہی ہے۔ اگر تم یہ کہو گے کہ یہ سب وہم و گمان ہے۔ اچھا وہم و گمان ہی سہی لیکن جیسے ہی وہ آیا۔ دو ہو گئے۔ دوئی آگئی۔ کما ھو اتحاد (بلحاظ ایک ہو جانا جیسا کہ چاہئے) متصور نہ ہوا (ہاتھ نہ آیا)۔ ہر آدمی کے لئے یہ کہاں ممکن ہے کہ وہ ان تمام اشکال و صور پر کہ جس سے وہ متشکل ہے محیط و مدرک ہو جائے۔ اگر ایک لاکھ سال بھی سیر میں رہے انتہا کو نہیں پہنچتا۔ سیر پوری نہیں ہوتی وصول جیسا کہ ہونا چاہئے ممکن نہیں ہوتا۔

ابدال کی جماعت سے جو چالیس سے کچھ زیادہ تھی۔ میں نے اُن سے شریعت کا ایک سوال کیا کہ آپ اہل سیر ہیں آپ کے سیر کرنے کی صورت یہ ہے کہ ساری زمین آپ کی سیرگاہ ہے۔ جہاں کہیں بھی آپ کے قدم پہنچے۔ مشرق میں ہوں تو مغرب اور اگر جنوب میں ہوں تو شمال اسی طرف ہے۔ زمین کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں صبح ہو رہی ہے۔ زمین کا ایک حصہ وہ ہوتا ہے جہاں

شام ہورہی ہے۔ مغرب کا وقت آرہا ہے۔ کہیں ظہر کا کہیں عصر کا وقت ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ آپ ایسی جگہ تھے۔ جہاں آپ نے صبح کی نماز ادا کی اور اُڑتے ہوئے ایسی جگہ آگئے جہاں ابھی صبح نہیں ہوئی۔ یا ایسے مقام میں پہنچ گئے کہ جہاں آفتاب غروب ہورہا ہے تو آپ کی ظہر وعصر کی نماز کا قصہ کیا ہوا ایسی صورت میں آپ کیا کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہم آپ سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ اپنے میں کے ایک کو دوزخ میں لے جاتے ہیں پھر دوزخ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس کے اسرار سے مطلع کرتے ہیں۔ جب وہ شخص وہاں سے لوٹ کر عالم ملک (دنیا) میں آتا ہے تو اس دنیا کی آگ جو اس دنیا کی آگ سے ستّر درجہ کم اور ٹھنڈی ہے وہ آپ کو جلانی نہ چاہیے لیکن یہ دنیا کی آگ محققین عارفین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم انبیاء علیہم السلام سب کو جلاتی ہے۔ یہ بات بھی میں نے ان سے پوچھی کہ آپ دلوں کے حال لوگوں کے بھیدوں سے باخبر ومطلع ہوتے ہیں موجودہ آئندہ (حال استقبال) کی باتیں جانتے ہیں۔ ہر ایک کی ایک دیگ ڈھکی ہوئی جوش کھاتی رہتی ہے جو رو نیتے۔ اور لوگ جن سے آپ کو نسبت ہے وہ جو کچھ چھپ چھپا کر کرتے ہیں ان کی کھلی اور چھپی باتیں آپ پر منکشف۔ کشف پائے ہوئے یعنی کھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ویسی صورت میں آپ اپنے نزدیک والوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں کیا ان کو اسی حالت وکیفیت میں چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ اس طرح رہیں۔ دین کے کام میں سُست اور جائز ناجائز کاموں میں پڑے رہیں۔ یا کوئی ایسا سلوک وبرتاؤ ان کے ساتھ کرتے ہیں جس کے وہ مستحق ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کو یہ دونوں باتیں بھی میسر نہیں۔ ایک بات عالم حقیقت کی بھی میں نے ان سے دریافت کی کہ آپ حضرات ہمہ اوست (سب وہی ہے) فرماتے ہیں۔ سبھوں نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا ہمہ اوست

(سب وہی) فرماتے تو ہیں لیکن یہ بھی تصور میں لایا ہے کہ ہمہ (سب) کا قرار دلو (ٹھیراؤ) اس پر کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اس کلام کی کیفیت کے ساتھ ساتھ ایک بیان بھی ہے یا نہیں ان سوالوں کا جواب دینے کے بجائے وہ اس عاجز مسکین درماندہ اور مضطرب گشتہ (تنگ آئے ہوئے) سے خفا اور رنجیدہ ہوگئے۔ اور یہ سمجھے کہ ان کو ملزم ٹھیرانے (لاجواب کرنے) بحث میں عاجز کردینے کے لئے یہ سب کچھ کہا گیا ہے۔ جب تفصیل سنی غور کیا اور انصاف پر اتر آئے تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ عاجز آنے لاجواب ہو جانے کے سوائے کوئی اور صورت نہ تھی۔ تو خوش خوش واپس ہو گئے۔

میں نے اُن سے جو گفتگو کی وہ یہ تھی کہ اگر وہ ایسا ہو تو سلوک و سیر کیسے پورا ہو سکتا ہے۔ وصل کس اعتبار میں ہوگا ہم نے تعین و تشخص اس لئے نہیں کیا کہ عارف ذائق (مزہ پائے ہوئے جاننے والے) اور شاہد واجد (دیکھے ہوئے پائے ہوئے) سے۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں، جو کوئی (ہم سے بات کرتے ہوئے) ہمارے کلام میں مشاہدہ حال کے بغیر باتیں بناتا ہے۔ وہ کام میں سست پڑ جاتا۔ ٹھیک راستہ پر نہیں چلتا۔ ہر ایک اپنی مجبوری۔ کمزوری کو خوب سمجھتا اور جانتا ہے۔ اس لئے طالب ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جہاں سے من اللہ الی اللہ (اللہ سے اللہ کی طرف) کی سیر شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنی کا جو گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کہے ہوئے میں امکان ہے اس کو بھی بیان کر دیا جاتا ہے حقیقت کے جنگل کا جوانمرد۔ نزدیکی کے میدان کا تجربہ کار۔ وحدت کے دریا کا پیرک۔ صمدیت کی چوٹی کا چڑھنے والا مضبوط قدم۔ یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اگر اس کی ذات کی تنزیہہ (ہر چیز سے پاک) و تسبیح (پاکی سے خدا کو یاد کرنا) میں جیسی کہ کوشش کی جانی چاہیئے اگر کی جائے تو وہاں پہنچ سکتے ہیں جہاں

عبارت ایک ایسے نقطہ کی مثال کے سوائے نہیں ہوسکتی جوکسی وجہ سے
یاکسی طرح سے بھی ٹکڑے کرنے بانٹ دینے کے قابل نہ ہو۔ یہ وہ مرتبہ ہے
جہاں ذہنی تصور کے سوائے رسائی نہیں۔ اگر کسی کو اس کی ابتداء و انتہا
انتہا نہ ہونے کی سمجھ ہاتھ آجائے اور وہ اس جہاں (دنیا) اس جہاں (عقبیٰ)
ہزاروں یہ اور وہ تصور میں لائے پھر بھی وہ سات دریا کی شبنم کے جیسا ہے جو
دریائے محیط سے کمتر ہوتا ہے۔ کیا کیا جائے مثال دینے کے لئے ایسی بہت
بڑی شبنم کے سوا کوئی ٹھیک مثال نہیں ملتی اگر ہوتی تو ہم دوسری تمثیل بھی دیدیتے۔

جب تم نے اس کو سمجھ لیا۔ یہ جان لیا تو اس قول کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے جو
محی الدین ابن عربیؒ اور ان کے متبعین اور دوسرے محققین نے "وجود" ایک
ہی ہے جو کہا ہے وہ اتنے وجودات سے متمثل ہے۔ اس جہاں اس جہاں کی
ساری نعمتیں جنت کی آرام دہ چیزیں۔ دوزخ کی تکلیف و ایذا دینے والی
چیزیں۔ ثواب۔ عذاب عرش (سب سے اونچا مقام) ثریٰ (سب سے
نچلا مقام) سب چھوٹے بڑے۔ عزیز ہوں یا ذلیل بزرگ ہوں یا حقیر۔ ایک ہی
وجود ہے۔ اس کے سوا کوئی وجود نہیں۔ لیکن محمد حسینی جو کہ نور مرتضوی سے
روشن و جلا پایا ہوا۔ ضیا مصطفائی سے چمک دمک دیا گیا ہے یہ کہتا ہے کہ
ان تمام وجودات کے ساتھ کہ جن کا ذکر آیا ہے۔ اس کا فیض ہے جو سارے صور
و اشکال میں متصور و متشکل ہے (سب صورتوں میں ساری شکلوں میں اس کا فیض
صورت و شکل لیا ہوا ہے) اور وہ ان وجودات سے سوا ایک وجود ہے۔ یہ اس
کا فیض اپنے سب صور و اشکال (اپنی صورتیں اور شکلوں) کے باوجود اس وجود
کے سامنے۔ حساب کے لحاظ سے اس ذات سے ایک لاکھ مرتبہ اس طرح کمتر ہے
جیسے کہ دریائے محیط (سمندر) یا ہفت قلزم (سات سمندر) کے مقابل میں شبنم

ہوتی ہے ۔سالک پے در پے ۔ یکے بعد دیگرے بلکہ ہر گھڑی ہر پل اس وجود سے گذرتے اس سے پرے سے پرے کی سیر میں ہو جاتے ہیں اِلَّا مَاشَآءَ اللہ (البتہ تھوڑے) جس کا کوئی احساس نہ تھا کوئی فہم نہ تھی ۔ ہاں ایک بات یہ کہ عین معین ہی ایک وہ شئی ہے جو تھی اور ہے ۔ جس کو باریک تر نازک تر احساس ہی سے محسوس کر سکتے اور انتہائی سمجھ سے سمجھ سکتے جان سکتے ہیں ۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی پیدائش کے دن جبرئیل علیہ السلام ایک فرشتہ کو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور کہا کہ یہ فرشتہ ایک دن خدائے تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی کیا تھا ۔ خدائے تعالیٰ سے اپنے اڑنے میں عرش کی انتہا پانا چاہتا تھا ۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا کام تو جان ۔ اُڑ ۔ اڑ کے دیکھ لے چنانچہ یہ فرشتہ ستر ہزار سال اڑتا رہا ۔ اس کے پر جھڑ گئے دوسرے پروں کی اس نے دعا کی ۔ اس کو پر مل گئے ۔ وہ اور ستر ہزار سال اڑتا رہا ۔ پھر اس کے پر جھڑ گئے پھر اس نے دعا کی اس کو پر مل گئے ۔ تین دفعہ وہ ایسا کیا آخر تھک گیا ۔ عاجز آکر عرض کیا کہ خدایا تیرا عرش کتنی کشادگی (پھیلاؤ) رکھتا ہے ۔ فرمان ہوا کہ ابھی تو عرش کے ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ تک بھی نہیں آیا ۔ اس فرشتہ نے اپنا عجز ظاہر کیا ۔ خدائے تعالیٰ کو قہر و غلبہ کے ساتھ جان پہچان لیا ۔ دوسرے پروں کی درخواست کی فرمان ہوا کہ تو نے بے ادبی کی ہے اس نئے پر نہیں مل سکتے جب حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوں گے اگر وہ تجھ پر ہاتھ پھیریں گے تو تجھ کو پر مل جائیں گے ۔ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ اس پر پھیرا گیا ۔ اس کے پر آگئے ۔ مخلوق ۔ متصور و متشکل کے ساتھ جو فیض قدیم تھا وہ اس صورت وصفت کے ساتھ تھا ۔ اس ذات کا فیض لاکھوں ہزار مرتبہ اس سے زیادہ ہے کیا کہوں کچھ کہنے میں نہیں آتا ۔ فیض قدیم کے مقابلہ میں یہ بہت کم ہے کیونکہ اور

کیسے برابر ہو۔ پھر خدا جانے یہ محروم یہ کیسے اور کس وہم کی بنا پر کہتے ہیں کہ ان وجودات کے سوا کوئی وجود ہی نہیں اس کی عزت اس کے جلال اس کی بزرگی کی قسم جو کوئی ایسا گمان رکھا وہ خدائے تعالیٰ کو نہ تو پہچانا اور نہ اس تک پہنچا نہ معیت و قربت کی دولت سے روشناس ہوا (نہ ساتھ ہونے نہ نزدیکی پانے کی سرفرازی اس کو منہ دکھلائی) واللہ من ورائہم محیط (اور اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے) سب کے ساتھ سب طرح سے سب کے ساتھ۔ سب کے بغیر سب کے ساتھ۔ سب کے اندر سب کے باہر وہی ہے لطف یہ کہ نہ اندر ہے نہ باہر۔ نہ نزدیک نہ دور۔ اس سے اس کے ساتھ کوئی آگاہ (باخبر) نہیں۔ سب وہ نہیں۔ وہ سب نہیں۔ ھوالکل ھوالکل الکل ھو کلیۃ الکل و کلیۃ الکلی ھو کل کل الکلی و کلک و کل کلک ھو ھو ھو لا ھو الا ھو (وہ کل ہے۔ کل کا کل ہے۔ وہ کل کی کلیت ہے اور کلیت کی کلیت ہے وہ کل کا کل۔ کل کا کلیہ اور تمہارا کل۔ تمہارے کل کا کل وہی وہ ہے وہ وہ نہیں وہ بلکہ وہی وہ) من اللہ الی اللہ (اللہ سے اللہ کی طرف) کی سیر اسی سے سمجھ میں آتی ہے کہ کیسی بے انتہا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ اس مرتبہ میں سالک کا یہ گمان ہوتا ہے کہ میں واصل ہو گیا (مل گیا) میری سیر میرا سلوک پورا ہو گیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ حق الحقیقت۔ حقیقت الحق اور حق ہے۔ شریعت مراد ہے انسان کامل کے قول (کہے ہوئے) سے طریقت مراد انسان کامل کے فعل (کیے ہوئے) سے حقیقت مراد انسان کامل کی دید (دیکھے ہوئے) سے۔ حقیقت الحقیقت مراد ہے انسان کامل کی بود (ہونے) سے۔ حقیقۃ الحق مراد ہے۔ انسان کامل کی بُود بُرد (ہونے میں ہونے) سے حق عبارت ہے (مراد ہے) بود بود و بود نابود (ہونا میں ہونا نہ ہونے میں ہونا) سے۔

شریعت و طریقت میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ بیان و تحریر کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہزار ہا کتابیں لاکھوں اقوال ہیں اس میں گفتگو کرنا بے ضرورت بات ہے ہاں ہاں جو کچھ حقیقت ہے اس کی ایک دلیل اس کا ایک ثبوت ضرور ہوتا ہے جس کو کسی مثال و نظیرے کہنے بات کرنے میں لے آتے ہیں وہ دیکھی ہوئی کا ایک بیان ہوتا ہے۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کما ترون القمر لیلۃ البدر و لا تضامون فی رویتہ شیئاً التمثیل بالنسبۃ الی الرای (جیسا کہ دیکھتے ہو تم چودھویں رات کے چاند کو کہ اس کے دیکھنے میں کوئی چیز مانع نہیں یہ مثال ہے دیکھنے والے کی نسبت سے ہے۔ دکھنے میں آنے دکھائی دینے والے کی نہیں) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رائت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (دیکھا میں نے اپنے رب کو معراج کی رات میں اچھی صورت میں) فی صورۃ امرد شاب قططہ (نوجوان سبزہ آغاز گھنگروالے بال والے کی صورت میں) ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رائت ربی فی صورۃ امی (دیکھا میں نے اپنے پروردگار کو اپنی ماں کی صورت میں) قرآن میں بھی اس بیان کا پتہ اس طرح ملتا ہے کہ ید اللہ فوق ایدیھم (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر) وجاء ربك والملك صفا صفا (آیا تیرا پروردگار اور فرشتے جوق در جوق) وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ (اس دن چہرے تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔) حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رائت ربی فی المنام الف الف مرۃ (دیکھا میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں ہزار مرتبہ ہزار مرتبہ) حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ الرویا الصالحۃ جزء من النبوۃ (سچا خواب ایک حصہ ہے نبوت کے حصوں میں سے) رویاء (خواب میں دیکھنا) خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا اہل سنت کے عقائد میں

جائز ہے دیکھا جا سکتا ہے۔ خدا خواب میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ویسی بات نہیں
کہ نیند میں خواب میں جو دیکھیں وہ اور ہو۔ جو کچھ بیداری ہوشیاری میں دیکھیں
وہ کچھ اور ہو۔ دنیا میں کچھ اور ہو۔ آخرت میں کچھ اور ہو۔ تعالیٰ اللّٰہ عن الحدوث
والتغیر انہ سُبحانہ لا یتغیر بذاتہ ولا فی اسمائہ بحدوث الاکوان
(برتر ہے اللہ تعالیٰ نو پیدا ہونے سے۔ بدل جانے سے وہ پاک ہے۔ بدلتا نہیں
اپنی ذات سے نہ اپنے ناموں سے بدل جانے سے دنیا و عقبیٰ کے) بعض کتابوں
میں خواب کو بیداری پر ترجیح دی گئی ہے مگر وہی بات وہی بیان ہے جو ہم
لکھ آئے ہیں وہی بہت اچھا بیان ہے۔ ہمارا کہا ہوا۔ استقامت۔ استحکام
یافتہ (ہمیشگی استواری مضبوطی پایا ہوا) ہے۔

محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ما رائت شیئاً الّا رایت اللہ فیہ
(نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں اللہ کو اس میں) نکرہ محل نفی میں عموم کا
اقتضا کرتا ہے۔ (اسم نکرہ جب نہیں کے ساتھ لایا جاتا ہے تو اس سے عمومیت
مراد ہوتی ہے) اہل صفا و جلا کے نزدیک خفا (کھلاپن) کا وجود ہی نہیں اس لئے
اس سے ہمیشہ کی دید کا اشارہ نہیں ہوسکتا۔ ایک بزرگ ما رائت شیئاً الّا
رایت اللہ قبلہ (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں اللہ کو اس سے پہلے)
ایک اور بزرگ ما رائت شیئاً الّا رائت اللہ معہ (نہیں دیکھی میں نے کوئی
چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس کے ساتھ) ایک بزرگ ما رائت شیئاً الا رایت
اللہ بعدہ (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس کے بعد) کہتے
ہیں ہر ایک نے اپنا ایک حال کہا ہے ہر ایک کا مقصود ایک ہی ہے اور ایک ہی
کا پانا ہے۔ میں نے اپنے خواجہ سے سنا ہے۔ میرے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک رات
مجھکو اقبال خادم۔ شیخ کے سدے لے گئے اور خود باہر چل دئے شیخ نے خانقیہ

(ٹوپی) میرے سر پہ رکھی۔ ہزار میخی خرقہ مجھ کو پہنایا اور فرمایا کہ جاؤ مشغول رہو
بہت مشغول رہو۔ (اپنے کام میں لگے رہو۔ اچھی طرح سے اس میں ڈوب جاؤ) خواجہ
کے سامنے سے دوگانہ ادا کرنے کے لئے اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حجرہ درو زہ دیوار
جہت سب شیخ ہی شیخ تھے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیسے باہر آیا اور عجیب تر
یہ کہ جب دوسری دفعہ گیا اور نظر کیا تو سب کچھ اسی حال پر ویسا ہی تھا جو میں
نے پہلے دیکھا تھا۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی ہوا۔ میں آگیا اور بہت زیادہ مشغول
ہوگیا۔ اس رات میں۔ میں نے جو کچھ دیکھنے کا تھا وہ سب کچھ دیکھ لیا۔ خدمت
شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے۔ قیربک کے گھر میں سماع سنا۔ گھر آنے کے بعد آپ کے
ساتھ جو مرید تھے ان سے پوچھا کہ قیربک کے گھر ہم گئے۔ سماع سنے لوگ ہمارے
بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔ محی الدین کاشانی نے عرض کیا کہ لوگ کچھ اچھی
بات نہیں کہہ رہے تھے۔ شیخ نے فرمایا سبحان اللہ۔ ہم پر قیربک کے گھر میں کیا
ہوا اور لوگوں نے کیا کہا۔ مولانا مذکور نے عرض کیا کہ کیا محل رویت تھا۔ رویت
ہوئی تھی۔ (دیدار ہوا تھا) اس کے جواب میں شیخ نے فرمایا کہ ہاں ہاں رویت
نہ تھی تو پھر وہ کیا تھی۔

ابتدائے حال میں طالب کا مقصود اس کے سوا نہیں ہوتا۔ اور اس صورت
کے سوا اور کچھ دل میں نقش نہیں بناتی لیکن یاد رہے کہ یہ نگارخانہ رنگ آمیز
(یہ آئینہ خوشنا بھول بھلیاں) ہے۔ عارف اس کو شرک کہتے ہیں اور یہ جو کہا کرتے
ہیں دیکھنے والے کیا جانیں کہ وہ کیا تھا۔ وہی تھا یا اور کوئی چیز تھی۔ بردحافی
قلبی (اس کی ٹھنڈک میرے دل میں) کا فرمان اس وجدان (پانے) کو بخوبی ظاہر
کر دیا۔ کھلا پتہ دیدیا ہے کہ دیکھنے والا جانتا ہے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ یہ جو کہا گیا
ہے کہ دیکھنے والے کی پہچان و علامت یہ ہے کہ وہ بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے

دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ ایک چیز دیکھتا ہے جو ایسی ہوتی ہے کہ اس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت نہ جہت۔ (سمت) نہ خلق نہ قدم (نہ جدید نہ قدیم) نہ تحت (نیچے) نہ فوق (اوپر) نہ طول (لانبائی) نہ عرض (چوڑائی) نہ عمق (گہرائی) نہ بسط (پھیلاؤ) نہ قبض (سمٹاؤ) نہ یمین (داہنا) نہ یسار (بائیاں) اس کو بیان کرے تو کیا کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کچھ کہتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ بت پرست کہلایا جاتا ہے۔ اور حکم شرع میں موجب ملامت (تھو تھو کا سبب) قرار پاتا ہے (ٹھیرایا جاتا ہے)۔

چند لڑکے ایک شخص کو پتھر مار رہے تھے۔ ذوالنون علیہ الرحمہ نے ان لڑکوں کو منع کیا۔ ان لڑکوں نے کہا کہ وہ بات جو یہ کہتا ہے اگر آپ سُن پائیں تو ہم سے زیادہ زور و قوت سے اس کے پتھر مارو گے۔ پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ لڑکوں نے جواب دیا کہ ہم ان الفاظ کو دہرا نہیں سکتے آپ ہی اس سے پوچھ لیں۔ ذوالنون علیہ الرحمہ اس کے قریب گئے اور اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے۔ تم نے ان لڑکوں سے کیا کہا۔ اس نے جواب دیا کہ ان آنکھوں سے خدا کو دیکھتا ہوں دیکھا کرتا ہوں۔ اے ذوالنون اگر نہ دیکھوں تو کیسے جیتا رہوں کیونکر جیوں۔ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے لڑکوں سے کہا کہ اس کو خوب پتھر لگاؤ ڈھیلے مارو نوجوان کے جواب کے بعد ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے یہ کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح انسانی سالک پر تجلی کرتی ہے وہ ویسی ہی ہوتی ہے جس کی تعریف ہم کر چکے ہیں یہ وہ تجلی ہے جس میں احیاء (جلانا۔ زندہ کرنا) اماتت (مار ڈالنا موت دینا) ہے ساری مخلوق کا سجدہ لینا بھی اس کو میسر و حاصل ہو جاتا ہے۔ سالک کے لئے دونوں میں (پروردگار تعالیٰ اور روح میں) فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ تخیل نفسانی (نفس کا خیال)

تصور شیطانی (شیطان کا صورت بنایا ہوا) ہو حقیقت وہی ہے جو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وجدت بردہا فی قلبی (میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں پائی) مصرعہ۔ دل داند و من دانم ۔ من دانم و دل داند۔ (دل جانتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور دل جانتا ہے) شکر کا چکھنے والا کسی عبارت (الفاظ) میں بھی شکر کی مٹھاس ان کا مزہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہ مزہ وہی جانتا ہے جس نے چکھا جس نے دیکھا جانا جس نے چکھا وہ پہچانا۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخت اور آگ دیکھی۔ اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہُ (میں ہی ہوں اللہ) کی آواز سنی۔ تجلی کی حقیقت اور علامت اور ایک چیز کو جو زیدا۔ مادہ ومثال کے بغیر تھی جب معائنہ مشاہدہ کر لیا تھا تو پھر۔ ارنی انظر الیک (دکھلا مجھ کو تاکہ میں تجھ کو دیکھوں) کس بنا پر کس لئے کہا۔ لن ترانی (مجھ کو نہیں دیکھ سکتا) کا جواب کیوں ملا۔ جاننے پہچاننے والے۔ دیدار کے راز اور دید کے واقف کو دیکھی ہوئی آنکھوں کو دکھاوا نہیں ہوسکتا کی تنبیہ کیوں کی گئی۔ مجھ کو دیکھ نہیں سکتا کی جھڑکی کیوں دی گئی اس کو بھی سُن لو۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ چاہا کہ تمثل کے پردہ (شکل و مانند کی روک) کو درمیان سے (بیچ میں سے) اٹھا دیا جائے تاکہ وہ عین بعین (آنکھوں سے آنکھیں ملا کر) نظارہ کریں۔ (دیکھ لیں۔ چار آنکھ ہو جائیں) تو اُنھیں یہ جواب دیا گیا کہ تمہاری دیدہ دری (تیز نظری) ہماری عین کو دیکھ نہیں سکتی ہماری وجہہ کی اِنّی ہی ہماری وجہہ (چہرہ) کو سب کی نظروں سے چھپائے ہوئے ہے ہاں یہ کہ انظر الی الجبل (دیکھ پہاڑ کی طرف) ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ درخت آگ کو مثال بنا کر اس کے پردے میں (جیسے آئینے میں) عکس جمال قدسی کو ظاہر کیا گیا۔ عکس کا عکس مشاہدہ میں آیا۔ اب بھی اگر اس درخت کے پردہ سے

(پیچھے) اس کو اپنے آپ میں لے لیا جائے تو میسر ہونا ممکن ہے (ہاتھ آنے کا امکان ہے) مثال وہی تھی لیکن اس دفعہ آگ نہ تھی۔ درخت درخت نہ تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ تم اس کی تاب نہیں رکھتے تم رہو گے نہ پہاڑ رہے گا۔ پھر کون دیکھے گا کس کو دیکھے گا۔ کس طرح کی یاد دریچہ سے دیدار نما ہوگا۔ (منہ دکھلائے گا) بشریت کا جو پہاڑ ہے اس میں ایسا کوئی محل و موقعہ نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے یہ ممکن ہے اس پر عکس کے عکس کی تجلی ہو سکتی ہے۔ اس پر یہ روشن وظاہر ہو سکتا ہے۔ کوہ ستوہ ہستی (ہستی سے دبا ہوا پہاڑ) غم و رنج کا مجموعہ ایک سرمایہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل کے سامنے۔ ایک اور پہاڑ آگیا روک ہوگیا۔ وہ کیسے اٹھتا۔ کیونکر دور ہوتا جس کے اٹھ جانے سے عین کو عین کے ساتھ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے اس کا کہنا یہ ہے کہ ہم کو ہمارے سوائے کوئی اور دیکھ نہیں سکتا۔ پہلا واقعہ حقیقت تھا ہم نے جو کچھ کہا اس ہماری مراد دید تھی یعنی دیکھنا تھا۔ دوسرا معاملہ حق الحقیقت کی خواست یعنی خواہش ہے۔ جو مراد ہے بود (ہونے) سے یہ ایسی خواست ہے کہ جس میں ایک حال سے ایک حال میں پہنچ جانے اور ممکن ہونے کا بیان میں لانا انہونی بات ہے۔ مطلب یہ کہ تم تم رہو حق الحقیقت تمہاری صفت ہو جائے۔ تمہارا اپنے میں رہنا۔ اپنے آپ سے اپنے بغیر رہ کر حقیقت کی بود (ہستی) میں نابود (گم۔ ناپید) ہو جائے۔ تو بود (ہستی۔ ہونا) تمہاری تعریف و توصیف ہو جاتی ہے۔

کسی صوفی نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے الحمدللہ کہا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے أَتِمَّهُ (اس کو پورا کرو) کہا۔ تو صوفی نے کہا کیا کہوں آپ نے فرمایا رب العٰلمین کہو اس نے جواب دیا کہ دونوں عالم ایسے کیا ہیں کہ اس کے نام کے ساتھ ان کو

یاد کردں۔ آپ نے فرمایا اس کو کہو کیونکہ جب نو پیدا قدیم کے مقابل و نزدیک ہو جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر نہیں رہتا۔ جنت کا دیکھنا۔ ملکوت کا دیکھنا جیسا کہ دیکھنا ضروری ہے دیکھنا جو کچھ اس میں ہے اس کو اس میں جو نعمتیں نہ تیں۔ حور۔ غلماں۔ محلات۔ پھل۔ پھول۔ باغ کیاریاں چمن شراب مستی و خوشی اسی طرح کی اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں۔ جو وہاں ایک کے بعد ایک کھائی جائے گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ دوزخ کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس میں جو جو تکلیف دینے والی چیزیں بچھو۔ سانپ۔ قسم قسم کے عذاب۔ تنگیاں۔ اندھیرا وغیرہ۔ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک توے پر رکھکر تیل ڈال کر اس کے نیچے آگ جلائی گئی ہے ہر طرح سے یخنی کی طرح کیا گیا ہے۔ جان اور حس اور وجدان ہر ایک کا باقی ہے۔ کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا (جب چمڑیاں جل جائیں گی تو ہم نئی چمڑی دوبارہ پیدا کردیں گے) کا نظارہ کرنا ہوتا ہے۔ آگ کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے سر کی مانگ سے جلتی ہوئی پاؤں کے انگوٹھوں تک پہنچ رہی ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ آگ فوراً ایک ہی دفعہ روشن اور تیز ہو کر سب کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ بلکہ جیسے جیسے جلتا جاتا ہے ویسے ویسے درست ہوتا چلا جاتا ہے یہی دور ایسا ہی چکر جاری رہتا ہے۔ پورا جسم اچھا ہو جا کر پھر جل کر خاک ہو جاتا ہے؛ پھر یہی عمل از سر نو شروع ہو جاتا ہے۔ سر سے پاؤں تک پاؤں سے سر تک اسی طرح ہوتا رہتا ہے ہر ایک کا نظارہ اگر کوئی سالک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں کھڑا ہو جاتا ہے۔ ان سب مشاہدات میں ظلمات (اندھیرا) کا مشاہدہ سب سے زیادہ کٹھن ہے۔ سالک اپنے آپ سے دوزخ میں جانا نہیں چاہتا لیکن لے جانے والے کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کو

بھی اس کے مشاہدہ میں لائے اس کو دکھلائے اس لئے اس کو زبردستی دھکے دیکر
دوزخ کے اندر گرا دیتا ہے۔ اس سے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کو اس
کی پوری اطلاع ہو جائے۔ سالک حیران و پریشان وہاں سے لوٹ آتا ہے۔
اسی طرح صراط۔ میزان۔ حساب قیامت کا میدان۔ کرسی قضا پر جلوس۔
سوال و جواب قبر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ آسمانوں پر عروج۔ عرش مجید تک کی سیر
بھی کرتا ہے لوح کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک تختی کے جیسی ہے جس کے دو پرت
ہوتے ہیں۔ ایک فرشتہ اس کو بغل میں لیا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کی لانبائی
عرش سے ثریٰ تک تصور کرتا ہے لیکن وہ لوح کیسی ہے اس کی حقیقت اللہ
ہی کو معلوم ہے۔ اسی طرح قلم کہ جس میں نہ تراش ہے نہ خط نہ طول نہ عرض نہ
شکل لیکن وہ ہمیشہ چلتا رہتا اور چلنے ہی میں ہے ایک دروازہ دیکھتا ہے
جس پر قفل لگا ہوا ہوتا ہے۔ قفل پر مہر لگی ہوئی پاتا ہے۔ ایک چوکیدار کو
دروازہ پر کھڑا ہوا دیکھتا ہے۔ ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ چوکیدار
نہ آدمی ہوتا ہے نہ فرشتہ۔ جو لکڑی اس کے ہاتھ میں ہے وہ نہ تو سونے کی ہے
نہ چاندی کی نہ مونگے کی نہ سونی کی۔ نہ اس کو طول ہے نہ عرض۔ ایک خیمہ دیکھتا
ہے۔ وہ نہ تو دنیا کا ہوتا ہے نہ حریر کا (مخمل کا ہوتا ہے نہ اطلس کا) نہ لانبا ہے نہ چوڑا
نہ بُنا ہوا ہے نہ سِلا ہوا۔ وہ مکان بھی نہیں اس کو مکان کہا بھی نہیں جا سکتا چونکہ
اس کو وہاں کھڑا کیا گیا ہے اس لئے اس کو مکان ہی کہنا پڑتا ہے۔ وہاں مکان
کہاں۔ اس خیمہ کے اندر کیا ہے اور کون ہے اس کو کہاں تک لے جاتے ہیں وہ
وہاں کیا کیا دیکھتا اور کس کو دیکھتا ہے۔ کہنے میں نہیں آسکتا۔ اس مرتبہ کے سالک
کو یہاں تک لیجایا کرتے ہیں۔ بعدہ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا کیا ہوتا ہے
یا ہوا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اس کو بھی اللہ

ہی بہتر جانتا ہے۔ پہچانے والا وہ شیخ ہو یا مرشد۔ یا رسول۔ دروازہ ہی پر کھڑے رہتے ہیں۔ اندر کی انھیں خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں جب وہ وہاں سے لوٹ آتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تم سے کیا معاملہ ہوا۔ اندر جانے والے کو جو بہتر و مناسب معلوم ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔ جس کا کہنا مناسب نہیں سمجھتا وہ نہیں کہتا چھپائے رکھتا ہے۔ خِسَّت (بخل۔ کنجوسی) کو کام میں لاتا۔ کوتاہی کرتا ہے۔ لے جانے والے کا اندر جانے والے سے پوچھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کو معلوم نہیں اس کا تھوڑا بہت علم ہو جائے اس کے ساتھ کیا ہوا معلوم ہو جائے۔ اس سیر کے بعد سالک پر بہت ساری چیزیں کھل جاتی ہیں۔ یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ حقیقت کے کھل جانے کے اقسام میں سے ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نوجوان ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں تھا۔ ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ تیری استعداد کے لحاظ کرتے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ جائے۔ اس کے جواب میں وہ نوجوان یہ کہنے لگا کہ ان کی خدمت میں کیا دیکھوں گا۔ انھیں دیکھکر کیا کروں گا۔ میں یہاں بیٹھا ہوا بایزید کے خدا کو ستر مرتبہ دیکھا کرتا ہوں۔ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ ایک مرتبہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھ لینا۔ خدا کو ستر بار دیکھ لینے سے بہتر ہے۔ نوجوان نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے۔ وہ تو اپنے حوصلہ و استعداد کے موافق دیکھ رہا ہے جو کچھ بایزید رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھے گا بقدر و اندازہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ اس نوجوان کو "دید" (دیکھنے) سے "بود" (ہونے) میں لے جانا چاہتے تھے۔ وہ دید میں پہنچ چکا تھا۔ لیکن بود کی اس کو خبر نہ تھی۔ دید ہی میں ٹھہرا ہوا آرام پایا ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ دید سے بود میں پہنچنے

تک ہزاروں جنگل میدان وادیاں بیچ میں ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری
خندقیں پہاڑیاں ہیں وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ رب العزت کا پیارا چاہا ہوا
ہے جو دید سے بود میں آجائے۔ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ
نے بغداد کے مشائخین کے نام ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ اے مشائخان
بغداد اے صوفیانِ عراق۔ ہزاروں آگ کے پہاڑ، خاردار خندقوں کا پار کرنا تمہارے
لئے ضروری ہے اگر یہ مراحل طے نہ کرلئے۔ پار اتر نہ گئے، سختیاں نہ اٹھائیں تو پھر
کس کام میں ہو کیا کر رہے ہو۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کے صوفیوں کو جمع
کیا۔ ان کے سامنے وہ خط پڑھا۔ سبھوں نے ایک رائے ہوکر یہ کہا کہ ان کی مراد۔
آگ کے پہاڑ، خاردار خندق سے خدا کے راستے میں مٹ جانا ہے۔ جب تک کئی
ہزار بار مٹ نہ جائیں۔ مقصود کو نہیں پہنچتے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ۔ رو پڑے کہنے لگے کہ
ان خندقوں ان پہاڑوں میں سے میں نے ایک بھی طے نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی حریریؒ
رو پڑے اور کہا کہ اے جنید۔ تم شیخ ہو۔ تم یہ کہتے ہو کہ تم نے ایک پہاڑ ایک خندق
طے نہیں کی مسکین (بیچارہ) حریری تین قدم بھی آگے نہیں گیا۔ یہ سنتے ہی شبلیؒ
نے نعرہ لگایا کہا کہ اے شیخ جنید تم نے ایک خندق ایک پہاڑ بھی پار نہ کیا۔ اور شیخ
حریری تین قدم بھی آگے نہیں گئے۔ مسکین شبلی وہ ہے کہ جس نے اس راستہ کی گرد
وغبار تک نہ دیکھی۔ یہ بات دید سے بود میں دیکھنے سے ہونے تک کی ہے۔ ہاں اتنا
سمجھ لو کہ "حق الحقیقت" انسان کامل کے ہونے سے مراد ہے۔ جو کسی عبارت کسی
نظیر و مثال میں یا کسی کے وہم و خیال میں نہیں آسکتا۔ اشارے کنایہ سے بھی کسی کو
خبردار و ہوشیار نہیں کیا جاسکتا۔ تحریر و تقریر میں نہیں سماتا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ
نے "سبحانی ما اعظم شانی" (میں سبحان۔ میری کیسی بڑی شان ہے)
جنید رحمۃ اللہ علیہ نے "لیس فی جبتی سوی اللہ" (میرے جبہ میں اللہ کے سوا نہیں)

حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ نے "انا الحق" (میں حق ہوں) ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
نے انا اقل من ربی بسنتین (میں اپنے پروردگار سے دو سال کا چھوٹا ہوں)
... نے "لا فرق بینی وبین ربی الا انی تقدمت بالعبودیۃ" (مجھ
میں اور میرے پروردگار میں کچھ فرق نہیں۔ اگر ہے تو یہی کہ میں نے سبقت کی
بندگی میں) کسی نے الصوفی ھو اللہ (صوفی وہی اللہ) حریری رح
... لا یفتقر الی نفسہ ولا الی ربہ (فقیر نہ محتاج ہے اپنے نفس کا نہ
اپنے پروردگار کا) ایک محقق نے اذا تم الفقر فھو اللہ (جب پورا ہوجاتا ہے فقر تو
وہ اللہ ہے) اور ایک نے انا ابن الازل (میں ازل کا بیٹا ہوں)۔ ایک صحابی
رضی اللہ عنہ نے ولدت امی اباھا (میری ماں نے اپنے باپ کو جنا) بات اس قدر ہے
کہ ایک کچھ نہیں۔ دوسرے کچھ نہیں کا گواہ ہوگیا۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے انا اقول
وانا اسمع وھل فی الدارین غیری (میں ہی کہتا میں ہی سنتا ہوں اور میرے سوائے
دونوں جہاں میں کون ہے) یہ بزرگوں کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ صوفیا رحمہم اللہ کی باتوں میں
ایک ہونے کا ملاپ کا وہم پایا جائے تو اس کو حق الحقیقت کی حکایت سمجھ لو کیونکہ
حقیقت الحق کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ لا یحطی بہ نبی المرسل ولا ملک مقرب
ولا ولی عارف ولا صدیق محقق (جس کا احاطہ کوئی نبی۔ رسول۔ نزدیکی
پایا ہوا کوئی فرشتہ۔ کوئی عارف ولی اور کوئی محقق صدیق نہ کرسکا۔) اگر تم یہ کہیں کہ
خدا چاہا تو وہ کسی کو اپنی حقیقت سے آشنا کرسکتا ہے۔ کردیتا ہے۔ تو اس کا جواب
یہ ہے کہ ان اللہ لا یوصف بالمحال (البتہ اللہ محال سے موصوف نہیں) اصول
یہ ہے کہ افعال سے صفات کی طرف جاتے اور صفات سے ذات کی طرف آتے ہیں۔
ذات میں ذات کے ساتھ ہوجاتے ہیں۔ اس سے آگے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔
فہم کام نہیں کرتی۔ اعوذ بعفوک من عقابک (تیری عفو درگذر کی پناہ لیتا

آتا ہوں۔ تیری پکڑ سے) کہکر فعل سے فعل میں گئے۔ اعوذ برضاك من سخطك (پناہ لیتا ہوں تیری خوشنودی کی تیری ناخوشی سے) کہکر صفت سے صفت میں ہو گئے۔ اعوذ بك منك (پناہ لیتا ہوں تیری تجھ سے) کہکر ذات میں ذات کے ساتھ آگئے۔ جو کچھ نسبت (تعلق) اضافت (لگاؤ) عبارت (مراد) اشارت (مثلاً) فہم (سمجھ) شعور (پانے) میں آسکنے سے باہر تھا وہ نہیں کہہ سکتا تھا اب کہ ما ابلغ مدحتك (نہیں رسائی پاتا ہوں تیری مدح کی) اور لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك (تیری تعریف نہیں ہو سکتی تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف آپ کی ہے) کہکر ایک حصہ سے دوسرے حصہ کے ساتھ اٹھ کر گیا۔ باقی کو طرح دے گیا (اڑا گیا) یہ بھی ہوتا ہے کہ فعل سے فعل میں صفت سے صفت میں اور ذات میں ذات کے ساتھ ملا کرتے ہیں اس کے بعد ورالوریٰ (پرے سے پرے) ہے اس کی حکایت نہیں کی جا سکتی اس کو تحریر میں لایا نہیں جا سکتا۔ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی تیزی چالاکی۔ سمجھ رسائی۔ ان کو کہنے لکھنے سنانے میں لے آئی جس کا اشارہ کلام ربانی کی شرح کرتے ہوئے کر دیا گیا جس کو علمائے ربانی جانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ظلمات (اندھیرے) جب ذرائع واسباب کا پاس لحاظ کر کے بے چین وحیران سرگردان رہ گئے۔ مطلب یہ کہ مشاہدہ ومعائنہ کے بغیر صرف دلیل وسند پر راضی نہ تھے۔ ملاقات تو صرف پلک مارنے یا لحظہ بھر تک بھی نہیں ہوتی۔ دل کو ان خطرات سے کون لوٹا لائے۔ ہوا وہوس سے کون پھیر لائے۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہر ہو جائے۔ ممکن ہے کہ عیاں ہو جائے ایک ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ یہ سارے دکھ درد۔ جلنا۔ بھنتا۔ مرنا اس کے لئے اختیار کرتا ہے شوق کا دریا جوش میں آتا جاتا ہے۔ شورش طلب میں لے آتی ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ (کون ہے جو قبول کرتا ہے تڑپتے ہوئے کی

دعا کو اس توجہ سے گیا۔ عذرات قبول ہو گئے۔ مقصد حاصل کرنے کا علم (طریقہ) اس پر کھل گیا جس کا اشارہ ادعونی استجب لکم (دعا کرو مجھ سے تاکہ میں قبول کروں تمہاری دعا) کے استقبال کے لیے آتی ہے۔ فلما جن علیہ اللیل (جب چھا گئی ان پر رات) سے مراد اُن کی عاجزی بیچارگی کا ظاہر کرنا ہے۔ یہ ان کے اس والے بیقراری تڑپ بے چینی ہے۔ رأی کوکب (دیکھا ستارہ) سے مطلب یہ ہے کہ وہ میدان طلب طے کر کے مقصود کے شہر کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ ؎

معشوق بسامان شد تا باد چنیں بادا کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنیں بادا

(معشوق موافق ہو گیا جب تک ہو ایسا ہی ہو۔ اس کا کفر ایمان ہو گیا جب تک ہو ایسا ہی ہو)

یہ مقصود وہ ہے۔ جو سب مقاصد سے سوا اور نرالا ہے۔ انتہا کو پہنچا ہوا۔ دلیل راہ پایا ہوا یہ جاننا کہ وہ دل کو ایک طلب میں لگا دیتا ہے تو وہ اس کو اپنی قرارگاہ بنا لیتا ہے (آکر ٹھہر جاتا اور ٹھہرنے کی جگہ بنا لیتا ہے) افول جو زوال و ذبول (ڈھلنا۔ غروب ہونا۔ جو گھٹنے اُتر جانے پژمردگی) کی دلیل ہے اس کو مشاہدہ کے بعد کہا۔ ہاں ہاں یہ وہ تمثیل ہے جو تمثل و تشکل میں عین وصف رکھتے ہوئے بھی تغیر و تبدل رکھتی ہے۔ عاقل کامل (بہترین سمجھدار) بالغ فاضل (بزرگ پہنچا ہوا۔) متغیر (بدلنے والے کچھ سے کچھ ہو جانے والے کو) اپنی ٹھہرنے کی جگہ نہیں بناتا۔ کیونکہ متغیر کو قرار ہی نہیں وہ ایک طرح سے نہیں رہتا۔ مصرعہ

اہلِ تمیز خانہ نکردند بر پلے (سمجھ دار پل پر گھر نہیں بناتے) اہل صفا و وفا (صوفی اور عاشق) اس سے بالکل دل نہیں لگاتے۔ اس کو دل نہیں دیتے لایتجلی فی صورۃ مرتین (ایک صورت میں دو بار جلوہ نہیں کرتا) اسی کی دلیل ہے۔ اسی کی بے ثباتی بے قراری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پہلے تو فی احسن صورۃ (اچھی صورت میں) کہا۔ اس کے بعد پھر امرد شاب قطط (نوجوان گھونگر والے بال

والا جس کا ابھی سبزہ آغاز نہ ہوا ہو) کسی نے فِی صورۃ امّی (میری ماں کی صورت
میں) خلیل اللہ علیہ السلام کے سے نئے صورت ہیئت. شکل تمثل سے۔ گذر دانا
(نکل جانا) ضروری تھا اس لئے آپ نے لا احب الافلین (میں ڈھلنے والوں کو
دوست نہیں رکھتا) کہہ دیا یعنی میں اس کو دوست نہیں رکھتا جس کے کمال میں
گھٹاؤ اور پژمردگی ہو۔ میں اس کو نہیں چاہتا جس میں وفا و ثبات نہ ہو (دوستی کو
پورا کرنا۔ قرار و قیام نہ ہو) میں اس کو نہیں چاہتا جو میرے ساتھ نہ رہے۔ ان کو
ان کی بلند ہمتی۔ دیدے بر دیں لے گئی۔ اور گم کر دی (دیکھنے سے ہونے میں لے جا کر
ہونے میں محو کر دی) ایک روشنی بلوغ (ایک نور رسائی پہنچ) دکھلائی دی تو تحقیق
سے جان لیا کہ یہی جائے پناہ اور ٹھہرنے کی جگہ ہے اس سے آگے راستہ نہیں ہے۔ اس
سے بہتر امن کی جگہ ٹھہرنے کا مقام اور کوئی نہیں۔ فلما رای القمر بازغاً
قال ھذا ربی (جب چاند کو دیکھا کہ وہ روشنی ہے کہا یہ میرا پروردگار ہے) دل
کی گہرائیوں سے غور کے ساتھ سنو۔ بود میں اتہام بود بود تھا (ہونے میں ہونے
ہونے کی تہمت تھی) اس بقیہ کے لئے کوئی نقیہ نہیں (اس بچے کھچے کا کوئی بچاؤ
نہیں) اگر ہے تو۔ بود سے بود بود تک (ہونے سے ہونے کے ہونے تک) شہود
وجود تک وجود کے وجود تک۔ اگر طلوع۔ افول۔ نزول کو سمجھ جائیں تو مطلب
حاصل کرنے مقصد پالینے کی منزل میں آجاتے ہیں۔ بلکہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے
حضرت ابراہیم علیہ السلام مطلع ہوئے تھے۔ وہ شبلی علیہ الرحمۃ تو نہ تھے کہ شبلی
کی طرح محبوب کی پناہ میں آکر کچھ کہتے۔ آپ نے لئن لم یھدنی ربی لاکونن
من القوم الضالین (اگر میرا پروردگار میری راہبری نہ کرتا تو میں قوم گمراہ میں ہوتا)
اس لئے کہ آپ پر طلوع (نکلنے) میں ہی ایک مطلع تجلی کیا (نکلنے کی جگہ دکھائی دی)
کیونکہ ہر حق کی (ہونے کی) ایک حقیقت (ہونا پن) ہوا کرتی ہے۔ فلما رای الشمس

بازغہ قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت (جب دیکھا آفتاب چمکتا ہوا کہا یہ میرا رب ہے یہ بہت بڑا ہے جب ڈھل گیا) وہم و فہم (گمان۔ سمجھ) کا یہاں دخل نہیں۔ مثال و نظیر (ایسے ویسے) کی گنجائش نہیں۔ تخییل و تمثل کے لئے گمان کا محل نہیں بشیطان۔ فرشتہ۔ نبی۔ ولی کے لئے راستہ نہیں۔ تدبیر کی جائے تو کیا کی جائے اگر کچھ تدبیر ہو سکتی ہے تو یہی کہ تقید (قید میں آجانا۔ پابند ہوجانا) تمکن (ٹھہر جانا ٹھکانے سے ہوجانا) اقرار (مان لینا) عجز و انکسار کے ساتھ سر نیچا کئے ہوئے رہنا پڑتا ہے اور اسی پر منحصر ہونا کہ انی وجہت وجہی (میں منہ کرتا ہوں پ سے کی طرف) یہ کیا ہے۔ یہی کہنا ہے کہ تو تب ہے۔ جیسا کہ جو ہے۔ ہم بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اسی قدر کہتے ہیں کہ تو ہے۔ جب تجھ کو تیری صفت سے یاد کرتے ہیں تو اس کے سوا کیا کہیں کہ فاطر السمٰوٰت والارض (پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا) نتیجہ یہ کہ خود اس قدر ضرور جانتے ہیں کہ مشرک نہیں ہیں۔ یہی کہ دید سے بود میں آئے ہیں اور بود سے بود ود میں آکر وہاں سے بھی گذر چکے ہیں۔ صرف صرف (چھنے ہوئے کے چھنے ہوئے) تو پہنچ گئے ہیں۔ منصور علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ پاک و منزہ جانتا ہوں تجھ کو اس یکتائی سے یکتائی کرنے والوں کے جو تجھ کو یکتائی سے یاد کرتے ہیں۔ کیا خوب اشارہ کیا ہے محمد حکیم یہ خبر دیتا ہے کہ الدخول فی نکفر الحقیقی والخروج عن الاسلام المجازی (داخل ہونا کفر حقیقی میں اور نکل آنا اسلام ظاہری سے) وان لا تلتفت لما کان وراء الشخوص الثلثۃ (التفات نہ کرنا ناسوت ملکوت جبروت کی طرف) وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم الحزن والبکاء (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر اور رونے میں رہا کرتے تھے) لا الٰہ الا اللہ (نہیں بندگی کے لائق مگر اللہ) جب کہ اس کی یافت ہوئی نہ دریافت ہوئی۔ تو رونے پیٹنے رنج و غم کے سوائے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ عاجز آجانے کے سوائے اور کیا چارہ ہے۔

نفس قدیم کی نسبت اس کے ساتھ ایسی ہوتی ہے جیسے کہ شبنم کی ہوا کے ساتھ
اور قطرہ سمندر کے جو مقابل ہو اس کے جیسی۔ تو اس بے وقوف بے راہ کو۔ اس
جاہل کو۔ اس بوڑھے دودھ پینے والے بچہ کو۔ اس عارف نادان کو۔ اس
بدبخت گمراہ کو اس پیشوائے پس افتادہ کو کیا ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ اس کا سلوک
پورا ہو گیا۔ خوب سمجھ لو کہ یہ ایک بے نتیجہ بات ہے اس نے یہ نہ جانا کہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ
کے قول میں کھلی بات۔ صاف روشن معنی موجود ہیں ان کا کہنا ہے کہ وھو بعید
فی السلوك غیر واصل (وہ سلوک میں دور ہے اور ملا ہوا نہیں ہے) سارے
مرحلت پر فائز ہونے۔ سب مقاصد کو پہنچنے کے باوجود بھی اس کا سلوک پورا نہیں
ہوا۔ اس کے سر سے طلب نہیں گئی۔ اس کی آرزو کم نہ ہوئی۔ یہ کہتے ہیں کہ مجنوں
لیلیٰ کی طلب میں جب مصیبتیں مشکلیں رنج و تکلیف اٹھا یا سب کچھ کرنے کے بعد
اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوا ہوس پوری کرنے کے بعد بھی اس کا جذبہ دب نہیں گیا عشق
ٹھنڈا نہ ہوا۔ طلب کم نہ ہوئی لیلیٰ سے ملنے کی خواہش لیلیٰ کی طلب اس کے دل سے
نہ گئی۔ اللهم انت فی عماء واحمد حبیبك فی ولد (اے ہمارے پروردگار
تو ابد میں ہے احمد مصطفیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے حبیب اس میں
پیدا ہوئے) بات یہ ہے کہ حس۔ عقل۔ طبع۔ دل۔ روح کو اس دنیا کی خبر
نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کو کسی طرح بھی کوئی احساس نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر احساس
کر سکتا ہے تو روح اعظم ہے جس کو ہم نفس قدیم کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ
ایک [illegible] کے شعور کے لحاظ سے ہر ایک اپنی نسبت کی مناسبت سے قربت (نزدیکی)
جنسیت (یکساں قدر کے ہونا) نصیبہ (حصہ) میراث (ترکہ) پاتا ہے۔ اور محظوظ (خوش
وقت) رہتا ہے۔ حتی کہ جسم اور چھونے کی قوت بھی ذوق پاتی ہے یعنی جان
کر علم الیقین (بغیر شک و شبہ کے جاننا) اور عین الیقین (آنکھوں سے دیکھ کر

بلا کسی شک و شبہ کے جاننا) یہ علم دیکھنے کے بعد آتا ہے۔ اس لئے کہنے سننے میں
بھی آتا ہے۔ وہ کیا یہی کہ ثابت کرنا۔ نفی کرنا۔ عین الیقین ہر ایسے ہونے سے حق الیقین
(ہو کر جاننا) ہونا ہے ہونے میں۔ اس سے آگے جو مراتب ہیں وہ کہنے سننے میں نہیں آسکتے
اس لئے اس کا اشارہ بھی نہ آیا۔ البتہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں جو کچھ ہمارے
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غور و فکر کرو اللہ کے نشانات میں۔ اور غور و فکر نہ
کرو اللہ کی ذات میں۔ قرآن شریف میں ہے کہ اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے نفس سے یہ بھی
اسی کا اشارہ ہے کہ ذات میں غور و فکر کا دخل نہیں ہوتا۔ ہی نہیں کسی بزرگ نے کیا اچھا
بات کہی ہے کہ کون (دنیا کا بنانے والا) کہنے سننے میں نہیں آتا۔ کہنے سننے میں آنے
کے لائق ہی نہیں اس مبتدا کو خبر پہ ٹھہرا دیں تو بات پکی اور بحث مناسب ہو جاتی
ہے کیونکہ یہ حدیث شریف کے لحاظ سے بھی ٹھیک ہے کہ اذا ذکر اللہ فی سکتو
(جب اللہ کا ذکر آجائے تو خاموش ہو جاؤ)

الحمد للہ رب العلمین تمت الرسالہ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

ختم ہوا رسالہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ سوم

رویت باری تعالیٰ

تصنیف

قطب الاقطاب سید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اعظم رضی اللہ عنہ (امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ) نے فقہ اکبر میں رویت باری تعالیٰ (خدائے تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھنے) کا مسئلہ وضاحت کے ساتھ نہیں لکھا۔ امام فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف بزدوی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے آنکھوں سے دیکھنے کو دلیل و سند [illegible] ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسائل جو ہم نے تحریر کئے ہیں وہ صاحبین سے مروی ہیں۔ (صاحبین سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔) انھوں نے روایت سے ثابت کیا ہے کہ مومنین خدا تعالیٰ کو قیامت میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ ہمارا یہی ایمان ہے اس کو ہم سچ جانتے اور مانتے ہیں کہ قیامت میں مومنین خدا تعالیٰ کو ان ہی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ زیدیہ، معتزلہ اس طرح کی رویت کے منکر ہیں۔ ان کے سوا اور بھی گروہ ہیں کہ جنھوں نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین یا سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے اقوال سے کوئی سند ان علمائے ثلاثہ میں سے کسی نے نہیں پیش کی۔ اس کی بظاہر یہی وجہ پائی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں جو کوئی معقول بات کہتا ہے تو اس کو یہ حضرات بدعتی (نئی بات دین میں نکالنے والا) کہتے ہیں۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقوال صحابہ، تابعین یعنی صحابہ و تبع تابعین صحابہ رضی اللہ عنہم بھی لکھوں تو یہ رسالہ رسالہ نہ رہے گا، بلکہ کئی جلدوں کی ایک خاصی کتاب ہو جائے گی۔

ضرورت ہو تو احادیث کی کتابیں دیکھ لو۔

مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں لاتدرکہ الابصار و ھو یدرک الابصار (آنکھوں کی روشنی (بینائی) اس کو نہیں پاسکتی وہ آنکھوں کی بینائی کو پاتا ہے۔) کی آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لا تدرکہ الابصار ای فی الدنیا (اس کو بینائی نہیں پاسکتی یعنی دنیا میں نہیں پاسکتی۔) جو کچھ ہم معقولات میں پڑھ چکے ہیں۔ بزرگوں سے سن چکے ہیں جیسا کہ مواقف۔ مطالع میں جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کو یہاں لکھا جائے تو بدعت ہو جائے گی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح کے ساتھ نہیں فرمایا۔ آپ نے اس قدر ضرور خبر دی کہ قیامت میں رویت ہوگی۔ اسی طرح صحابہ تابعین۔ تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کی۔ ہم چند معقول ضروری باتیں ایسی کہنی چاہتے ہیں جس سے اہل ضلال (گمراہ جماعت) زیدیہ معتزلہ کا منہ بند ہو جائے۔ کیونکہ انھوں نے بہت ساروں کو راستے سے بھٹکا دیا ہے فقہا میں بھی بعض ان ہی معتقدات کے ہیں ہم ان کا نام لینا نہیں چاہتے کہ تم ان سے معتقد ہو۔ بہرحال علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دنیا میں رویت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رویت اس کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت بڑی سرفرازی۔ بڑا انعام ہے دنیا ہیچ ناکارہ لچر پوچ چیزوں میں کی ایک چیز ہے یہ بڑی اہم نعمت (یعنی رویت باری تعالیٰ) دنیا سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ دنیا ایسی جو ہو تو اس میں رویت کا ہونا ممکن نہیں "کتاب دلائل" جس کے مصنف شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں گروہ صوفیہ کے مرشد ہیں آپ اس میں لکھتے ہیں کہ الدنیا لحم لیس یرتی الدنیا خیر کثیر (دنیا پلک جھپکنے تک ہے دنیا میں بہت نیکی ہے) خیر کثیر سے کون نیکی

ہے (کس کو انکار ہے) اس قدر لکھکر ہم پھر اپنی معقول گفتگو کی طرف لوٹ آتے
ہیں کہ ہمیں زید بہ معتزلہ سے کچھ کہنا ہے۔ تم اتنا تو سمجھے ہو گے کہ اللہ تعالیٰ
اپنی ذات کو آپ ہی دیکھتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ذات کا دیکھنا
اس کے لئے امر ممکن ہے۔ امر ممکن کے متعلق ہمارے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے بھی خبر دی ہے آپ انبیاء علیہم السلام میں سب سے بہتر نبی علیہ السلام ہیں
ہمارا یہ اعتقاد ہے ہم اس کے معتقد ہیں۔ اگر ہم آپ کے فرمائے ہوئے پر ایمان
نہ رکھیں اور اعتقاد نہ لائیں تو کافر ہو جائیں گے۔ ملحد بے دین بن جائیں گے۔
سچ ہے "امر ممکن" بہت معقول بات ہے۔ اس بارہ میں بہت ساروں نے
کہا اور بہت کچھ کہا ہے مثلاً آنکھ کا ایک حلقہ ہوتا ہے جس میں پتلی ہوتی ہے
ہر چیز کا عکس اس میں اتر آتا ظاہر ہوجاتا ہے۔ یعنی دیکھ جاتا ہے (نظر آتا ہے)
اسی کو "رویت" (آنکھوں سے دیکھنا) کہا جاتا ہے۔ یہ بات جسم و جسمانیت
سے متعلق ہے خدا تعالیٰ جو جسم و جسمانیت سے پاک و منزہ ہے اس کو اس سے کیا
نسبت۔ اس کے متعلق محمد یوسف حسینی (صاحب کتاب فارسی) کا کہنا یہ ہے کہ۔
تم آفتاب کو دیکھتے ہو۔ اس کو اسی طرح سے دیکھتے ہو۔ تمہاری آنکھ آفتاب کے
نور سے فیض اور روشنی لیتی ہے۔ اس فیض سے تمہاری آنکھیں آفتاب کو دیکھ
پاکرتی ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر اپنی خاص رحمت کرے وہ اسی
کے قدسی سبوحی نور سے فیض پاکر اپنی ان ہی آنکھوں سے اس کے نور کے
واسطہ ذریعہ سے اگر اس کو دیکھے تو اس کو اس نے ان آنکھوں سے نہ دیکھا
بلکہ اس کو اس کے نور سے دیکھا بھی اگر کہا جائے تو یہ بھی ٹھیک درست
ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے لا یری اللہ غیر اللہ (اللہ کو اللہ کے سوائے کوئی
نہیں دیکھتا) اس بارہ میں بہت کہا سنا جاسکتا ہے اس لئے ہم اس کو انشاء اللہ

کئی طرح سے ثابت کریں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو کس نے دیکھا۔ کیا دیکھا۔ بندہ کی آنکھ نے کیا دیکھا کیسے دیکھا۔ اچھا اس کو بھی غور سے سنو۔ صاف شفاف پانی پر آفتاب چمکتا ہے تو اس کا عکس اس صاف شفاف پانی میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ ایک دیوار ہوتی ہے جو صفت نہیں رکھتی صاف و شفاف نہیں ہوتی بلکہ ظلمانی ہوتی ہے عکس قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ جب وہ دیوار صاف شفاف پانی کے مقابل جس میں آفتاب کا عکس پڑا ہے آجاتی ہے تو عکس کا عکس اس میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں دیوار کا یہ کہنا کہ میں نے آفتاب کو دیکھ لیا۔ ٹھیک و درست ہے لیکن ظاہری حس کے لحاظ سے غلط تو ہے لیکن عکس کے قبول کرنے اس کے لینے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی مرید اپنے پیر کے دل کی طرف جو توجہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پیر کا دل۔ صاف شفاف عکس پذیر (سایہ کا قبول کرنے والا) ہوچکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے فیض پایا ہوا ہے۔ مرید اپنے دل کو پیر کے دل کے محاذی (برابر سامنے) رکھا ہوا ہے۔ وہ اس تصور کے ساتھ رکھا ہوا ہے کہ ضرور کسی نہ کسی وقت دونوں میں درست محاذ (ٹھیک سامنا۔ برابری) پیدا ہوجائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عکس کہ پیر کے دل پر پڑھ رہا ہے وہ جیسے کا ویسا یعنی پورے کا پورا مرید کے دل میں ظاہر ہوجائے۔ تم یہ سُن چکے ہو کہ جب دیوار صاف شفاف پانی کے مقابل ہوئی تو جو کچھ پانی میں ہوا وہی دیوار میں بھی ہوا۔ وہ جس سے محظوظ ہو (مزے لیا) یہ بھی اسی سے محظوظ ہوئی۔ معتزلہ کا کہنا یہ ہے کہ "رویت" یعنے کسی چیز کے دیکھنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ چیز نہ بہت ہی نزدیک ہو۔ نہ بہت ہی دور ہو۔ انھوں نے یہ تو کہدیا لیکن اتنا نہ سمجھے کہ یہ صورت یہ

یہ صفت. جسام (اجسام جسم کی جمع) جسم اس کو کہتے ہیں جس میں لانبائی چوڑائی گہرائی ہو۔ اسی کو طول عرض و عمق بھی کہتے ہیں) سے متعلق. جسم و جسمانیت سے تعلق رکھتی ہے۔ معتزلہ[۱] وہ ہیں جو کسی ایک طرف کے پورے نہیں یعنی وہ نہ تو روحانیوں ہی کے علم کے لحاظ کرتے عقل پر چلتے ہیں نہ حکمت اسلامیہ ہی کے لحاظ کرتے کتاب و سنت کے پابند و معتقد ہیں اس لئے انھیں "ادھر نہ اُدھر بیچ میں اٹکے" نام دیا گیا۔ انھوں نے جو کچھ رویت کے بارے میں کہا ہے اس کا بھی جواب حسب موقع دیا جائے گا۔ بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات میں رویت ہوئی۔ یعنی اس رات میں آپ نے اپنی آنکھوں سے خدائے تعالیٰ کو دیکھا اکثر فقہا جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو رویت نہیں ہوئی وہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی بناء پر ہے کہ مَنْ قال ان محمد قد رای ربہ لیلۃ المعراج فقد کذب علیٰ رسول اللہ (جس نے یہ کہا کہ محمد نے اپنے رب کو معراج کی رات میں دیکھا اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا کیا (جھوٹ کا طومار باندھا) بہتان باندھا) کہے اور سند لیتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ "ھل رأیت ربک لیلۃ المعراج قال لا (کیا آپ نے اپنے رب کو معراج کی رات دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں) یہی بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کی تو آپ نے ہاں فرمایا۔ دونوں باتوں میں توفیق (سمجھنے مطابق کرنے کی) یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن عورت تھیں اگر آپ ان سے "ہاں" کہدیتے تو وہ تشبہ و تجسم (ہم شکل ہم جسم ہونے کے) قضیہ میں جا پڑتیں۔ اسی لئے آپ نے مصلحتاً فرمایا کہ

---

[۱] معتزلہ کو مخانیث الحکماء کہتے ہیں۔ مخنث کی جمع مخانیث۔ اصل فارسی عبارت جس کا حضرت قدس اللہ سرہ نے ترجمہ کرتے ہیں (و ہم نا ہموار) فرمایا وہ یہ ہے :- "این معتزلہ کہ ایشان را مخانیث الحکماء گویند بجہت آنکہ نہ بعقل صرف پیروند و نہ بتقلید کتاب و سنت ہر آئینہ مخانیث باشند۔"

"نہیں"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بزرگ عمر کے اور عارف تھے۔ خدا کی ذات وصفات کو بخوبی جانتے اس کو پہچانتے تھے۔ اس لئے آپ نے ان سے "ہاں" فرمایا۔ کچھ لوگ شاید یہ کہیں کہ ان دو باتوں میں جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہرگز جھوٹ نہیں بلکہ جو کچھ فرمایا سچ فرمایا۔ ہر ایک کے عرفان کے مطابق اس سے کہا گیا۔ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے "نہیں" جو کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ رویت تو بھی (دیکھنا تو ہوا۔ دیکھتے ہیں تو آیا) لیکن ادراک یعنی اس کی یافت نہ ہوئی۔ جیسا کہ پانا تھا نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لا تدرکہ الابصار (نہیں پا سکتی اس کو آنکھیں) آیا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو "ہاں" فرمایا وہ اس لئے فرمایا کہ آپ عارف تھے وہم تشبیہ وتجسم میں پڑنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ادراک کو بخوبی جانتے تھے کہ وہی اپنا مدرک آپ ہے۔

لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ "مفسرین" یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جبرئیل کو دیکھا۔ "محققین" یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ان ہی محققین میں سے بعض فقرائے والہ (عاشق فقراء) ڈنکے کی چوٹ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دم بھر کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی رویت (دیدار دیکھنے) سے محروم نہیں۔ کتاب عوارف میں ہے کہ سالک کی آخرت دنیا۔ اور دنیا آخرت ہو جاتی ہے اس کا اول آخر۔ آخر اول ہو جاتا ہے۔ جب کسی کی دنیا آخرت ہو جائے تو جو کچھ آخرت میں اس کے ساتھ ہونے والا ہے وہی اس دنیا میں بھی ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔

تفسیر قشیری میں ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ (جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام کے لئے

وہ ہے اللہ کے نور پر آیا تو سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شرح الصدر المذکور فی القرآن ما ھو فقال علیہ السلام نور یقذف فی القلب فقیل وما امارت ذالک النور یا رسول اللہ قال التجافی عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ یعنی جب آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ وہ کیا ہے اس کا جواب آپ نے یہ جواب دیا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں روشن ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ نور کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ۔ غرور کے گھر سے نکل جانا (فریب دھوکہ کی جگہ سے باہر آنا) ہمیشہ کے گھر میں آجانا۔ موت کے آنے سے پہلے موت کی استعداد کا پیدا کر لینا ہے حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ النور الذی من قبل سبحانہٗ تعالیٰ نور اللوائح ببیان الفھو ثم نور الطوالع بزواید الیقین ثم نور المکاشفہ بتجلی الصفات ثم نور المشاھدۃ بظھور الصفات ثم انوار الصمدیۃ فعند ذالک لا قرب ولا بعد ولا فقد ولا وجد ولا فصل ولا وصل بل ھو اللہ الواحد القھار ۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ کا وہ نور نور لوائح ہے علوم کے روشن ہونے سے پھر نور لوامع ہے بیان فہم سے پھر نور طوالع ہے یقین کے زیادہ ہونے سے۔ پھر نور مکاشفہ ہے تجلیٔ صفات کے ساتھ پھر نور مشاہدہ ہے ظہور صفات کے ساتھ۔ پھر نور صمدیت ہے جہاں نہ نزدیکی ہے نہ دوری ۔ نہ گم ہونا ہے نہ پانا۔ نہ ملنا ہے نہ جدا ہونا۔ بلکہ وہی وہ۔ اللہ ــــ ایک ہی ایک ہے ضابطہ ہے۔

مسکین محمد حسینی تم کہاں پہنچ گئے۔ یہ وہ دریا ہے جس کی تہہ نہیں ملتی جس کا کوئی کنارہ دکھائی نہیں دیتا۔ بیکار کیوں ہاتھ پاؤں مار رہے ہو۔ تم کسی راستہ

جانے ہوئے کو ساتھ نہیں رکھتے۔ تمہارا کوئی محرم ہے اور نہ مونس کوئی ساتھی تم
جیسا کام کرنے والا تمہارے ساتھ نہیں۔ اقطع لسانك واكتف بيانك
اس لئے زبان روک لو۔ کہنا بس کرو۔ هيهات هيهات امرنی علی رسلك
تمہارے لئے صرف ڈھاریں مار کر رونا ہے اس کے سوا کچھ کر نہیں سکتے۔ بات
سمجھنے والے کام کرنے والے تحقیق کے طالب کہاں ہیں جن سے یہ باتیں کہی جائیں۔
بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمائے ہوئے کو جو سند بنائے ہوئے ہیں وہ اتنا
بھی نہیں جانتے کہ آپ کم سن تھیں چنانچہ جس وقت قد سمع الله قول
التي تجادلك في زوجها وتشتكي الى الله والله يسمع تحاورکما (سن لی اللہ
نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور
شکوہ کرتی ہے اللہ کے آگے اور اللہ سنتا ہے گفتگو تمہاری) کی آیت نازل ہوئی
تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرے اور اس عورت کے درمیان ایک پردہ تھا
میں نہ سن پائی۔ اللہ تعالیٰ نے سن لیا۔ اس سے میں سمجھ گئی کہ یہ ایک ایسی چیز
یقینی ہے کہ جس کو نہ تو ہم سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ ہی تعالیٰ
سنتا سمجھتا ہے۔ خوب جانتا ہے۔ ایسی کم سن بی بی سے آپ کیوں نہ فرمانے
کہ میں نے "نہیں دیکھا" اور کیسے فرماتے کہ "میں نے دیکھا"۔ حضرت رضی اللہ عنہا
کے کہے ہوئے پر لوگ ایمان لے آتے ہیں دلیلیں دیتے ہیں۔ ایک اور واقعہ سن لو۔
کہیں سے مال غنیمت آیا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو تقسیم فرما رہے
تھے اس میں ایک دامنی بھی تھی عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کی درخواست
کی یعنی آپ سے وہ مانگا۔ آپ نے اس کو تقسیم میں ڈال دیا۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو میرے ساتھ وہی
معاملہ کرتے جو انبیاء علیہم السلام نے اپنی عورتوں کے ساتھ کیا ہے' ابوبکر رضی اللہ عنہ

جو ان کے باپ تھے انھوں نے ایک طمانچہ انھیں مارا تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نہ مارو ۔ یہ کم عمر ہے ۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے یہ کیونکر اور کیسے کہتے کہ "میں نے دیکھا"۔

اے عزیز ۔ یہ کام (دیکھنا) جیسا کچھ ہے اس کو اس کام کے کرنے والے ہی جانتے ہیں ان کے سوائے دوسروں کو اس کی کچھ خبر نہیں ۔ وہ کچھ بھی نہیں جانتے ۔ معراج کے متعلق بعض یہ کہتے ہیں کہ جسمانی نہیں ہوئی ۔ خواب میں ہوئی ۔ ایسا کہنے والے معتزلہ ہیں یہ معتزلہ ہی کا قول ہے ۔ مثل مشہور ہے کہ کسی نے ایک سرخ پتھر پڑا ہوا پایا ۔ گمان کرلیا کہ یہ لعل بدخشاں ہے بڑی قدر و منزلت سے اس کو اٹھا لیا بغل میں داب کر جوہری کے پاس آیا ۔ اس سے کہا کہ میں نے ایک نادر چیز پائی ہے ۔ تنہائی کرا دو ۔ تخلیہ کرا دو تا کہ تم کو بتلادوں ۔ اس نے سب کو ہٹا دیا ۔ جب تخلیہ ہوگیا مقام خالی ہوگیا تو وہ شخص وہ سرخ پتھر نہایت احتیاط کے ساتھ نکال کر بڑے اعزاز و اکرام اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بتلادیا ۔ جوہری کو اس شخص کی سمجھ پر افسوس ہوا کہ اس نے پتھر کو لعل سمجھ لیا ۔ یہ رونے جلنے کے سوائے کسی کام کا نہیں ۔ اس نے یہ کہنے کے بجائے کہ یہ پتھر ہے یہ کہا کہ اس کو اس وقت تک محفوظ کر رکھتا ہوں کہ کوئی خریدار آجائے ۔ مناسب قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے ۔ اس کے سامنے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کو ایک صندوق میں رکھکر تالا لگا دیا لانے والے کی چٹھی اس پر لگا دی ۔ اچھی طرح سے مہر توڑا کر کے اس کو ایک تجوری میں رکھدیا اس کو اپنی صحبت میں رکھا ۔ آبگینوں ۔ جوہروں (جواہرات) کی پہچان سکھانی شروع کی ۔ رفتہ رفتہ جب وہ جوہر کا اچھا پرکھنے والا ہوگیا تو ۔ ایک دن جوہری نے اس سے کہا کہ بادشاہ کو ایک لعل کی ضرورت ہے ۔ آؤ وہ تمہارا لعل جو بہت حفاظت سے رکھا ہوا ہے نکال لیں ۔ قیمت ٹھہرائیں ۔ صندوق لایا گیا ۔

ہر توڑا دکھلا کر اس سے کہا کہ اپنی چھٹی کو پہچان لو کہ وہ اسی طرح ہے یا نہیں۔ اس نے دیکھ بھال کر تالا کھولا۔ وہ رکھا ہوا۔ پتھر جس کو جوہر سمجھتا تھا۔ ہاتھ میں لیکر دیکھا تو اس کو کسی قیمت کا نہ پایا۔ تو کہا کہ یہ پتھر ہے کسی قیمت کا نہیں۔ جوہری سے کہا کہ آپ نے اسی روز یہ کیوں نہ کہدیا کہ یہ پتھر ہے۔ مجھ کو سیدھا سادھا جواب نہ دے دیا۔ جوہری نے جواب دیا کہ مجھ کو تم پر شفقت آئی میں نے تم کو جوہر پہچاننے کا طریقہ سکھایا تاکہ تم خود پہچان سکو کہ یہ کیا ہے جب تک خود کسی چیز کو نہ جانیں وہ کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

اے عزیز۔ جو راز کا راز ہو۔ جس کو سراللہ کہتے ہیں ہر کوئی اس کا محرم (جاننے والا) نہیں ہوتا ہے

عشقبازی نہ کار ہر بشر است　　　عشق بازندہ۔ مرد پختہ تر است

(عشق کرنا ہر ایک کا کام نہیں　　　عشق کرنے والا۔ پکا تجربہ کار مرد ہوتا ہے)

شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بیابانی ایک مدت تک آب حیات کی طلب میں تھے۔ جب وہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں وہ آب حیات پیا۔ اتنا پیا کہ وہ رہے نہ خرقانی۔ تم کیا جانو کہ یہ کیسے ہوا۔ کیونکر ہوا۔ اس کی تمہیں خبر تک نہیں۔ تم اس کام کو کیا جانو

شہر کے بہت سے لوگوں نے مجھ سے کتاب عوارف پڑھانے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ عالم جس کی طرف شیخ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ تمہارے مشاہدہ میں آجائے تو اس کو جانوگے اور وہ امور جن کا مشاہدہ تمہیں ہاتھ نہ آیا اس میں تم لوگ تقلید سے کام لیتے ہو۔ اس سے بالکل بیگانے ہو۔ تم سے وہ اسرار کیسے اور کیونکر کہے جا سکتے ہیں اور کن الفاظ میں بیان ہو سکتے ہیں

ہزاراں ستائش ہزاراں سپاس　　　کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

(خدا کی لاکھ لاکھ تعریف اور ہزار ہا شکر کہ اس نے جوہر کو جوہر پرکھنے والے کے حوالہ کیا)
ایک مسئلہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ انبیاء رسل علیہ السلام ملائکہ مقرب
(بڑے فرشتوں سے) زیادہ فضیلت والے ہیں۔ فرشتوں پر ان کی فوقیت
حاصل ہے معتزلہ اور مولانا فخرالدین رازی اس کے برعکس کہتے ہیں ہر گروہ اپنی
اپنی دلیل پر ہے۔ اگر یہاں اس کے متعلق کچھ لکھوں۔ ایک کو ثابت دوسرے کو
ناثابت قرار دوں تو یہ رسالہ رسالہ نہ رہے گا۔ بلکہ ضخیم کتاب ہو جائے گی۔ اور اس
سے کوئی فائدہ بھی نہیں نظر آتا۔ ایک مختصر سی بات سُن لو۔ فاضل بشر عام فرشتوں
سے افضل ہیں۔ روایت کرتے ہیں کہ صہیب۔ سلمان۔ ہلال۔ بلال رضی اللہ عنہم
راتوں میں ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جو صحابہ میں افضل ہیں) کے دروازوں
پر آتے اور کھٹکھٹا کر یہ کہتے کہ آؤ تاکہ تھوڑی دیر ایمان لے آئیں۔ یہ بات انھیں
(یعنی ابوبکر و عمرؓ کو) ناگوار ہوتی۔ شاق گذرتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
پاس آکر عرض کرتے کہ یا رسول اللہ کیا ہم مومن نہیں ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جواب میں فرماتے انتم المومنین برب الکعبۃ (کعبہ کے پروردگار کی قسم
کہ تم مومن ہو) تو وہ عرض کرتے کہ پھر یہ کیا بات ہے کہ وہ ہمارے دروازوں پر آکر
ایمان لانے کے لئے کہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ان کی مراد
ایمان سے اور ہی ایمان ہے۔ وہ کیا ایمان ہے کیسا ایمان ہے کیا معنی رکھتا
ہے کچھ نہ فرمایا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے مراتب و درجات ہوتے
ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ما فضل ابی بکر بکثرۃ
الصلوٰۃ والصوم ولکن شیٔ وقرنی قلبہ (ابوبکر میں نماز روزہ کی بہتات
اور کثرت سے کرنے سے بزرگی نہیں آئی بلکہ ایک چیز ہے جو قرار دی قریب کر دی
مجھ کو ان کے دل سے)۔ حارث رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے دریافت فرمایا کہ اے حارث تم نے کس طرح صبح کی تو انھوں نے جواب دیا کہ
میں نے سچے مومن کی طرح صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ لو کہ
تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اے حارث تمہارے ایمان
کی کیا حقیقت ہے۔ تو انھوں نے عرض کیا کہ راتوں میں جاگا۔ دن میں روزہ رکھا
اب میں اپنے پروردگار کے تخت کو دیکھ رہا ہوں اس کے جواب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت خوب۔ اسی پر ثابت رہو اسی کو لازم کرلو۔ تم نے
یہ بہت بہتر کام کیا۔ اسی کو کرتے رہو۔ اس سوال و جواب کے متعلق ہر مشائخ نے
کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسکین حارث رضی اللہ عنہ کی
نظر عرش سے آگے نہ گئی۔ شیخ روزبہان شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اے حارث
رضی اللہ عنہ سلوک میں ثابت قدم رہ اسی سلوک پر رہ اسی کو لازم کرلے تا آنکہ
تو اپنے مقصود کو پہونچ جائے۔ محمد یوسف حسینی کا کہنا یہ ہے کہ حارث رض نے
ادب ملحوظ رکھا۔ "دیکھ رہا ہوں اپنے رب کو" نہ کہا لیکن ان کی مراد یہی تھی۔
لوگوں کی رسم و عادت یہی ہے اور وہ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ تخت کے سامنے
ایسا ہوا۔ یہ نہیں کہتے کہ بادشاہ کے سامنے ایسا ہوا لیکن ان کی مراد بادشاہ
ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں۔ سواری آگئی ماہی مراتب آگئے
اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بادشاہ آگیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ بہتری کو پہنچ گئے۔ تم نے ادب رکھا۔ یوں ہی دیکھا کرو۔ ادب رکھا کرو
اسی پر رہو۔ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرو۔ شیخ ابوبکر کلابادی بہت مبالغہ کے ساتھ
رویت کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نہ تو ظاہر سے رویت ہوتی ہے
نہ باطن سے۔ یعنی نہ آنکھ سے نہ دل سے۔ محمد حسینی کہتا ہے کہ میں نے اس گروہ
کو دیکھا ہے۔ جو ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے دیکھنے سے محروم نہ تھے

لاحول ولا قوۃ۔ میں کہاں جا پہنچا ؎

سخن کوتاہ کن گیسو درازا | چو میدانی کہ محرم در جہاں نیست

(اے گیسو دراز گفتگو مختصر کر دے | جب تم یہ جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی رازدار نہیں)

ایک مسئلہ۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی کرامت کا بھی ہے مسلمہ ہے کہ اولیاء اللہ کے کرامات حق ہیں۔ ظاہر ہوئے ہیں، ہوتے ہیں، ہوتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ کرامت سے مراد عام طریقہ کے خلاف کچھ صادر ہونا ہے محال کا ثابت کرنا نہیں ہے، مثلاً عام عادت یہ ہے کہ گرمیوں کا میوہ گرمی میں آتا ہے۔ سردی کا سردی میں طریقہ جاریہ کا توڑنا جس کو خارق عادت کہتے ہیں وہ یہ کہ گرمیوں کا میوہ سردی میں سردی کا میوہ گرمی میں آجائے۔ پانی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر وزن دار چیز کو ڈبو دیتا ہے۔ خارق عادت یہ ہے کہ پانی پر پاؤں رکھکر اس پر سے اس طرح گذر جائیں جیسے کہ زمین یا پتھر پر سے گذر جاتے ہیں۔ ہوا میں اڑنا پرندوں کے لئے مخصوص ہے۔ انسان جب پرند کی طرح اڑے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ کھڑا ہوا اڑتا ہے یا اسی طرح جاتا ہے جیسے کہ کبوتر اڑتے ہیں بعض تو چند روز چند مہینے سیر میں ہوتے ہیں۔ اور اڑتے رہتے ہیں۔ ایک وہ ہوتا ہے جو تھوڑی دیر میں پوری زمین کی سیر کر لیتا ہے۔ چکر کاٹ لیتا ہے، ایک قاری (حافظ قرآن) ایسا بھی ہوتا ہے جو ایک دن، ایک رات یا آدھی رات ہی میں قرآن ختم کر لیتا ہے۔ سارا قرآن پڑھ جاتا ہے۔ کرامت یہ ہے کہ ایک دن میں کئی قرآن ختم کریں جس کو طے حروف کہتے ہیں۔ ایک وہ ہوتا ہے جو غیب کی باتوں کی خبر دیتا ہے۔ ایسا ہوگا۔ ویسا ہوگا۔ یہ ہوگا وہ نہ ہوگا شیر پھاڑنے والا اور سانپ ڈسنے والا ایک ایسا بھی ہوتا ہے جس کو نہ تو شیر پھاڑ سکتا ہے نہ سانپ ڈس سکتا ہے ایسی چیزیں ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ہوئی ہیں جن کا مذکور سلوک کی کتابوں میں موجود ہے

میرے خواجہ قدس سرہٗ قاضی بالمی سے جو بڑے بزرگ خدمت شیخ کے مرید تھے فرمایا کہ جیسے ہی تم آکر بیٹھے خضر علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک مرید سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ پابندی کے ساتھ صلوٰۃ الخضر پڑھتا رہتا ہے اس کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ انھوں نے چار روز صلوٰۃ الخضر پڑھی خضر علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ کرامت اولیاء کی حکایات کیا بیان کروں۔ بہت ہیں۔ یہ رسالہ اس قابل ہی نہیں۔ ابدال، اوتاد۔ سیر و طیر میں ہوتے۔ سیر و طیر کیا کرتے ہیں۔ کرامتیں رکھتے ہیں دکھایا کرتے ہیں۔ میں ان کو دیکھ چکا ہوں دیکھو ہرگز اولیاء کی کرامت کا انکار نہ کرو۔ اولیاء اللہ کی کرامت سے انکار کرنا باری تعالیٰ سبحانہ کی قدرت سے انکار کرنے کے برابر ہے۔

ایک اہم بات وہ ہے جس میں صوفیاء کا آپس میں اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ کیا ولی یہ جانتا ہے کہ میں ولی ہوں۔ بعض یہ کہتے ہیں ایک وہ بھی ہوتا ہے جو یہ نہیں جانتا کہ وہ ولی ہے۔ اگر وہ جان لے تو شاید اس کے لئے عُجب (کبر) خود بینی و غرور کی وجہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے وہ مردود ہو جائے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ ولی ہے جو صالح۔ عبادت گذار اور بیہودہ خواہشات پریشان خیالی سے بالکلیہ باہر آگیا ہو۔ باایمان ہو۔ ایمان کے ساتھ ایمان پر چلتا ہو۔ کل قیامت میں اس کو اولیاء کا مرتبہ دیا جائے گا۔ بخلاف اس کے کہ وہ ولی جس کو ایک ولایت دی جاتی ہے اور اس ولایت کے کاروبار اس کے ہاتھ میں دے دئے جاتے ہیں وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ یہ جانے کہ میں ولی ہوں ــــ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کے نقش میں انا ولی اللہ (میں اللہ کا ولی ہوں) تھا۔ علی سجاد زین العابدین رضی اللہ عنہ بارہ اماموں میں سے ہیں

رضی اللہ عنہم جنھیں معصوم کہتے ہیں۔ روایت کرتے ہیں کہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ
مسافرت کرتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے اور چاہا کہ اس شہر میں داخل ہوں۔ انھوں
نے اس شہر کے دروازہ پر ایک دیوانہ کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ اشراق باطن (اندرونی روشنی)
سے پہچان گئے کہ اس شہر کی ولایت اس دیوانہ کے سپرد ہے ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ
نے اس دیوانہ سے کہا کہ خواجہ آپ کی اجازت سے آپ کی ولایت میں داخل ہونا
اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیوانہ نے فرمایا کہ بوسعید تم داخل ہوسکتے ہو لیکن ہماری
ولایت میں خیانت نہ کرنا۔ شہر میں گھومتے ہوئے ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا گذر ایک
بازار میں ہوا۔ دیکھا کہ ایک ظالم ایک مسکین پر ظلم کر رہا ہے۔ ابوسعید رحمۃ اللہ کا
دل چاہا کہ وہ ظلم جو مسکین پر ہو رہا تھا دفع ہو جائے۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو
یاد آیا کہ شرط یہ تھی کوئی تصرف یا خیانت نہ کروں تو ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ
اس دیوانے کے پاس معذرت چاہنے کے لئے آئے۔ جیسے ہی وہ دیوانہ ان
کو دیکھا کہنے لگا کہ ابوسعید جانتا ہوں کہ تم نے خیانت کی۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ
نے کہا کہ خواجہ معاف کرنے والا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں معاف کرنے والا
نہیں۔ صرف یہ کہو کہ تمہاری جان پر ضرب لگاؤں یا تمہارے ایمان پر۔ ابوسعیدؒ
کانپ گئے کہا کہ ایمان پر تو نہیں۔ جان کو تم جانو۔ تین دن کی مجھ کو مہلت دو
جواب دیا کہ ہم نے تین دن کی تم کو مہلت دی۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ تین دن
مراقبہ میں رہے۔ تیسرے دن کے بعد۔ اپنے آپ پر انّا للہ وانّا الیہ راجعون
(ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں) پڑھ دیا۔ اب تم کیا
کھو گئے۔ یہی کہ اپنے آپ کو جانتے تھے کہ وہ ولی ہیں۔ اگر مثالیں لکھنے لگ جاؤں
تو کئی جلد ختم ہو جائیں گے اور باتیں باقی رہ جائیں گے۔

معتزلہ اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان میں کا

کوئی ولی نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا
آپ ہی خالق (پیدا کرنے والا) ہے تم ہی سوچ لو کہ یہ شرک جلی ہے یا نہیں
اہل سُنت والجماعت رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال
کا پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ ان کی ذاتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہاں یہ سوال
پیدا ہوتا ہے کہ بندوں کے کام۔ ان کے کرنے کو اس نے خود پیدا کیا جب خود
پیدا کیا تو پھر ثواب و عذاب کیوں کرتا ہے۔ اس کا جواب محققین یہ دیتے ہیں کہ
جس کو دوزخ کے لئے پیدا کیا اسی کے مظہر ہیں دوزخ والوں کے افعال پیدا کیا اسیطرح جس کو
جنت کے لئے پیدا کیا اس کے مظہر ہیں جنت والوں کے افعال پیدا کیا ہم ایک بات لکھتے ہیں اگر تم غور و فکر
کیساتھ سوچو گے تو یہ مشکل حل ہو جائیں گی مصابیح میں لکھا ہے کہ موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ نے آدم علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے کہا کہ آپ نے گیہوں کا ایک دانہ کھا کر سب کو جنت سے باہر
کر دیا۔ اس کا جواب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دیا کہ تم توریت پڑھ
چکے ہو جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مجھ کو پیدا کرنے سے کتنے سال پہلے اس نے
یہ لکھدیا تھا کہ قصور وار ہوا آدم اور اپنے رب سے بہک گیا تو موسیٰ علیہ السلام
نے جواب دیا کہ چار ہزار سال پہلے یہ لکھدیا تھا۔ اس کے جواب میں آدم علیہ السلام
نے کہا۔ تم مجھ کو ایسے کام کے کرنے پر ملامت کر رہے ہو۔ جو میرے پیدا ہونے کے
چار ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے تقدیر کر دیا تھا۔ کیا مجھ سے ہو سکتا تھا جو تقدیر
اس نے کی تھی اس کے سوائے اور کچھ کرتا۔ اس طرح آدم علیہ السلام نے
موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا اور غالب آ گئے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا افنتبرع بالعمل نتکل علی ما قدر دنہا فقال
لا وکل میسر لما خلق لہ فقراء وما من اعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ
(نوافل کے کرنے میں لگ جاؤ اور بھروسہ کر اس پر جو تقدیر میں ہے تو کہا نہیں۔

جس کام کے لئے جو کوئی بنایا جاتا ہے وہ کام اسی کے ہاتھ آتا ہے اور یہ آیت پڑھی وَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۔ جو دیا۔ پرہیزگاری کیا اور سچا کیا نیکی کو یعنی سچ کر دکھایا نیکی) جو کچھ ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں اس سے یہ دونوں آیتیں ٹھیک و مطابق ہو جاتی ہیں۔ ایک نا سمجھ نے مجھ سے کہا کہ جب بات ایسی ہے تو۔ اچھے کام کرنے اور برے نہ کرنے کا حکم۔ اور سب باتیں بیکار ہوئیں۔ جب کہ سب کچھ پروردگار کی ٹھہرائی ہوئی سے ہوتا ہے تو پھر بات کیا رہی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ هل یرد الدواء للقضاء فقال لا ذالك من تقدیر الله (کیا دوا قضا کو لوٹا دیتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ یہ اللہ کے مقدر کئے ہوئے میں سے ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت (جس بیماری میں موت ہوئی) سے پہلے وحی سے معلوم کر چکے تھے کہ آپ آخر عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے آخری حج میں فرمایا کہ مجھ سے حج کے ارکان سیکھ لو۔ شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر پاؤں۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اثنائے نصیحت میں آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ موت نزدیک آ گئی ہے۔ یہ کہا اور روئے رُلائے۔ آپ بھی روئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی روئے۔ عرض کرنے لگے کہ اگر اتفاق تقدیر یہ ہو جائے تو آپ کو کون غسل دے۔ فرمایا وہ جو تم میں افضل ہو۔ مجھ سے قریب تر ہو۔

عرض کی کہ وہ کون ہے۔ فرمایا علی۔ اس طرح کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ بھی روایت آئی ہے کہ عزرائیل آئے۔ اور عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنا کام شروع کروں۔ فرمایا ٹھہر جاؤ جبرئیل کو آنے دو۔ جبرئیل آئے آپ نے ان سے کہا کہ عزرائیل آئے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر تم کہو تو میں اپنا کام شروع کروں یہ سننے کے بعد جبرئیل نے کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کا بیحد مشتاق ہے۔ آپ

اُس رفیق کو اس کی رفاقت کو اختیا کرلیں چنانچہ اس کے بعد ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الرفیق الاعلیٰ والحبیب الاولیٰ (اعلیٰ ساتھی بہترین محبوب) فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو یہ کہتے سنا تو سمجھ گئی کہ آپ چلنے پر تیار و آمادہ ہو گئے۔ وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے۔ دوا چولھے پر جوش کھا رہی تھی۔ آپ کو یقین تھا کہ اس بیماری میں آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے لیکن اس کے باوجود دوا کی دیگچی جوش کھا رہی تھی۔ آپ نے تدبیر و معالجہ ظاہری ترک نہ کیا دوا دوری نہ چھوڑا۔ اس لئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ جو کچھ حکمت ہے اس کو ترک کیا جائے کہ ایسا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت نہیں۔ ان کا طریق کار نہیں۔

یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ اس کلام سے تمہیں یہ معلوم ہوگا۔ یہ ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور ان کی ذاتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ کرنے کا حکم نہ کرنے کی منع بیکار نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا نہیں دیکھتا انسان کہ ہم نے اس کو ایک قطرہ سے پیدا کیا اس کے باوجود وہ کھلا جھگڑالو دشمن ہے۔ عجیب کام ہے۔ عجیب بات ہے کہ خود پیدا کیا خود اس کو جھگڑالو۔ دشمن قرار دے کر اس سے کہتا سنتا ہے۔

اے عزیز یہ انتہائی نازک مسئلہ اور قابل غور بات ہے۔ ہماری تمہاری سمجھ یہاں تک پہنچ نہیں سکتی پہنچ جائے تو کیا کہنا ؎

سبحان خالقیکہ صفاتش ز کبریا — درخاک عجز میفگند عقل انبیاء

(پاک پیدا کرنے والا اس کی کبریائی کے صفات سے انبیاء علیہم السلام کی عقلوں کو انتہائی عجز میں ڈالتی ہے)

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات — فکرت کنند در صفت عزت خدا

(اگر لاکھوں سال ساری مخلوق — تیری صفت و عزت میں اے خدا فکر کرے)

آخر بعجز معترف آیند ائے الہ   دانستہ شد کہ ہیچ نادانستہ ایم ما
(آخر ش عاجز آکر مان لیں گے کہ اے اللہ   ہم یہ سمجھ گئے کہ ہم نے جو کچھ سمجھا وہ کچھ بھی نہ سمجھا)

کئی سال سے ہم یہ شعر پڑھا کرتے ہیں ؎

عجیب نیست کہ سرگشتہ شود طالب دوست   عجب اینست کہ من واصل و سرگردانم
(یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دوست کا طالب پریشان ہے تعجب تو یہ ہے کہ میں ملا ہوا پریشان ہوں)

تم کلام اللہ، احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پڑھ چکے ہو۔ مفسرین سے متشابہات کے متعلق سُن چکے ہو کہ ان کے معنی۔ اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا خدا اور اس کے رسول میں یہ ایک راز ہے۔ علمائے ظاہریہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جو متشابہات ہیں وہ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھلیں گے۔ یہ صحیح نہیں یہ حقیقت نہیں۔ آپ پر سب کھلے ہوئے تھے۔ ذات اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ذات اقدس ہیں میں اس کو بیان کر سکتا ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ پروردگار کے راز کا کھولنا کفر ہے۔ اس سے مطلع ہونے کے۔ اس کا کھل کر بیان کر دینا کفر ہو جاتا ہے۔ اس لئے منع کیا گیا۔ روایت کرتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام آئیں گے۔ متشابہات کو صورت شرع میں بیان کریں گے۔ یہ بھی روایت آئی ہے کہ ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھ لو۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھا۔ علی رضی اللہ عنہ نہ آئے نہ چہرہ دیکھا۔ دوسرے روز علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان آپ کی اجازت کے منتظر رہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ علی کہہ رہے ہیں وہی سب کرو۔ دوسرے دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا

کہ کل رات میں بارگاہ حضرت میں تھا۔ صورت قدسی کی مجھ پر تجلی ہوئی۔ مجھ کو بغل میں داب لے کر خوب بھینچی۔ میں نے ایسی ٹھنڈک۔ ایسی لذت پائی کہ تحریر وتقریر میں نہیں آسکتی۔ جب میں اپنے میں آیا تو میں نے اپنی امت کے لئے درخواست کی کہ یہ بھی میرے امتیوں کے نصیب وحصہ میں آجائے تو بڑی سرفرازی ہوگی۔ فرمان ہوا کہ اتنے ہزار پیغمبر ہوئے ان سب میں سے ہم نے تمہیں یہ نصیب کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ میری عادت یہی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا جاتا ہے وہ میں اپنی امت کے لئے مانگا کرتا ہوں۔ یہی چاہتا رہتا ہوں۔ اے ابوبکر میں تم کو لے گیا۔ جواب ملا کہ میں نے ان کے نصیب میں یہ نہیں رکھا۔ پھر میں عمر، عثمان، علی کو لے گیا۔ علی کی نسبت فرمان ہوا کہ ہم ان کو ہی چاہتے تھے۔ پھر وہ صورت تجلی کی وہ اس پہلی صورت سے زیبا تر۔ لطیف تر۔ پاکیزہ تر تھی۔ علی کو بغل میں داب لی اور خوب بھینچی۔ علی اپنے آپ سے جاتے رہے۔ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر اس نے اپنی قدرت سے ان کو ان میں لوٹایا۔ میں اور علی یکجا ہو گئے۔ ہم نے امتیوں کے لئے درخواست کی تو جواب آیا کہ جو نعمت خاص طور سے ہم تم کو دیتے ہیں وہ تم امتیوں کے لئے چاہتے ہو۔ عام کر دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا الہٰی تیرے فضل ورحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ تو پروردگار مسکرا دیا اور فرمایا کہ جو کوئی کل پرسوں نماز فجر کے بعد تمہارا منہ دیکھے گا وہ اس سے نصیبہ پائے گا۔ میں نبی تھا۔ پہلے دن میں نے چہرہ دکھلایا۔ علی میرے متبع تھے وہ میرے بعد آئے ؎

تو او نشوی ولیکن او جہد کنی جائے برسی کز توی برخیزد

(تو وہ نہیں ہوتا لیکن اگر کوشش کرے تو ایسی جگہ (ایسے مرتبہ) میں پہنچ جائیگا کہ تجھ سے تیرا تو پن اٹھ جائے)۔

اس حکایت کو میں نے مجمع الابدال میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ روایت کی جاتی ہے کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ پر حملہ کی تیاری کر چکے تھے۔ حاطم بلیع رضی اللہ عنہ نے اہلِ مکہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تم پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خط ایک عورت کے حوالے کر کے اس سے کہا کہ جلد جا اور مکہ میں یہ میرا خط پہنچا دے۔ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی آپ نے ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کو اس کے پیچھے دوڑایا۔ انھوں نے جاکر اس عورت کی تلاشی لی وہ خط انھیں نہیں ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ آپ نے اس عورت کو جھڑکا تھوڑا کیا اور کہا کہ خدا اور رسول جھوٹ نہیں کہتے۔ اے عورت۔ خدا کی قسم وہ کاغذ دیدے ورنہ تو اپنے کیے کو پہنچ جائے گی تو اس عورت نے اپنے جوڑے میں سے وہ کاغذ نکال کر دے دیا۔ وہ کاغذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو عمرؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھ کو اجازت دے دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مرد جنگِ بدر لڑ چکا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے فرمایا کہ" اہلِ بدر سے مطلع ہوگیا۔ اور کہا کہ تم جو چاہو کرو۔" اللہ تم کو بخش دیا۔" اے عمر خدائے تعالیٰ اہلِ بدر پر فضل و رحمت کے ساتھ پیش آیا اور عام معافی دے دی کہ تم جو چاہو کرو۔

ایک شخص شیخ الاسلام خواجہ شیخ نظام الدین محمد احمد بدوانی قدس سرہٗ کے پاس حاضر ہو کر رونے لگا آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے عرض کی کہ میرا باپ تھا۔ پریشان حال تھا۔ وہ مر گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا شیخ نے پوچھا کہ وہ کبھی ہمارے پاس آیا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا اس نے ہم کو دیکھا تھا۔ کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ کبھی غیاث پور آیا تھا۔ عرض کیا ہاں ایک دفعہ اپنے کام کے لئے آیا تھا۔ شیخ نے فرمایا رنجیدہ نہو۔ اس

کے لئے یہ بہت کافی ہے۔

ہمارے خواجہ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی) قدس سرہٗ کی خالہ ہمارے بندگی خواجہ کے سامنے رونے لگیں خواجہ نے رونے کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ دوزخ کی آگ سے ڈرتی ہوں۔ خواجہ نے فرمایا کہ جو کوئی اس ضعیف کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس کو قیامت میں دوزخ کی آگ سے نجات ہے۔

اے عزیز۔ ایسی باتیں اور اسی طرح کے اقوال جو مجھ کو اولیاء اللہ سے تحقیق کے ساتھ پہنچے ہیں لکھوں تو کئی جلد ہو جائیں گے۔ اللہ کے کرم، اللہ کے کام کے لئے کسی بات پر انحصار نہیں۔ تجھ کو چاہیئے کہ تو لگا تار کوشش کرتا رہ۔ اس سے باز نہ رہ عقیدہ پکا رکھ کہ اگر نیک ہوں تو ان میں شمار کریں گے۔ اگر بد ہوں تو ان کے لئے بخش دیں گے سمجھ لے۔[1] یقین کے ساتھ جان لو کہ متشابہات اس گروہ پر مکشوف ہو چکے ہیں۔ کھل چکے ہیں۔ چونکہ ان کو کھولنے۔ کھل کر کہنے کا انھیں حکم نہیں اس لئے کسی نے اس کو نہ کھولا جس نے یہ راز ظاہر کر دیا جیسے منصور حلاج، قاضی عین القضاۃ رحمہم اللہ۔ انھیں مار ڈالا گیا۔ جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات الیٰ آخرہ اس آیت کی شرح مفصل ترجمہ کروں تو زیادتی ہو جائیگی۔ مفسرینؒ اس آیت کی شرح نما تفسیر مفصل تو بیان کیا ہاں ''لوگ جن کے بارے میں حق سے باطل کی طرف پھر جانے کی وعید آئی۔ وہ قوم ہے جو اللہ کے راز اس کے بھیدوں سے مطلع نہیں۔ اپنے دل میں جو آیا کہہ گئے۔ چنانچہ فتنہ پھیلانا۔ ہیر پھیر کے ساتھ معنی نکالنا بھی یہی بات ہے۔'' اللہ کے سوائے کوئی اس کی تاویل نہیں جانتا'' ما یعلم تاویلہ الا اللہ'' پر وقف کہتے ہیں۔ اور'' جو پکے ہیں علم میں'' (والراسخون فی العلم) کو علیٰحدہ جملہ تصور کرتے ہیں اس واو کو واو عطف نہیں کہتے۔ لیکن محققین یہ کہتے ہیں کہ ''نہیں جانتا اللہ کے سوائے کوئی

---

[1] اگر میں نیک ہوں تو میرا شمار نیکوں میں ہوگا اور اگر برا ہوں تو ان نیکوں کے طفیل میں بخش دیا جاؤں گا۔ (ناشر)

اس کی تاویل اور وہ جو پکے ہیں علم میں" پورا جملہ ہے واو عطف کی ہے۔ یقولون آمنا کل من عند ربنا (کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ سب کچھ اللہ کے پاس سے ہے۔) انھیں یہ معنی مجاہدہ سے ہاتھ آئے ہیں۔ بعضوں نے یہ کہا کہ پکا وہ ہے جس پر مراد کا محل و موقعہ کھل گیا اور گفتگو اس بارہ میں آگئی ہو۔ یعنے خداوند تعالیٰ سبحانہ انھیں ان کی مراد طرز بیان کا منشا، حال کی اطلاع نصیب کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ حضرات والراسخون کو عطف کہتے ہیں واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پکے وہ ہیں جو پکے ہو گئے ہیں۔ اپنی ارواح کے ساتھ غیب کے غیب میں راز کے راز میں۔ جانا اس کو اپنے عرفان سے غوطہ لگا یا علم کے سمندر میں زیادہ کی طلب کی سمجھ کے ساتھ پس کھلا ان پر ہر گروہ کا مرتبہ جو گروہ کے تحت میں ہے۔ ہر گروہ کا ایک کلام ہے ہوتا ہے جو عجیب سے زیادہ عجیب ہو اکرتا ہے گفتگو مخاطبت کی ندرت جو کہی گئی وہ اس لئے کہ انھوں نے حروف کے طبائع و خواص و حقائق بیان کئے ہیں اگر اس کو اس رسالہ میں لکھوں تو لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے جو علم آیا ہے اس کو "جفر جافیہ" کہتے ہیں اور ابو ولید سینا سے جو آیا ہے اس کو علم جفر کہتے ہیں اس سے آگے جو کچھ ہے وہ اسرار کے کھولنے کی قسم کی گفتگو ہے۔ اس لئے زبان روک لے بزرگوں کو مان لے۔ یہ مثالیں نہایت مناسب ہیں حکمت کے ساتھ گفتگو کرو کہ عالم احدیت (عالم یکتائی) میں جن کی روحیں اڑتی سیر کرتی رہتی ہیں وہ جو کچھ بھی یکتائی کی تصویر و سایہ سے اطلاع پاتے ہیں اس کو غیب الغیب کہتے ہیں۔ راز کا راز نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب الغیب ہے اس کے خطاب سے اطلاع پانا اطلاع غیب ہے۔ اس کا حکم بھی غیب الغیب ہی سے ہے۔ راز کا راز ہے ان سب کو اسی دائرہ کے

نقطہ میں لے آ۔ دائرہ میں بند کر دے۔ اللہ تعالیٰ جان گیا ان کو اور جانتا ہے ان کو۔ خدائے تعالیٰ نے انھیں پہچان لیا۔ خود ہی ان کو شناسا کیا انھیں اس کی سمجھ دی۔ نادر اور کمیاب لاجواب سمجھ انبیاء و مرسل علیہم السلام اولیاء خاص رحمہم اللہ علیہم کو اس نے عطا کی۔ ان کے سوائے کسی کو یہ سمجھ نہ دی۔ اس کے کلام کو اچھی طرح سمجھنے کی نعمت سے سرفراز کیا تو وہ اس دولت کو جس کی انتہا نہیں آسانی سے پہنچ گئے یہ علم کے دریا میں غوطے لگا چکے ہیں ہر قسم کے موتی جواہر پارے اس دریا کی تہہ سے باہر لے آئے ہیں۔ ان کا کلام حکمت ہی حکمت اور مراد کا پھل و نتیجہ ہے۔ اے عزیز آدمی کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ایک مدت تک طلب۔ مجاہدہ (خواہش و کوشش) کیساتھ ساتھ عبادت میں محنت اٹھاتا رہے۔ تو ممکن ہے کہ اس فہم سے نصیبہ پائے۔ اس لئے اے عزیز۔ طلب، مجاہدہ، ریاضت، عبادت اختیار کر لے تاکہ تجھ کو بھی اس علم سے حصہ و نصیبہ مل جائے۔ اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

تمت الرسالہ

(ختم ہوا رسالہ)

ترجمہ

یازدہ رسائل

رسالۂ چہارم

حدائق الانس

تصنیف

حضرت قدوۃ الواصلین الکاملین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

حضرت مولانا قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا حدیقہ

النہایت رجوع الی البدایت

(انتہا ابتدا کی طرف لوٹ آتی ہے)

اس قول کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ ہونے کی گنجائش بھی ہے۔ ایک وہ معنی جو کتاب عوارف (مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز) میں لکھی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ "جو انتہا کو پہنچ جاتا ہے اس کا کام (فریضہ) یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ابتدائے سلوک میں کیا تھا اسی میں آجائے وہی کرنے لگ جائے"۔ مطلب یہ کہ جو کچھ۔ عبادت (بندگی) ریاضت (محنت نماز ذکر شغل) مجاہدہ (نفس کے خلاف کرنا۔ بلند ارادہ سے کام کرنا) تخلیہ (خالی کرنا۔ تنہائی اختیار کرنا) تملیہ (بھرنا معمور کرنا۔ دودم کے درمیان نظر رکھنا) تجلیہ (جلا دینا۔ چمکانا) شغل (دل کا ذکر۔ مشغلہ) مراقبہ (نگہبانی۔ گردن جھکا دینا) کیا کرتا تھا اسی میں رہا کرے اپنے خواجہ قدس سرہٗ سے میں نے یہی بات سنی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ قدس سرہٗ نے عوارف سے روایت فرمائی ہوگی۔ میرا گمان بھی یہی ہے۔ جس کی سند عوارف سے ملتی ہے۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہے اس کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقطۂ رجوع (مرکز پر لوٹ آنے کا طریقہ) ایسا ہی ہے۔ کیونکہ پھر سے رجوع ہونے کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلوک کے درمیانی زمانے میں ابتدائے زمانے کے جو کام چھوڑ دیا تھا جب انتہا کو پہنچا تو پھر اسی ابتدائی زمانے کے کام کی طرف

رجوع ہوگیا۔ ایک مطلب اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ ابتداء میں جو کچھ کیا کرتا تھا۔ ابتداء سے انتہا کو پہنچنے تک وہی کرتا رہا۔ کر رہا ہے اسی کا پابند رہ کر اسی کے ملازمت یعنی بجا آوری کرتے کرتے انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ توجیہ مناسب تو ہے لیکن رجوع کے معنی اس کا مطلب کیا ہوا۔ شاید یہ ہو کہ جب پہلے کام پر مستقیم مستدیم (مضبوطی کے ساتھ قائم ہمیشہ استوار) رہا تو یہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ رجوع ہو جانا۔ ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ پہلے جو کام کیا کرتا وہ اس کام کو اس لئے نہیں چھوڑ دیتا کہ اس کے سامنے ایک اور کام آگیا ہے۔ بلکہ اس میں ہوتے ہوئے بھی ابتداء سے جو کام کرتا آرہا ہے اس کو چھوڑ نہیں دیتا۔ اسی پر قائم برقرار استقامت کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ سمجھو کہ وہ ابتداء سے رجوع ہوگیا۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب سلوک شروع کیا تھا۔ ہوس۔ آرزو۔ خواہشیں جو کچھ اس کے نفس میں تھے۔ ان سب کو اس نے نکال باہر کیا تھا کیونکہ جو کوئی سلوک میں آجاتا ہے۔ اس کو لازماً ان سب کو نکال دینا۔ باہر کر دینا پڑتا ہے جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو از روئے ظاہر اس طرف لوٹ جاتا ہے۔ یہ کہنے سے مقصد یہ ہے کہ ابتدائے حال میں یعنی سلوک شروع کرنے سے پہلے جو مقصد سر (راز) اس کے سر میں تھا یا جو مقصد اس کے منشا میں اس کے اندر تھا۔ وہ جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو وہی پھر سر اٹھاتا ہے یہ ہو سکتا ہے سرداروں کے سر میں سروری ہو۔ اگر کسی میں ابتدائی زمانے میں عورتوں اور باندیوں کی ہوس ہو تو وہ آخر حال میں اسی طرف رجوع ہو جایا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس سال کے ہو جانے کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ جب تک خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں کوئی عورت یا باندی آپ کے پاس نہ تھی۔ جب عزت وقربت کی دولت کو پہنچ گئے تو آپ کے پاس نو بیبیاں تھیں۔ روایت کرتے ہیں کہ آپ ایک رات میں نو دفعہ ہر حرم کے ساتھ رہے۔ یعنی آپ کا حرم

کے ساتھ رہنا اکیاسی مرتبہ ہوا۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کے حق میں یہ فرمایا کہ "جو عورت بھی آپ کے نکاح میں خود کو بلا تعین مہر دیدے وہ آپ کے لئے روا و جائز ہے"۔ یہ صرف آپ ہی کے لئے ہے۔ یہ اسی کا ایک بیان ہے آپ ابتدائے حال میں یک سُو گوشہ نشین تھے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تو یہ اختیار دیدیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک صوفی ایسے ملک کا تھا کہ جس ملک کی نسبت۔ مال جمع کرنے محتاط رہنے کی شہرت تھی۔ یہی اس ملک کی خصوصیت بھی تھی۔ اس ملک کے ایک بزرگ کمال کی انتہا کو پہنچ گئے تو اُن کے نفس میں وہ احتیاط۔ امساک وطلب موجود پائے گئے انھوں نے اس قدر مال و دولت جمع کی کہ وہ لاکھوں سے بڑھ گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انتہا کو پہنچے ہوئے میں یہ خاصیت ہوتی ہے اس کی بازگشت (واپسی) یعنی رجوع اسی طرف ہوتی ہے۔ جس کی خواہش وطلب۔ سلوک شروع کرتے وقت اس میں تھی۔ اس بیان سے کوئی اس وہم و گمان میں نہ آجائے کہ وہ مواہب و موارد الہٰیات (اللہ کی عطاؤں۔ بخششوں۔ تجلیوں۔ فیوضات) سے رہ جاتا ہے۔ استغفر اللہ (پناہ چاہتا ہوں۔ طلبِ بخشش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے) ہرگز ہرگز یہ بات نہیں اللہ تعالیٰ ایسے وہم و گمان سے بچائے۔ ہمارے اس بیان کا خلاصہ و مطلب یہ ہے کہ ایسی خواہشیں اس کو دوری یا جدائی میں نہیں ڈال دیتیں۔ جس خواہش میں بھی وہ رہے۔ جو دُھن بھی اس کی ہو جس کسی میں بھی وہ مشغول رہے ان سب کے ہوتے ہوئے بھی وہ کشف و تجلی ہی میں رہتا ہے۔ یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ جب رات بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عورتوں کے ساتھ مشغول رہے تو خدا سے محجوب رہے۔ پردہ میں آگئے یا غافل ہوگئے قسم اللہ کی یہ بات نہیں۔ بلکہ اس کام میں اس حالت میں بھی تجلی و ظہور و مقصود اور عین عیان میں تھے۔ اگر کوئی مرد سالک عارف۔ سالک ہالک۔ کسی لذت

دینے والی یا خواہش کے بڑھانے والی چیز یا کام میں ہو تو وہ اس کی تجلی کو اس چیز یا کام میں بہت ہی کھلی اور بے انتہا ظاہر دیکھا کرتا ہے میں کیا جانوں کہ تم نے اس سے کیا سمجھا ۔ اس مرتبہ میں آجاؤ گے تو خود بخود اس کو جان لوگے۔ اسی قیاس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ آپ خیر الناس (سب انسانوں میں بہترین) ہیں۔ عارفوں کے لئے "آپ کا ذکر" طلب خیر و سلامتی ہے۔" افرائت من اتخذ الٰہ ھواہ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیاہے) ہم جس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں ہماری گفتگو کا جو موضوع ہے اس میں۔ اس حالت میں رہنے والوں کی کم سے کم حالت مَارَائتَ شَیْئًا اِلَّا وَرَائیتَ اللّٰہ فیہ (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ اس میں) مارائت شیئًا (نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز) سالبہ کلی (وہ جملہ ہے جس میں کل کی نفی) ہے۔ الا ورایت اللہ فیہ (مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس میں) موجبہ کلی (وہ جملہ ہے جس میں کل کا اثبات ہے۔) ایک معنی اس قول کے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کے وجود کی ابتدا اس کی پہلی ولادت (پہلا پیدا ہونا) ہے۔ جب تک کوئی بالغ نہیں ہوتا وہ شرع کے احکام کا مکلف نہیں ہوتا۔ اس پر شرع کی تکلیف نہیں اس پر احکام شرع جاری نہیں ہوتے وہ مرفوع القلم (مستثنیٰ ہے۔ کسی حکم کا تابع نہیں معافی میں) ہے اسی طرح جب سالک احوال و مقامات کی انتہا کو پہنچتا ہے تو وہ بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس سے تکالیف (پابندیاں) اٹھ جاتی ہیں۔ جیسا کہ وہ ابتدائی حال میں تھا ظاہراً پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں منقطعت عنہ کلفت التکالیف (اس سے اوامر و نواہی کی بجا آوری اٹھ گئی) اس سے یہ بھی کہدیا جاتا ہے کہ اعمل ماشئت فانک معفو

(کرد جو تم چاہو کیونکہ تم بخشدئے گئے ہو) اس کا لحاظ کرتے ہوئے۔ اور مسئلہ شرع میں بھی اس معنی کرتے جب کہ وہ نہ رہا تو مکلف بھی نہ رہا وہ اس جیسا ہو جاتا ہے کہ جس سے تکالیف شرعی اٹھ گئے۔ یعنی "وہ غیر مکلف" ہو جاتا ہے' یہ بہت ہی نازک مسئلہ باریک بات ہے۔ ہر ایک کے بس کی نہیں۔ ہر ایک کے ساتھ یہ بات نہیں ہوتی نہ کیا کرتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ جھوٹے دعویدار۔ نفس کے کہے پر چلنے والے سے متعلق نہیں کہ یہ بیہودہ بکواس کرتے ہیں۔ جو جی میں آیا کہتے اور کرتے ہیں۔ اس حال و مقام سے وہ بے فیض ہی نہیں بلکہ محروم ہوتے ہوئے (یعنی محروم ہونے کے باوجود) ایسے حضرات کی برابری کرتے ہیں۔ جھوٹے ہیں' جھوٹ کہتے نفس کی پھیریاں ہیں۔ نعوذ باللہ من شرھم (پناہ چاہتا ہوں پناہ میں آتا ہوں اللہ کی ان کے شر یعنی برائی بدی کرنے اور پہنچانے سے) چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو ایسا دعوے کرے اس پر عمل کرے۔ ایسے کا مار ڈالنا سو کافروں کے مار ڈالنے سے بہت بہتر ہے۔ یہ وہ ہے جس کو اپنے نفس یا اپنے مال کا امین (امانت سے رکھنے والا۔ نگہبان) نہیں بنایا جا سکتا۔ ایک اور معنی یہ بھی ہیں کہ مبدا، معاد (ابتدا انتہا) اس کے لئے ایک ہو جاتا ہے جب وہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو جو کچھ اپنے آپ میں دیکھا کرتا تھا وہ مشاہدہ میں دیکھنے لگتا ہے۔

ایک معنی یہ کہ وہ اگرچہ کہ حال کے پہلے مرحلہ میں تھا۔ کام کے درمیانی زمانے میں سلوک کیا۔ تجلیات وکشوفات (دکھنا اور کھلنا) اس کے نقد وقت ہو گئے اس پر ہونے لگے وہ ایسا اور اس درجہ میں آگیا کہ اس کے لئے آگے جانے کا راستہ نہ رہا۔ انتہا کی انتہا کو پہنچ گیا۔ ایک ایسے دریا میں ٹھہر گیا کھڑا ہو گیا کہ جس کی تہہ ہے نہ کنارا۔ اپنے آپ کو ایسا عاجز متحیر درماندہ (تنگ آگیا ہوا۔ حیرت میں آیا ہوا۔ مجبور۔ مجبور آیا ہوا۔) پایا جیسے کہ وہ ابتدائی زمانے میں تھا۔ چنانچہ ایسے ہی کا یہ

کہتا ہے کہ ؎

ہرگز دل من ز علم محروم نشد　　کم ماند ز اسرار کہ مفہوم نشد
(میرا دل کبھی علم سے محروم نہ ہوا　　بہت کم راز رہ گئے جو سمجھ میں نہ آئے)
چو نیک نگہ کردم از روئے خرد　　معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد
(جب میں نے اچھی طرح عقل کے لحاظ سے دیکھا تو یہ مجھکو معلوم ہوا کہ کچھ بھی معلوم نہ ہوا)

عطار قدس سرہٗ نے بھی اس طرف بہترین اشارہ کیا ہے ؎

سبحان خالقیکہ صفاتش ز کبریا　　درخاک عجز می فگند عقل انبیا
(پاک پروردگار کے صفات کبریائی کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کی عقل انتہائی عاجز آگئی)
گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات　　فکرت کنند در صفت عزت خدا
(اگر لاکھوں برس ساری مخلوق دنیا کی　　اے اللہ تیری صفت میں فکر کرے)
آخر بعجز معترف آیند کائے الہ　　دانستہ شد کہ ہیچ ندانستہ ایم ما
(انتہا میں یہ مان چکے کہ اے اللہ　　ہم سمجھ گئے کہ ہم نے نہ کچھ سمجھا نہ جانا)

ہمارے خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ رب (پروردگار) کو جانتے ہیں لیکن ربوبیت (پروردگاری) کو پہچاننے تک نہیں یہ قول بعید الغور و قعیر الفہم یعنی یہ مقام بڑی گہرائی کے ساتھ سوچنے سمجھنے نہایت غور و خوض نزاکت و باریکی کے ساتھ اپنی فکر وسمجھ کے دڑانے کا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ سالک سلوک میں آجاتا ہے ہر نفس وہر دم (ہر سانس ہر لمحہ) میں یہ جانتا ہے کہ ایک عالم سے (ایک مرتبہ وحال سے) دوسرے عالم میں ایک جہان (کیفیت) سے دوسرے جہان (حالت) میں جارہا ہوں۔ جب اس کا کام انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو خود کو وہیں پاتا ہے۔ جہاں کہ وہ ابتدائی کام میں تھا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ کولھو کا بیل۔ وہ چلتا رہتا ہے۔ سونچتا جاتا ہے کہ اتنے میل چلا ہوں گا۔ جب اس کی اندھیری (آنکھوں

پر کی پٹی) کھول جاتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسی جگہ ہے جہاں کہ وہ تھا وہیں اپنے آپ کو کھڑا ہوا پاتا ہے۔

ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک وہ ہوتا ہے جس پر تجلیات پے در پے (ایک کے بعد ایک مسلسل) ہوتی رہتی ہیں۔ ایک گھڑی کی بھی اس کو مہلت و فرصت نہیں ملتی۔ آخرش یہ کہ وہ جان لیتا ہے کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لحاظ سے اور اس بناء پر وہ مطلق و مقید کا قائل ہو کر اجمال و تفصیل میں آجاتا۔ جزّی کُلّی کہنے لگ جاتا ہے۔ کُلّی طبعی کی مثال ایسی ہے جس کا خارج میں کوئی وجود پایا نہیں جاتا ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ جزئیات کے ضمن میں موجود پائی جاتی اور ہوتی ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی۔ قاضی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے متبعین اور حکمائے یونانیہ سب کے سب اسی میں رہ گئے اور رہ گئے۔ مرشد محقق متابع سُنّت رسول اللہ تابع نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسے کے پلو میں پڑ جائے تو اس کو وہاں پہنچا دیتا ہے کہ وہ ایک کے سوائے نہیں دیکھتا۔ دوبارہ وجودات پر اس کی نظر نہیں پڑتی۔ ان کو نہ تو دیکھتا ہے نہ جانتا ہے۔ نہ پہچانتا ہے۔ اس مرتبہ میں سچائی حق و حقانیت کے ساتھ ھُوَ ھُوْ لَاھُوَ اِلَّاھُوْ (وہ وہ ہے نہیں وہ مگر وہ) عرفائے زمانہ۔ انتہا کو پہنچے ہوئے (احرار) آزاد اور مشائخ۔ محمد حسینی کے افکار پر غور کرو۔ باریکی کے ساتھ نظر ڈالو۔ سمجھو کہ اس نے کیا کہا ہے۔ ہمارے اس کہے ہوئے کو جو صدق مقال (سچی بات) ہے یاد نہیں کرتے تو قیامت میں ان کا ہاتھ اور میرا دامن ہوگا۔

دوسرا حدیقہ

دل کے ساتھ اعضا و جوارح کا ارتباط

اعمال اعضا و جوارح سے اس کا متاثر ہونا

تم دیکھتے ہو کہ جب کسی درخت کی جڑ میں پانی دیا جاتا ہے تو تازگی نمی اس کے پتوں پھول اور میوے میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھول کھلتا ہے تو خوشبو پھیل جاتی ہے میوہ پُر ہو جاتا بھر جاتا اور پک جاتا ہے تیار ہو جاتا ہے) تو بامغز اور مزہ دار ہو جاتا ہے پتے تروتازہ ہو جاتے ہیں تو اُن میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈالیاں بڑھجاتی ہیں تو تنا استوار ہو جاتا ہے اگر درخت کی جڑ میں آگ یا گرم راکھ رکھدی جائے جس میں آگ کی چنگاریاں ہوں تو درخت پر کچھ اور ہی اثر ہوتا ہے۔ اس پر سے سمجھ لو کہ انسان کی بھی ایسی ہی صورت ہے۔ آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ دل کے اطراف یعنی حاشیے ہیں۔ جو عمل بھی ان اطراف و جوانب حاشیوں (اعضا و جوارح) سے کیا جاتا یا سرزد ہوتا ہے۔ اس کا اثر دل میں یا دل پر ضرور پایا جاتا ہے۔ زبان اور کان سے اعمال صالحہ (نیک کام) ہوں۔ سچی بات کہی جائے۔ یا قرآن شریف کی تلاوت کی جائے۔ دعا تسبیح کی جائے۔ سچی بات اللہ کا کلام۔ بزرگی کی بلند باتیں۔ صحیح حدیثیں سُنی جائیں اسی طرح اور جس قدر نیک کام زبان اور کان سے ہو سکتے ہیں یا ہوتے ہوں یا ہاتھ اٹھاکر تکبیر تحریمہ (نماز کی نیت باندھنے کے بعد جو اللہ اکبر کہتے ہیں) کہی جائے۔ کلام اللہ کو ہاتھ میں لیکر کچھ پڑھے۔ نماز پڑھے۔ نوافل کا عمل رکھے۔ سجدہ و رکوع کرتے رہے۔ مسجد۔ خانہ کعبہ۔ کو جانا ٹھہرالے صدقہ دیا کرے۔ نماز میں کھڑا رہا کرے۔ رکوع سجدہ کیا کرے۔ چلتے ہوے مسجد کو جائے خانہ کعبہ کا سفر کرے۔ علم حاصل کرنے کے لئے کہیں جائے۔ اسی طرح کی اور نیکیاں

جو کچھ ہاتھ پاؤں اعضا وجوارح سے کی جاسکتی ہیں کرے مثلاً آنکھ اس کی نیکی جو
کچھ کہ اس سے نسبت رکھتی ہے یعنی آیات میں سوچ بچار۔ شہروں اور ملکوں کا
دیکھنا۔ یہ سب ایسے ہی ہیں جیسے کہ کسی درخت کی جڑ میں پاک صاف میٹھا پانی
دینے سے درخت میں طراوت تازگی نمی آجاتی ہے اسی طرح ان نیک کاموں میں
رہنے سے دل میں صفائی۔ نور جلوہ کا عکس وسایہ چمک دمک آجانے سے ملکوتی
لاہوتی وجودات کے عکس و پرتو کا جب دل عکس پذیر ہوجاتا ہے تو وہ اثر اس کے
اطراف وجوانب ہی کا ہوتا ہے۔ جو اس کی اصل میں پہنچتا ہے اگر زبان سے جھوٹ
کہے۔ (زبان کو جھوٹ کہنے کی عادی بنا دے) کفر بکے۔ کلمہ شرک زبان پر لائے کسی
نامشروع (شرع میں جو جائز نہ ہو) کی طرف ہاتھ بڑھائے ڈالے۔ چوری کرے۔ کسی کا
مال زبردستی چھین لے۔ ناحق کسی کا مال ہڑپ کرے۔ کسی پر بلاوجہ شرعی ہاتھ چلائے
زنا میں مبتلا ہوجائے۔ لونڈے بازی کرے۔ پیدل جاکر کسی بت کی پوجا کرے۔ شراب
پینے چوری برے کام کرنے کے لئے نکلے۔ اسی طرح کی ساری باتیں برائیاں چھوٹے
بڑے گناہ جو ہاتھ پاؤں۔ آنکھ وغیرہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا کرنا۔ ایسا ہی ہے
جیسے کہ درخت کی جڑ میں جلتی ہوئی آگ یا ایسی راکھ ڈالیں جس میں جلتی ہوئی چنگاریاں
ہوں ہم کہہ چکے ہیں یہ اطرافِ انسان یعنی اس کے اعضا وجوارح ایسے ہی ہیں
جیسے کہ درخت کے لئے جڑ ہوتی ہے۔ برے عمل ناجائز حرکات سے تاریکی (اندھیری)
کدورت (گندلاہٹ) غفلت (بھول) دل پر آنے لگتی ہے۔ جب یہ چھا جاتی ہے تو
دل کالا ہوتے ہوتے توے کی طرح ہوجاتا ہے۔ اللہ کی پناہ۔ یہاں یہ خوف پیدا
ہوجاتا ہے کہ عاقبت کیسی ہوگی۔ یہ صورت کس حالت تک لے جائیگی۔ دیکھو۔ ہوشیار
ہوجاؤ۔ ذرا سوچو۔ ایسی باتوں سے بچے رہو۔ ایسی چیزوں کو دل میں جگہ نہ دو۔
نافرمانی نہ کرو۔ دل کو خراب وتباہ نہ ہونے دو۔ یہ سچ ہے کہ مومن فسق (برائی۔

نافرمانی کرنے) سے کافر نہیں ہوتا۔ ایمان باقی رہتا ہے۔ ہاں ہاں بات وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ ہم جو کہہ آئے ہیں اس پر بھی تو غور کرلو۔ کہ ہم کیا کہہ گئے۔ یاد رکھو درخت کے پانی نہ دیا جائے تو اس کے پتے ڈالیاں جڑ سُوکھنے لگتی ہیں تھوڑے عرصہ کے بعد درخت بھی سوکھ جاتا ہے دوبارہ اس کا ہرا ہونا۔ اس میں تازگی آنے کا امکان (موقعہ) کم ہوتا ہے۔ فاسق کے لئے دو جہت ہوتی ہیں۔ ایک کفر کی۔ ایک ایمان کی۔ اگر ان کو دو دائرے تصور کرلیں ایک کا نام ایمان۔ دوسرے کا نام کفر ہوا۔ ایمان کا جو دائرہ ہے۔ اس میں نماز روزہ۔ تلاوت۔ صدقہ۔ حق سُننا۔ حق دیکھنا۔ حق کہنا ہے۔ اور اسی طرح کے اعمال و افعال ہیں کفر کا جو دائرہ ہے۔ اس میں شراب پینا۔ زنا۔ لواطت۔ چوری وغیرہ اور اسی طرح کے بُرے اعمال و افعال ہیں۔ تمہاری جان۔ تمہارے سر کی قسم۔ تم ہی کہو کہ دوسرا دائرہ جو کفر کا ہے اس میں کفر و شرک کیا جاتا ہے۔ جھوٹ بکی جاتی ہے۔ چوری کا مال دبالیا جاتا ہے بُرے افعال و اعمال ہوتے ہیں۔ جو کوئی ایسے دائرہ میں آجائے ایسے دائرہ میں ہو کیا وہ ویسا ہی مومن ہے۔ جو ایمان کے دائرہ میں ہے اللہ کی پناہ۔ اگر کوئی مومن چوری۔ زنا۔ لواطت کرنا۔ شراب پینا چاہے۔ یا جھوٹ کہنا چاہے تو اس کو ایمان کا جو دائرہ ہے اس سے نکل کر۔ کفر کے دائرہ میں آنا پڑے گا۔ ایک دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ میں پہنچنا ضروری ہو جاتا ہے۔ افسوس افسوس۔ سوچو غور کرو کہ ہم کیا کہہ گئے۔ یاد رکھو۔ جب کبھی خواہشیں آگے آجائیں بہا لیجانے کی فکر میں ہوں تو ایسے وقت میں دلیل کے ساتھ رہو۔ دائرۂ ایمان ہی میں رہنے کی کوشش میں لگ جاؤ۔ ان سے بچنے کی فکر میں لگے رہو۔

والسّلام

تیسرا حدیقہ

حق تعالیٰ کی تجلّی

اللہ تعالیٰ شانہٗ جس کی شان کی انتہا نہیں فرماتا ہے کہ الم ترالیٰ ربک کیف مد الظل (کیا تم نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کہ اس نے سایہ کو کیسا پھیلایا ہے) تم نے دیکھا کہ پردۂ ربوبیت (پروردگاری) کے پیچھے سے عروس حضرت کیسے آنکھ مار رہی ہے آنکھیں کھولے ہوئے اس طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہونے کے باوجود۔ اپنے آپ کو انجان بنا کر کیف مد ظل (کیسا سایہ کو بڑھا دیا پھیلا دیا) کہہ رہی ہے۔ اس نظارہ میں کھلی ہوئی نظر کچھ نہ کچھ محل نکر ضرور رکھتی ہے۔ یہ تو کہو کہ اس نظارہ میں تمہیں کیا دکھلائی دیا۔ تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ سایہ کا وجود آفتاب کے بغیر نہیں ہوتا۔ جہاں دھوپ نہ ہو۔ آفتاب نہ ہو وہاں سایہ بھی نہیں ہوتا۔ جہاں آفتاب نہیں سایہ بھی نہیں۔ جب آفتاب و سایہ دونوں بھی نہ ہوں نہ پائے جائیں تو لازماً ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دوری جدائی۔ بے طاقتی۔ نارسائی کا رونا۔ رونا پڑتا ہے۔ ہر ایک اپنے وقت کے لحاظ سے اس کی مناسبت سے۔ چنّا ٹھٹتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "وہ ہے تو میں نہیں"۔ "میں ہوں تو وہ نہیں"۔ ہائے رے ہائے۔ سنائی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تعریف اپنی خوبی آپ بیان کر رہے ہیں ان کی اس اپنی آپ بڑائی میں ان کی خودنمائی خودنما ہو رہی ہے۔ ؎

بے منست او تا سنائی با من است   با سنائی زین قبل در ماندہ ام

(بے میرے وہ ہے جب تک سنائی میرے ساتھ ہے۔ سنائی سے اس طرح میں عاجز آ گیا ہوں۔)

یہ سب کچھ کہنے کا مطلب لذت لینے کی قابلیت سے اپنے آپ کو باہر لے آنا ہے جب

یہ نکل جائے تو پھر کیا دھرا رکھا ہے کہ جس سے حصہ نصیب و مزہ و لذت پا سکیں یا ہاتھ آ سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (مجھ کو دکھلا میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔) کہا۔ جواب ملا لَنْ تَرَانِیْ (تو مجھکو نہیں دیکھ سکتا) یہ ملامت کا کوڑا ان کے وجود (ہستی) پر مارا گیا کہ لَنْ تَرَانِیْ تم کو دیکھو اور تمہارا ہم کو دیکھنا دیکھو۔ یہ ان کے وجود کی نسبت کا جواب تھا کہ وہ اُن کے شہود (دیکھنے) کی روک اور پردہ بنا ہوا تھا۔ تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ ان کے وجود کا پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تجلی کی آڑ تھا۔ اس پر ایک لمحہ کے لئے پلک جھپکنے تک بھی تجلی نہ ہوئی کہ وہ جعلہ دکا (ریزہ ریزہ) ہو گیا۔ رٹ مٹا گیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر جو گزری جو کچھ ان کے سامنے آیا وہ ظاہر ہے۔ خر موسیٰ صعقا (گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر) یہ بیہوشی مدہوشی (گمی بے خبری) نہ تھی۔ یہ ان کی نابودگی (کچھ نہ ہونا) ان کی بےخویشی (اپنے سے گمی اپنے آپ کو نہ پانا) تھی۔ اپنے آپ سے جانا۔ جاتے رہنا تھا۔ ــــــــــــــــــ جب وہ اپنے آپ میں آئے تو انھوں نے عدم امکان وصول (اس تک پہنچنے کو نہ پہنچنا) جان کر تُبْتُ (تیری طرف رجوع ہوتا ہوں) کہا وہ وہ ہے کہ جس میں نہ تو جدائی ہے نہ ملاپ نہ گمی ہے نہ پانا۔ ہاں اس قدر محسوس ہوتا ہے کہ ایک تار ہے جس کا ایک سرا مبدا۔ ایک سرا معاد ہے (جس کی ایک ابتدا ایک انتہا ضرور ہے) دونوں سرے ملا کر وہ پکڑا ہوا ہے۔ ایک میں ایک محو ہے گم۔ مٹا ہوا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (اللہ کے سوائے کسی میں حول و قوت نہیں) سہ

سخن کوتاہ کن گیسو دراز ا	کجا تو این سخن ہیہات ہیہات
اے گیسو دراز بات کو مختصر کر دے	تو کہاں یہ بات کہاں ہائے ہائے

جاء موسیٰ بلا موسیٰ فلو یبق شیٔ من موسیٰ (اے موسیٰ۔ موسیٰ کے بغیر کوئی چیز

باقی نہ رہی موسیٰ کی موسیٰ میں) حکماء یہ کہتے ہیں کہ الواحد لایصدر منہ الا الواحد (ایک سے ایک کے سوا نہیں نکلتا) اے محمد حسینی تم کیا کہتے ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے ایک کو ایک کے اندر ایک ہی دیکھا۔ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ راز بہت خوبی کے ساتھ کھولا ہے۔ وحدت کے وجود کا جو لباس ہے اس کے دو ٹکڑے کر کے سینہ تان کر دُو دکھلاتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ انا اقل من ربی بسنتین (میں اپنے رب سے دو سال کا چھوٹا ہوں) اَنَا (میں) کرحقیقت کی قوت سے گاڑ دئے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جب تم دُو کا تحقق (ہونا) مٹا دوگے تو اقل (چھوٹے) ہی کو یا دُگے جب اس کو بھی نکال کر پھینک دوگے تو پاک ہو جاؤگے۔ یاد رکھو مِنْ ربی (میرے رب سے) تعدیہ (حد سے گزرنا فعل لازم کو متعدی کرنا) ہے۔ بسنتین بالجمع ہے۔ (دو سال جمع کے ساتھ ہے) وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر (نہیں امر کیا ہم نے مگر ایک بار پلک جھپکنے تک) بات اسی قدر اور یہی ہے کہ ایک میں ایک ہو گئے ہیں۔ لمح بالبصر (پلک کا جھپکنا) وہم کے سوا نہیں رہتا۔ اگر واقعہ یہ نہ ہوتا ایسا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کیسے کیونکر کہاں سے مُنہ دکھلاتے حوا علیہا السلام کس رنگ روپ سے برآمد ہوتیں یہ سب اسی کا تلون وتکون (رنگ لینا۔ وجود پانا) ہی تو تھا کہ آب و گل (مٹی پانی) سے سر اٹھایا بات یہ ہے کہ جب تفصیل اجمال کے ساتھ ایک ہو گئی مل ملا گئی۔ تو مقید مطلق کے ساتھ ایک ہو گیا۔ دریا کا مینڈک دریا میں جا پہنچا۔ مل گیا اگر وہ دریا سے خبر دینا چاہے تو اس کو دریا سے باہر آنا سر نکالنا پڑتا ہے۔ اس کی فریاد کون سُنتا ہے۔ وہ کس کو آواز سناتا ہے وہ دریا میں ہے۔ دریا میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ عجیب کھنور ہے۔ حیرت ہے ایک چکر ہے کہ جس کی نہ انتہا ہے نہ اس کی طرف کوئی راستہ نہ کوئی مفر (بھاگ جانے کی جگہ) نہ چارہ کار ہے۔

الحمد للہ حتیٰ انّنی کضفدع یسکن فی الیمّ ان ھی فاھت ملیت فاھا او ان سکتت ماتت من الغم

(سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے کہ میں اسی مینڈک کے جیسا ہوں جو دریا میں رہتا ہے۔ اگر وہ ٹھہرتا ہے تو گل جاتا اور چپ رہتا ہے تو رنج کے مارے مرجاتا ہے۔)

مچھلی سے اگر یہ پوچھا جائے کہ تو کہاں کی ہے۔ کہاں اور کس میں رہتی ہے۔ تیری حیات (زندگی) کس سے ہے۔ تیری واپسی تیرا رجوع کس کے ساتھ ہے۔ تو وہ یہی جواب دے گی کہ میں پانی میں پیدا ہوئی۔ پانی سے نکلی۔ پانی ہی میں رہتی ہوں پانی ہی پیا کرتی ہوں۔ میری واپسی میرے لوٹنے کی جگہ پانی ہی ہے۔ قابل غور عجیب بات یہ ہے کہ حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی طرف نہیں لوٹتیں۔ آدم علیہ السلام حوا علیہا السلام کے ساتھ ایک نہیں ہوجاتے ؎

گاہ من او باشم و او من گہے	بوالعجب کاریست وبس طرفہ رہے
(میں کبھی وہ رہتا ہوں وہ کبھی میں	یہ عجیب کام اور نادر بات ہے

وہ میں نہ میں وہ۔ بہرحال میں تو کا کھیل کھیلا جارہا ہے نعوذ باللہ (اللہ کی پناہ) انہ الاٰن کما کان ویکون کما کان (وہ جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے ویسا ہی رہے گا) فکن الاٰن کما کنت و تکون (پس ہوجا اب بھی جیسا کہ تھا اور جیسا کہ چاہیے۔) اے عزیز اس کوشش میں اس جنجال میں نہ پڑ کہ لوگ تقلید کے جبر و تشدد کے حد سے باہر آجائیں۔ حقیقت اور حقیقت الحق کے میدان میں پہنچ جائیں۔ تقلید ایک باخیر بابرکت چیز ہے۔ ایک مضبوط (ضبط سے) پائیدار شئی ہے۔ جو دوسری باتوں سے محفوظ اور بچائے رکھتی ہے۔ خوف و رجا (ڈر اور امید) ذوق شوق (مزہ پانے لطف لینے) کی چیز ہے۔ جس میں آرام وراحت ہے۔ یہ درد دوا کے ساتھ ہے۔ سوز ساز (جلنے بھننے کی حالت) رکھتی ہے۔ صوفیوں کا نعرہ سوز (تڑپ کر بلبلانا۔ جلنا بھننا) اسی سے ہے۔ جو مردانِ خدا پہاڑوں۔ غاروں کو اپنے ٹھہرنے رہنے کی جگہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سب تقلیدی

کے مقام میں ہیں خانقاہ تقلید سے کوشش کرکے انھیں باہر لایا جاتا ہے کہ وہ
تحقیق کے میدان میں آ جائیں لیکن ان میں بمشکل ایک ہی ایسا ہوتا ہے جو تحقیق کے شہر میں
آ جاتا ہے۔ باقی سب کے سب الحاد (حق سے گذر جانے) زندقہ (بے دینی) میں گرفتار
ہو جاتے ہیں خدائے تعالیٰ اس سے بچائے رکھے۔ اس سے بچنا سلوک کے لوازمات
سے ہے۔ سلوک میں دل کے خزانے کی طلب میں رہنا۔ عبادات۔ اذکار کے جواہر لال
اور موتیوں سے اپنے آپ کو مالا مال کر لینا ہے۔ کوئی نہ کوئی نیک بخت۔ وہ بھی ہوتا
ہے کہ عروس حقیقت جس پر جلوہ فرما ہوتی ہے اس کے باوجود بھی وہ شریعت
طریقت کے طریقہ و راستہ کو پوری طرح سے لیا ہوا ہوتا ہے۔ تحقیق کو پہنچا ہوا لاکھوں
میں ایک ہوتا ہے باقی سب۔ اپنی خودی۔ خود رائی پر اڑے ہوئے رہتے ہیں۔ الحاد
اور اباحت و زندقہ۔ بے دینی اور ناجائز کو اپنے وقت کا سرمایہ بنائے ہوئے بیٹھے
رہتے ہیں۔ خبردار۔ اپنے آپ کو ان سے بچائے رکھو۔ اس میں پھنس کر تباہ نہ ہو جاؤ۔

چوتھا حدیقہ

شریعت۔ طریقت۔ حقیقت
حق الحقیقت۔ حقیقت الحق

شریعت انسان کامل کی کہی ہوئی بات کو طریقت انسان کامل کے کئے ہوئے
کام کو حقیقت انسان کامل کے ہونے کو حقیقت الحق انسان کامل کے بود نابود ہونے
نہ ہونے کو۔ حقیقت الحق انسان کامل کے بود نابود ہونے نہ ہونے کو کہتے ہیں مثلاً انسان
کامل نے ایک بات کہی اس کی بات جو کچھ بھی تھی جس چیز پر شامل مشتمل تھی جس
نے اس کے موافق عمل کیا اس نے دولت دیدار پائی۔ دیکھ لیا۔ جس نے جو کچھ کہا
وہ ہو گیا اور جو کچھ نیک بختی پانے کے لئے کیا اس نے اس کو دیکھ لیا۔ یہی بود (بقا)

کو پہنچ گیا۔ اسی کو اس عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ التصوف علم و عمل وموھبۃ (تصوف علم و عمل و عطا ہے) اسی کے دیکھنے کے لیے۔ اسی کی خاطر اس کو علم دیا گیا۔ سمجھ کر کام کر لیا تو دولت کو پہنچ گیا۔ اس پر بخشش کی گئی نعمت عطا ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو کسی کے ساتھ پایا ہوا پایا جیسا کہ ابو یزید (بایزید بسطامی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غصت فی بحر الاعمال فوجدت نفسی مربوطۃ بزنانیر فاذا انا ھو (اعمال کے دریا میں غوطہ لگایا تو میں نے اپنے آپ کو زناروں (جنیو) میں بندھا ہوا دیکھا) جب کہ میں کسی میں تھا۔ جب میں نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا تو شرک میں پھنسا ہوا پایا۔ یہ پاتے ہی میں "ہونے کی طرف پلٹ آیا۔ نعرہ لگایا۔ فاذا انا ھو (جب کہ میں وہ تھا) اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ نہ تھا اب وہ ہوا ہمیشہ ہی سے وہ درمیان میں تھا بلکہ وہ ہونا کہ اسی کا اپنا ہونا تھا وہ نہیں ہو گیا۔ اسی کا ہونا۔ ہونا ہو گیا۔ وہی وہ تھا وہی وہ ہوا ہونے نہ ہونے ہونے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے تجربہ اور دیکھنے میں یہ بات آئی ہے کہ لوگ حقیقت کی باتیں سن جاتے ہیں۔ صدر مجلس بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کچھ کی کچھ باتیں کہنے لگ جاتے ہیں واہنے بائیں جھولتے ہیں سر ہلانے لگ جاتے ہیں۔ لوگ ان کی نسبت ایک نیک گمان کر جاتے ہیں۔ وہ اس سے خوش وقت ہو جاتے ہیں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب اس قسم کی باتیں لوگ کہتے تو آپ ان کو روک دیتے۔ یہ کہتے کہ یہ باتیں سب میں کہنے کی نہیں۔ ہرگز نہ کہنا چاہیے۔ کیونکہ خواہشات میں رہنے اور ان پر مرمٹنے والے لوگ سن پاتے ہیں تو اس کو اپنی صدارت کی سند بنا لیتے ہیں کہ ہم ایسے ہیں یہ یہ جانتے ہیں۔ یہ یہ بیان کرتے ہیں۔ یہ بات سب کو کہاں میسر آتی ہے۔ ان کے اسی کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ہم ایسے ہیں ہم ویسے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ۔ بہتر تھا کہ میں اس قسم کی باتیں

نہ کیا کرتا۔ کیا کیا جائے فلاں ابن فلاں میری باتیں سننے آتے تھے۔ جب سے کہ میں
اس ملک میں آگیا ہوں وہ میرے متعلق اور ہی گمان رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ
جانتے تھے کہ ایسا محقق دوسرا نہیں۔ اے حسینی اپنی زبان روک لے اپنے بیان
کو مختصر کر دے۔ والسلام

پانچواں حدیقہ

عالم مجاز اور عالم حقیقت

یہ عالم مجاز یعنی عالم ظاہر ہے۔ اس کے پرے عالم حقیقت یعنی عالم
باطن ہے۔ مجاز (ظاہر) مجوزت (ظہورات) محل جواز حقیقت (حقیقت کے
جاگزیں و جائز ہونے رواں ہونے کی جگہ) جسم و جسمانیت کے گذر بسر کی جگہ
بلکہ گذرگاہ (گذرنے کی جگہ۔ گھاٹی) ہے۔ یہاں سے گذرتا گذر جانا پڑتا ہے یہاں
سے جانا ضروری ہے۔ یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاز وہ ظاہر ہے
جو حقیقت کے جواز کی جگہ ہے۔ یہ بات ہے تو مجاز کا حقیقت کے ساتھ کچھ نہ کچھ
تعلق ہونا ضروری پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجاز ہی میں حقیقت ہاتھ آتی ہے۔
عنایت ہوتی ہے۔ ایسا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہم اگر زید شیر ہے کہیں
تو اس میں ایسی ہی شجاعت (دلیری۔ بہادری) کا ہونا ضروری ہے جیسی کہ شیر
میں ہوا کرتی ہے۔ تاکہ زید کو جو شیر کہا گیا وہ ٹھیک و درست ہو جائے اس عالم کو
عالم مجاز کہیں تو اس کے سوائے جو عالم ہے اس کو عالم حقیقت کہنا اور جاننا ہوگا۔
اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔ نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس حقیقت کا کچھ نہ کچھ عکس
پر تو اس مجاز میں ہونا ضروری ہے۔ اور ہونا چاہیئے ورنہ اس کو مجاز کہنا بے معنی

بات ہو گی غور کرو۔ فکر کو کام میں لاؤ۔ سوچو کہ اس جہاں میں عالم قدس کا عکس و پرتو کھلے طور سے پوری طرح سے ظاہر ہے یا نہیں۔ اگر تم اس عالم کا راستہ اختیار کر لیں اور اس کے پیچھے پڑ جائیں تو تم پر اس کا کچھ نہ کچھ عکس و پرتو ضرور پڑ جائے گا کیونکہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ (البتہ اللہ آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اسی کا پتہ دیتا ہے۔ خلق آدم علیٰ صورۃ الرحمٰن (پیدا کیا آدم کو رحمٰن کی صورت پر) اسی کا کھلا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رأیت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (دیکھا میں نے اپنے رب کو معراج کی رات میں اچھی صورت میں) فرما کر اس عالم کی ایک خبر دی وہ یہ کہ ایک صورت مجلیٰ (روشن) مصفا (صاف) منور (نورانی) قابل انعکاس (سایہ قبول کرنے والی) پیدا کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب جمال قدسی کا حسن سایہ ڈالنے والی نمودار کی شکل کے ساتھ نمودار ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آئینہ میں عین و حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہی رأیت ربی فی احسن صورۃ (دیکھا میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں) فرمایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ فوضع کفیہ علیٰ کتفی فوجدت بردھا فی قلبی (پس رکھا اس نے اپنے ہاتھوں کو میرے کندھوں پر جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں پائی) وہ ہتھیلی ہاتھ ایسے تھے اور ہوتے ہیں کہ جس میں نہ بند ہونا ہے نہ کھلنا نہ اس میں گرفت کا ہونا کہا جا سکتا۔ بلکہ وہ اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ کلتا یدیہ یمین الصدقۃ او لا تقع فی کف الرحمٰن۔ (پہلے پھل رحمٰن کی ہتھیلی میں ڈالی جاتی ہے) یہ ہاتھ غیب ہی غیب عین ہی عین ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ مجاز گزر جانے کے معنی میں ہے۔ جاز عنہ (گذر گیا اس سے) بلکہ تجاوز عنہ (بڑھ گیا اس سے) کا اشارہ بھی اسی طرف ہے تاکہ کوئی عین (حقیقت) کے بجائے عکس (مجاز) ہی پر قرار نہ لے لے۔ ہاں یہ ہے

گذر جانا کام کی شرط ہے ضروری بات ہے۔ اللہ پاک برے سے برے دور سے ورے ہے مفہوم واصلان حقیقت (حقیقت کو پہنچے ہوؤں کی یافت وفہم سے سمجھی بوجھی ہوئی چیز) یہی ہے نہ جدائی ہے نہ ملاپ نہ دوری ہے نہ نزدیکی نگی ہے نہ پانا۔ جو کہا گیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے ثابت و محقق ہو جاتی ہے۔ وَالسَّلَام

چھٹا حدیقہ

اللہ کے اخلاق سے متخلق ہونا
اس کے اوصاف سے بن جانا

میرے خواجہ قدس سرہ العزیز حکایت فرماتے تھے کہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ العزیز سماع سنا کرتے تھے۔ وجد میں آجانے کے بعد، خواجہ حمید الدین ناگوری قدس سرہ شیخ (خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ) کے پاؤں پر گر پڑتے تھے۔ شیخ خادم کو اشارہ کیا کرتے کہ انھیں اٹھا دو۔ خادم ان کو اٹھا دیا کرتے تھے۔ بندہ نے خدمت خواجہ سے عرض کیا کہ یہ کیا راز ہے۔ قاضی صاحب خواجہ صاحب کے پاؤں پر گرتے ہیں۔ خواجہ صاحب انھیں اٹھاتے نہیں۔ خادم کو اٹھانے کا اشارہ فرماتے ہیں۔ جواب میں خواجہ بندگی مخدوم نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

اینجا نرسد زورق ہر سودائی

(یہاں ہر سودائی کی چھوٹی کشتی نہیں پہنچتی)

میں سمجھ گیا کہ ہر قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر ایک میں اس کے سمجھنے کی اہلیت سمجھداری نہیں ہوتی۔ ہونی بھی نہ چاہیے ہوتی بھی نہیں۔ موقعہ کے لحاظ سے

خواجہ بندگی مخدوم نے ٹال دیا۔ انجان ہو گئے۔ اِن بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نادان نے یہ کہا کہ خبر نہ ہوتی ہوگی۔ خبر نہ رکھتے ہوں گے۔ میرے خواجہ بندگی مخدوم نے اس کے کہنے کی طرف التفات نہ کیا۔ تھوڑی دیر تک بطریق مراقبہ تامل فرمایا بات ختم ہوگئی۔ یہی بات ایک درویش نے ایک بزرگ سے پوچھی اور کہا کہ یہ کیا بھید تھا کہ قاضی صاحب۔ خواجہ صاحب کے پیروں پر گرتے تھے۔ خواجہ صاحب خود نہ اٹھاتے۔ خادم کو اشارہ فرمایا کرتے کہ ان کا سر میرے پاؤں پر سے اٹھا دو۔ اس کا جواب اس بزرگ نے یہ دیا کہ شیخ قطب الدین مقام کبریا میں ہوتے تھے۔ اس کلام میں کئی اشکال ہیں (اس بات میں کئی صورتیں۔ کئی شکلیں کئی مشکلیں ہیں) اگر محدث (نو پیدا۔ جدید) کہیں تو مخلوق (پیدا کی ہوئی) کہنا پڑتا ہے۔ اس کو اس طرح سمجھنا پڑتا ہے کہ جب نو پیدا' باقی قائم دائم کے ساتھ بقا و قیام پاتا ہے تو اس کے صفات لے لیتا اور اس کے صفات سے متصف ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق سے سنور جاؤ) و اتصفوا بصفات اللہ (اس کے اوصاف سے بن جاؤ اتصاف کرو) جو فرمایا وہ یہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک صفاتی نام متکبر بھی تو ہے۔ جب کوئی سالک صفت تکبر کبریائی سے متجلی ہوجاتا ہے تو کبریا اس کے سر پر چھا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ صفت کبریا سے متصف ہوجاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ لوہا سرد ہے سیاہ ہے (ٹھنڈا اور کالا ہے)۔ جب آگ میں ڈالا جاتا ہے تو گرما جاتا ہے جب خوب گرم ہوجاتا ہے تو سرخ و گرم ہوکر آگ کے جیسا' جب دکھائی دیتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ناراً وصفاً حدیداً ذاتاً (بلحاظ صفت آگ اور بلحاظ ذات لوہا) بعض کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ناراً ذاتاً حدیداً وصفاً (بلحاظ ذات آگ اور

بلحاظ صفات لوہا) ہو جاتے ہیں۔ اس کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ آگ میں ڈال کر اتنا
تپاتے گرم کرتے دھونکتے ہیں کہ اس کے تمام ذرات آگ ہو کر ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔
آگ کا جو کرہ ہے اس سے مل جاتے ہیں۔ اگر کسی کے ساتھ ایسا ہو تو اس کو وصفاً
وذاتاً کہنا درست و ٹھیک ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہم یہی رہتا ہے کہ لوہا تھا
جب حقیقت سے لوٹ آتا ہے تو جیسا کہ پہلے تھا ویسا ہی رہتا اور دکھلائی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اَلکبریاء ردائی (بڑا پن بڑائی میری چادر) فرمایا۔ وہ اسی
چادر میں مرید کے چہرے کو ڈھانک لیتا ہے۔ خالق سبحان (پاک پیدا کرنے والا)
صورت انسان میں جو محدث (نو پیدا) زائل و فانی (جاتے رہنے والی اور مٹ
جانے والی) ہے۔ تجلی کبریائی کرتا ہے تو ہر کوئی یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ صفت کبریا
سے متجلی ہے۔ وہ بادشاہ۔ جو مالک الرقاب گردنوں کا مالک ہے جس کے قبضہ
میں لوگوں کی گردنیں ہیں یعنی سب کا مالک ہے۔ وہ اندھیری رات میں مانگنے والوں
کے لباس میں مانگنے والوں کا لباس لئے ہوئے لوگوں کے دروازوں پر گھومتا ہوا روٹی
ٹکڑا مانگتا ہے۔ کیا کوئی گمان کر سکتا ہے یا کسی کے وہم و خیال میں آ سکتا ہے کہ
سب کا مالک ساری جہاں کا مالک آیا ہوا ہے۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی ٹکڑگدا
ہے۔ یہ سننے کے بعد تم مانوگے یا نہیں کہ کبریائی اس کی چادر ہو گئی۔ یہ وہی صورت
ہے۔ الشیخ یحی و یمیت (شیخ جلاتا اور مارتا ہے) جو کہتے ہیں وہ اس وجہ سے
کہتے ہیں کہ اس پر زندہ کرنے کی صفت جلوہ کی ہوئی ہے۔ یعنی اللہ کی صفت احیا
و اماتت (زندہ کرنا۔ مار ڈالنا) سے متصف ہو جاتا ہے۔ تو وہ شیخ یحی و یمیت
ہو جاتا ہے ان صفات سے متصف ہو جانے سے شیخ جلاتا اور مارتا ہے یہ وہی
کرتا ہے جو خدا کرتا ہے۔ یہ صورت وہ ہے جس میں شیخ درمیانی واسطہ (بیچ کی کڑی)
سے زیادہ نہیں۔ اچھا یہ تو کہو کہ کیسی کا گمان ہو سکتا ہے کہ اس جہاں یا اُس

جہاں میں حضرت تقدس و تعالی کا جمال ان آنکھوں سے کوئی دیکھ پاتا ہے۔ اس آنکھ کی پتلی، پاپہ اور ڈھیلہ سے کہ وہ آنکھ میں ہوتے ہیں اور وہ آنکھ سر میں پیشانی کے نیچے ہوتی ہے۔ اس سے کوئی دیکھتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہی آنکھ اسس بصیر و سمیع کے فیض سے فیض لے کر اسی کے فیض سے اس کو دیکھتی ہے۔ آفتاب آنکھ سے کہتا ہے کہ اے آنکھ تجھ کو شرم نہیں آتی۔ تو یہ کہتی ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں۔ تیری یہ قدرت طاقت کہاں کہ تو دیکھ سکے۔ میرے فیض سے مستفیض (فیض پاکر، فائدہ اٹھاکر) ہوکر دیکھتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں۔ حقیقت میں میرا فیض ہی دیکھتا ہے۔ تو نہیں دیکھتی۔ ما رای اللہ غیر اللہ (اللہ کے سوائے اللہ کو کوئی نہیں دیکھتا) کے معنی یہی ہیں مسکین بیچارے معتزلی کو یہی دھوکہ ہوا اسی سے وہ حضرت الوہیت کے جمال سے محروم ہوگیا۔ بیچارہ مسکین فقیہ کو بھی یہی وہم آگھیرا کہ مٹ جانے والی دنیا میں۔ باقی رہنے والے کا جمال کیسے دیکھا جاسکتا ہے یہاں کیسے اور کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔ سچ ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اپنے آپ کو آپ ہی دیکھتا ہے۔ اس کو اس کے سوائے کسی اور نے نہ دیکھا۔ اس نے اپنے آپ کو آپ ہی دیکھا۔ وہ اپنے آپ سے آپ ہی عشق کرتا ہے کسی کے ساتھ مشغول ہی نہیں ہوتا۔ اپنے آپ میں آپ ہی ہے۔ اپنے آپ سے آپ ہی مشغول ہے۔

روایت کرتے ہیں کہ سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے سب گھر میں رہنے والوں کو جمع کیا جب بیوی بچے لونڈی غلام سب حاضر ہوگئے تو آپ نے سب سے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں جو پوچھوں اس کا جواب۔ سچ سچ دینا اگر نہ دوگے تو اللہ تعالی کے پاس جواب دہ رہوگے اللہ تعالی کا حق تمہاری گردنوں پر رہے گا۔ سبھوں نے کہا کہ ہم سچ سچ کہیں گے آپ نے فرمایا کہ تم جو عیب مجھ میں دیکھتے ہو یا جو عیب مجھ میں ہے وہ میرے

منہ پر مجھ سے کہدو۔ تاکہ میں اس کے دور کرنے کی کوشش کروں۔ سبھوں نے
ایک زبان ہوکر آپ کی تعریف و توصیف کی مدح و ثنا میں مبالغہ کیا۔ اس کے
بعد عرض کیا ہم آپ میں صرف ایک بات پاتے ہیں۔ جس کے کہنے کی جراءت
نہیں پاتے کہنے کی مجال نہیں رکھتے۔ اس کو آپ سے کہہ بھی نہیں سکتے۔ آپ
نے فرمایا کہ میں وہی بات سننا چاہتا ہوں۔ تمہیں کہنا ہوگا تو سبھوں نے یہ کہا
کہ بہترین صفات اچھی خوبیاں جو ہو سکتی ہیں ان سب سے آپ آراستہ پیراستہ
ہیں۔ البتہ تھوڑا سا کبر (بڑائی۔ میں پن) آپ میں پایا جاتا ہے۔ فرمایا ہاں۔ سچ ہے
ٹھیک کہتے ہو۔ ایک زمانہ تھا کہ مجھ میں میرا کبر موجود تھا۔ اب اس کا کبر آگیا وہ
میرے کبر کے بجائے ہوگیا اس کی جگہ لے لیا ہے۔ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ وہ میرا نہیں
اس کا ہے۔ یہ فرمانا کہ " اس کا کبر میرے کبر کی جگہ لے لیا " کے دو معنی ہوسکتے ہیں
ایک یہ کہ " میرا کبر اس کے کبر سے متصف ہوگیا " جیسا کہ لوہا کہ وہ بلحاظ ذات
لوہا ہے اور بلحاظ صفت آگ ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ " اس کا کبر میرے کبر کو
جڑ پیڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ جب میں خالی خولی ہوگیا تو خود میرے کبر کی جگہ لے لیا "
یہی کہ بلحاظ ذات آگ اور بلحاظ صفت لوہا ہے جو کچھ ہم شروع سے کہتے آئے
ہیں اسی کی یہ بھی ایک مثال ہے۔ لوہے کو آگ میں تپاتے ہیں تو اس کی کئی صورتیں
شکلیں ہوتی ہیں بیان کرنے لگ جاؤں تو قصہ طویل ہو جائے گا۔

والسلام

ساتواں حدیقہ

شیخ۔ اس کے فرائض واجبات

کوئی شیخ جب کسی کو شیخ بنانا یہ مرتبہ دینا۔ اس رتبہ سے سرفراز کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی ساری عبادتیں۔ طاعتیں (خدا کی بندگی فرمانبرداری) حسنات (نیکیاں) ہنات (محنتیں۔ ریاضتیں) زلات (لغزشیں۔ کم حوصلگیوں) کو جانچ لیتا ہے۔ جس قدر اس کے مرید وابستہ معتقد ہوں گے۔ ان کو اور ان کی ساری عبادتوں۔ طاعتوں۔ گناہوں اور کوتاہیوں لغزشوں کی بھی جانچ پڑتال کر لیا کرتا ہے کیونکہ ان سب کو شیخ کے اعمال کے پلہ میں تولتے ہیں اگر شیخ کا پلہ بھاری ہو جائے تو اس کو شیخ کا رتبہ دیدیتے ہیں۔ یہ جو کہا گیا کہ کل قیامت میں مریدوں کے گناہوں کو مرشد کے پلہ میں باندھ دیں گے وہ یہی بات ہے۔ اس مرتبہ و مقام کے شاہد عادل امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اور مصدق امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ امام حسنؓ امام حسینؓ کی تصدیق ہونے کے بعد کہ یہ شخص شیخ بنائے جانے کا مستحق و لائق ہے علی کرم اللہ وجہہٗ کی گواہی پیش ہوتی ہے تو اجازت ملتی ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے اور ہم سچ جانتے ہیں کہ اس کو مقام شفاعت دیا جائے گا۔

بعض یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ۔ طاعت۔ عبادت۔ گناہ۔ زلت وغیرہ جس قدر بھی اعمال ہیں وہ سب اعراض ہیں ان کا وزن کیسے کیا جا سکتا ہے وہ کس طرح تولے جا سکتے ہیں۔ تولنا کیا معنی رکھتا ہے۔ میزان (ترازو) سے کیا مراد ہے وہ کیا چیز ہے۔ یہ ایسی نازک بات ہے جو بیان میں نہیں آ سکتی یہ کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا۔ ہر شخص کا ذہن پہنچ نہیں سکتا۔ ہر شخص کے فہم کی رسائی

یہاں تک نہیں ۔ عام طور سے ترازو کے دو پلڑے ہوا کرتے ہیں۔ ہر پلڑے کو تین ڈوریوں کے سرے کو ہر پلڑے میں لگا کر ایک ڈنڈی میں لگا دیتے ہیں۔ ڈنڈی کے دونوں سرے سے پلڑے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں ۔ ڈنڈی کے بیچوں بیچ ایک سوراخ ہوتی ہے جس کو عین المیزان (ترازو کے درمیانی بتانے والا حصہ) کہتے ہیں ۔ ایسی صورت کی جو چیز ہو ۔ اس میں اعراض کا تلنا تول میں آنا کیسے ہوسکتا ہے ۔ ان پلڑوں میں ان کا سمانا کیونکر ہوسکتا ہے یہ کیا معنی رکھتا ہے امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایمان کا تولا جانا ایسا ہی ہے لیکن اس میں پلڑے ڈوریاں کیسی لکڑی کیا بات۔ یہ میزان اور ہی ہے ۔ اس میزان میں جو چیز تلتی ہے۔ اس کو اس پر سے سمجھو جیسے اشعار کی میزان ہوتی ہے۔ شعر کے وزن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کس بحر کا ہے کس حد تک ٹھیک ہے۔ کہاں اس میں سکتہ ہے ۔ کہاں کیا عیب ہے۔ کہاں بڑھ گیا کہاں گھٹ گیا ہے۔ موزوں ہے ۔ یا غیر موزوں وزن میں کونسا لفظ گر گیا ہے ۔ اسی طرح اعمال کا بھی وزن ہوگا ۔ انسانی اعمال ایسی ترازو میں تلیں گے ۔ یہ کلام ایسے حکمائے اسلامیہ کا ہے جنھوں نے شیخ محمد بن ناصر کی شاگردی کی ہے ۔ حکمت اسلامیہ میں تو پورا اترتا ہے ۔ تصانیف خواجہ محمد غزالی علیہ الرحمۃ کی تصانیف میں سب کچھ ہے ۔ اس کو انھوں نے نہایت خوبی سے ثابت کیا ہے ۔ اس کو عقل کے مناسب کہہ سکتے ہیں لیکن عقل معاد کے لحاظ سے صحیح نہیں ۔ بلکہ اس قدر سمجھ لینا چاہئے کہ جو میزان قائم ہوگی ۔ اعمال کے وزن یعنی جانچ اور بدلہ کے لئے ہوگی تاکہ بندے یقین کے ساتھ جان لیں کہ جو کچھ ہمارے ساتھ کیا جارہا ہے اس کے ہم مستحق ہیں اعمال کے تناسب اس کی مناسبت کے لحاظ سے ایسا اس کے ساتھ کیا جارہا ہے ۔ میزان عروض (شعر کے وزن) کی خصوصیت یہ ہے کہ شعر کہنے والا ۔ اپنے کہے ہوئے

کو وزن کر لیتا ہے۔ کہاں عیب ہے کیا کمی ہے جان لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ جزئیات کلیات کا اس کو پورا علم ہے۔ اس کو اس کی حاجت و ضرورت ہی نہیں کہ وزن کرنے کے بعد جانے کہ کیا کمی کیا زیادتی ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ۔ انہ عالم بجزئیات وکلیات (اللہ کے سوائے کسی میں حول وقوت نہیں۔ وہ بڑی چھوٹی کل جز کا جاننے والا ہے) جس کو جیسا چاہا بنا دیا۔ اپنے ازلی ارادہ کے موافق بنایا اس لحاظ سے حکماء کے کہے ہوئے بیان کئے ہوئے کو علیٰحدہ بالکل اہمیت نہیں دیتے مقدار و اندازہ میں نہیں لاتے کہ یہ کوئی وزن نہیں رکھتے انشاء اللہ تعالیٰ اس کو بھی اللہ کی توفیق سے بیان کیا جائے گا۔ باللّٰہ التوفیق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے) فی الوقت اس بات کو اللہ ہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں کا خواب دیکھے اس کو بیان کرے اور تعبیر لیا کرے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم۔ ہر چیز کی جو نسبت ہے اس سے مطلع ہیں۔ جو باتیں خواب سے متعلق ہیں یا اس سے نسبت رکھتی ہیں۔ ان کے لحاظ کرتے ان کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے خواب کی تعبیر دی جاتی ہے ایک وہ نسبت جو دوسری نسبتوں میں سے باقی ہے وہ آپ کے معجزہ وکرامات میں ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت عورت اس کو مٹھائی یا مصری نیشکر دے رہی ہے۔ تعبیر دینے والا یہ تعبیر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اس کو ملے گی دنیا اپنا حال بتلا رہی ہے۔ عورت کی صورت کا تمثل لی ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنی حقیقت کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے کیونکہ حقیقت میں وہ خوبصورت عورت ہے اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ کچرا کوڑا کھا رہا ہے تو تعبیر دینے والا اس کی یہ تعبیر دیتا ہے کہ وہ دنیا سے ہر طرح کا فائدہ پورے طور سے اٹھائے گا۔ اعمال جس میں تولے جائیں گے اس میزان کو اس کی صورت و

حالت کو تصور میں لے آؤ۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ترازو کی صورت کو اس مثال کے ساتھ جو اُس نے ترازو کی صورت کے جیسی ظاہر کیا ہے اعمال اعراض ہیں ان کو صورت کا تمثل دیا گیا (مشابہت دی گئی) اعمالِ حسنہ (نیک کام) کو ایک خوبصورت نوجوان، اچھی صورت والا۔ سانچہ میں ڈھلا ہوا بدن زیبا شکل دی گئی

؎ آن یارِ گل اندام چناں شست بدلم کز بہرِ نشست دیگرے جائے دگر نماند

(وہ پھول کے جیسے جسم والا میرے دل میں ایسا بیٹھ گیا کہ جس میں دوسرے کے لئے بیٹھنے کی کوئی جگہ ہی نہ رہی۔)

اعمالِ سیئہ (بُرے کام) کی صورت بُری ڈراؤنی۔ بڑے موٹے ہونٹ، بہت بُری چپٹی ناک۔ بدصورت و بدہئیت لنگڑی لولی شکل دی گئی۔ ایسا تمثل اس کو دیا گیا۔ نہایت غور انتہائی باریکی سے ان دونوں صورتوں کو ایک ایک پھلڑے میں رکھکر وزن کرنے کے بعد ان میں توازن کیا جاتا ہے۔ بھاری ہلکے کو جان لیا جاتا ہے۔ کونسا ہلکا کونسا بھاری (وزنی) ہے۔ پہچان میں آجاتا ہے۔ کاغذ کے ٹکڑوں کے ساتھ سونے کے ورق کا توازن کیسے ہوسکتا ہے۔ ایک ساتھ آپس میں برابری کے ساتھ وزن کرنا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو کہ کونسا بے قیمت کونسا قیمتی۔ کون ہلکا اور کون بھاری ہے۔ ہر ایک کا اندازہ و میزان کچھ اور ہی ہے۔ خدائے تعالیٰ بندوں کو ایسی سمجھ ایسا اندازہ عطا فرمائے گا جس سے ہر شخص یہ جان لے گا کہ یہ میرے بُرے کام اور یہ میرے اچھے کام کی صورت ہے۔ سب اسی طرح یقینی طور سے سمجھ جائیں گے کہ یہ ہمارے اپنے بُرے کئے ہوئے کی صورت ہے۔ ہر ایک سمجھ جائے گا کہ میں کس چیز کا مستحق ہوں۔ مجھ پر عذاب ہوگا یا مجھ کو نجات ملے گی ثواب ہاتھ آئے گا۔

ہر ایک یہ جان لے گا کہ میں اسی کا مستحق تھا۔ میں جس کا مستحق تھا وہی میرے سامنے آیا ہر شخص یہ بھی سمجھ جائے گا کہ "صورت حسنہ" اچھے اعمال کی "صورت قبیحہ" بُرے اعمال کی صورت ہے۔ سب سمجھ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ۔ صورت حسنہ کو احسن الصور (سب صورتوں میں کی اچھی صورت) بنایا۔ یہ اس کی مہربانی ونوازش۔ اس کا فضل وکرم ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ "اعراض" "جوہر" بنلوئے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہی ہے اس کے معنی یہی نکلتے ہیں۔ لیکن وہ اسبات کے حقیقت سے غافل ہیں۔ ہم نے جو کچھ دو مثالوں میں بیان کیا ہے ان میں ایک حقیقت دوسری مجاز کی بنیاد لی ہوئی ہے۔ اور اس پر مبنی ہے۔ جن قیاسات کی بنا پر۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کو سمجھ لو۔ غنیمت جان لو۔ عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔ اگر حقیقت پر نظر ہو تو سارے وجودات تمثل ہی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں کہاں جا پہنچا۔ رجوع واپسی کی بات ایسے شخص ہی سے کہی جا سکتی ہے۔ جو معارف کی انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ اس سے آگے فہم کی رسائی نہیں۔ یہاں ہماری مراد اسی قول سے ہے۔ جس کا قول ہے۔ اسی کا صاف کھلا ہوا بیان ہے۔ ماثورہ (احادیث میں آئی ہوئی دعائیں) میں ہے کہ ما ابلغ مدحتك ولا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علیٰ نفسك (ہم تیری مدح کر نہیں پاتے تیری ثنا کر نہیں سکتے جو ہمارے اندازہ وشمار سے بالاتر و بے انتہا ہے ہاں وہی جو تو نے اپنی حمد وثنا آپ کی ہے) کچھ سمجھے کہ یہ کیا ہے۔ ابتدا میں ہم نے جو کہا تھا وہ یہی کہ اعوذ بعفوك من عقابك (تیری معافی درگذر کی پناہ میں آتا ہوں تیرے عذاب تیری پکڑ سے) ایک فعل سے ایک فعل کی پناہ لے کر اعوذ برضاك من سخطك (پناہ میں آتا ہوں تیری خوشنودی رضامندی کی تیری ناخوشی ناراضی سے) کہا ایک صفت سے دوسری صفت کے دامن

(پتو) میں آگیا۔ پھر اس مقام سے ترقی کرتے ہوئے ذات میں پہنچ کر اعوذ بك منك (تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے) کہدیا۔ ما ابلغ مدحتك الا احصٰی ثناء علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك کو ان سب کو۔ اے مسکین اس وقت جانے گا جب اس مرتبہ میں آئے گا۔ میں نے اس مختصر میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کو بھی سمجھ لے گا کہ اس میں کیا کیا کھولا گیا ہے یہ بھی جان لے گا کہ جنت دوزخ ثواب عذاب کی صفت کا پوری طرح سے بیان ہوگیا۔ میں نے جو کہا ہے اس کو علماء باللہ ہی جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمائے ؎

تو چہ دانی کہ با تو نگذشت است ۔ شب ہجران و روز تنہائی

(تو کیا جانے کہ تجھ پر بیتی ہی نہیں ۔ جدائی کی رات تنہائی کا دن)

معشوق کے ساتھ خلوت (تنہائی) میں کبھی ایک نہ ہوا۔ دوئی ہمیشہ باقی رہی وصال و فراق کا کبھی احساس نہ ہوا۔ تمہیں اس بات کی کیا خبر۔ اگر اس ماثورہ سے تمہیں آشنائی (وقوف) مل جائے تو اس کو سمجھ سکو گے۔ دعائے ماثورہ یہ ہے یا نور یا نور النور یا منور النور یا نور السمٰوٰت والارض (اے نور۔ اے نور کے نور۔ اے نور کے نورانی کرنے والے۔ آسمانوں و زمین کے نور۔) ؎

کے بود ما ز ما جدا ماندہ ۔ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

(کب ایسا ہوا کہ ہم اپنے آپ سے الگ ہے۔ میں اور تو چلا گیا اور خدا رہ گیا

....

....

آٹھواں حدیقہ

نماز۔ نیت عمل

نیت المومن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔)

یا نیت المرء خیر من عملہ (مرد کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے) جو کہتے ہیں۔ حدیث شریف سے بھی اس کو اچھا خاصا لگاؤ ہے۔ فرض کرلو کہ کوئی نماز ادا کر رہا ہے۔ نماز میں۔ قیام۔ قرائت۔ رکوع۔ سجدے۔ سب کچھ جیسا کہ ادا کرنا چاہیئے کر رہا ہو۔ نماز کی نیت نہ ہو تو۔ فرض ادا ہوتا ہے نہ نفل ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی کوئی نماز ادا نہ ہوئی۔ ایسی نماز کسی حساب میں گنتی شمار میں نہیں آتی۔ ایسے حرکات کرنے والے نے جو کیا فضول۔ بیکار کام کیا جس میں نہ ثواب نہ عذاب۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ چند لوگ ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ ان میں ایک وہ ہو جو رسم و عادت کے لحاظ سے نجات کے لئے پڑھ رہا ہے ۔ ایک وہ ہو جو مراتب پر پہنچنے جنت کی نعمتوں کے لئے پڑھ رہا ہو۔ ایک وہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے ادا کر رہا ہو۔ ایک وہ ہو کہ صرف اس لئے کہ وہ ہمارا اللہ ہے ہم اس کے بندے ہیں نماز میں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نماز ہر ایک کی نیت کے موافق قبول کریگا۔ دکھاوے' اپنے آپ کو اچھا دکھلانے لوگوں کی نظر میں آنے کے لئے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کے متعلق فقیہ یہ کہتا ہے کہ اس کو نہ ثواب ملتا ہے نہ عذاب۔ صوفی کہتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے ہے یعنی مشرک ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نیت عمل سے بہتر کیوں ہے۔ اور کیا بات ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عمل المرء خیر من نیتہٖ (مرد کا عمل اسکی نیت سے بہتر ہے) ان کا مطلب یہ ہے کہ نیت ہو عمل نہ ہو تو وہ نیت کس کام کی۔ اب تم ہی سمجھ لو کہ نیت

عمل سے بہتر ہے یا نیت سے عمل بہتر ہے مثلاً ایک شخص صاحبِ نصاب ہو۔
(زکوٰۃ جس پر فرض ہوگئی ہو) ایک سال گزر گیا ہو۔ اگر وہ زکوٰۃ کی نیت کئے بغیر تمام
مال خدا کے راستہ میں دیدے تو کہتے ہیں کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اس کا درجہ بڑھا
ہوا ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث کی روایت کرتے ہیں کہ
آپؐ نے فرمایا کہ زینوا القرآن باصواتکم (قرآن کو اپنی آواز سے زینت دو)
اس فرمانے میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن سے
زینت دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی اچھی آواز سے قرآن پڑھتا ہے تو سننے والے
کے دل میں زیادہ اثر کرتا ہے۔ رقت پیدا ہوتی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا
قرآن پڑھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا اور فرمانا کہ تم کو داؤد علیہ السلام کی
آل کی بانسری میں سے ایک دی گئی ہے اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا جواب میں
یہ عرض کرنا کہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ سُن رہے ہیں تو میں اس سے بہتر طریقہ اور
عمدگی کے ساتھ پڑھتا اب تم ہی کہو کہ قرآن کی زینت آواز سے ہوئی یا آواز کی زینت
قرآن سے ہوئی۔ بہرحال اعتبارات مختلف ہیں۔ اس بارہ میں خاموشی ہی بہتر اور
اچھا طریقہ ہے وَالسَّلام۔

نواں حدیقہ

دِل کے مراتب اور طور

علمائے اہلِ سُنت والجماعت متفق ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سُنت
موکدہ ہے۔ جماعت میں امام اور مقتدی شامل ہیں۔ امام اور اس کی اقتداء کرنے والے
جہاں اکٹھے ہوں نماز ادا کریں وہ جماعت کہلاتی ہے۔ ایک کا دوسرے کے ساتھ
سبب کا ایک جگہ جمع ہوجانا۔ جماعت کا حکم رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جماعت دو کا

ایک ہو جانا تین کا ایک ہو جاتا ہے۔ تین ہوں تو جماعت ہوتی ہے جن کا پہلا اگلا ایک ہوتا ہے۔ میرے خواجہ قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ اگر کوئی اسّی سال میں ایک نماز جماعت میں آئے بغیر ادا کیا تو صوفیا اس کو گندہ کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی شیخ کا مرید اس کے حلقہ میں آجاتا ہے تو اس کو شیخ پہلی نصیحت یہ کرتا ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اس کو لازم و ضروری سمجھنا۔ بعض علما جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب کہتے ہیں سنت اور واجب میں ایک رشتہ برادری ہے جس کو بھائی چارہ بھی کہتے ہیں۔ میرے استاد مولانا عماد الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ واجبات کو مکملات کہا کرتے تھے۔ "بعض علماء" جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا فرض کہتے ہیں ارکعوا مع الراکعین کی آیت سے سند و دلیل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے معنی نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ اس کو حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ لوٹ جا نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس کے متعلق مشہور روایتیں ہیں۔ یہ حدیث کافی شہرت رکھتی ہے۔ یہ بھی سُن لو کہ موجودات (موالید) کی وضع قطع شکل و صورت قسم قسم کی ہے ہر نوع کا ایک موجود (حیوان۔ نبات۔ جماد) اپنی طور سے تسبیح و نماز میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو سر نیچا کیا ہوا کسی کو سر اوپر کیا ہوا پیدا کیا۔ حیوان۔ نبات۔ پرند۔ ان کی تسبیح ان کی نوع کے لحاظ سے ہے وہ اپنی اپنی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان من شئ یسبح بحمدہٖ (کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح و تعریف نہ کرتی ہو) اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ ہر ایک کا تسبیح کرنا صانع۔ علیم۔ قدیم۔ حکیم (بنانے والا۔ جاننے والا۔ قدامت والا حکمت والا) کے وجود کی دلیل ہے جس کی سبب تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک کی تسبیح ایک قسم کی ہے ہر ایک اپنی اپنی خاص مخصوص تسبیح کیا کرتا ہے۔ اہل کشف و عیاں (اہل اللہ) نے یقین کے ساتھ اس کی خبر دی ہے۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ اور اس حیونٹی کی حکایت

جو آپ کے نعلین کے چمڑے سے زخمی ہو چکی تھی۔ کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ سبحانہ فرماتا ہے کہ وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن (ہم نے پہاڑ کو داؤد کے حکم میں کر دیا اور وہ تسبیح کرتے ہیں) کنّا فاعلین (ہم ہی کرنے والے ہیں اس کے بالصفات گواہ ہیں) بحمدہٖ۔ جو ضمیر (اسم اشارہ) ہے وہ اللہ کی طرف راجع ہوتی (لوٹتی) ہے اگر شئی (چیز) کے ساتھ راجع ہے۔ کہیں بھی تو ہو سکتا۔ کیونکہ وما من موجود الّا اللہ (نہیں ہے کوئی موجود مگر اسی کے لئے) یعنی جس مرتبہ میں بھی جو کوئی ہے اس کی ایک نسبت اپنی طرف اور ایک نسبت اپنے پروردگار کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا جب توجہ پروردگار کی طرف ہو تو وہ وجہ اور نسبت جو کسی چیز میں ہے وہ بھی تو پروردگاری ہی سے نسبت رکھتی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہی طرف لوٹتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنی خاص و مختص تسبیح نہ کرتی ہو۔ لاحول ولا قوۃ الّا باللہ۔ میں کہاں جا پہنچا۔ اب ہم اسی گفتگو میں آجاتے ہیں جو ہم کر رہے تھے۔ ایک مخلوق ایسی بھی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت لوٹتے پوٹتے چت لیٹے ہوئے کیا کرتی ہے۔ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو سیدھا کھڑے ہو کر۔ جھک کر زمین پر سر رکھ کر بیٹھ کر لیٹ کر ہر قسم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا ہے اس کی ایک مخلوق ایسی بھی ہے جو سر نیچا کئے ہوئے اس کی عبادت میں مشغول ہے۔ ومنھم من یمشی علیٰ اربع۔ (ان میں کے وہ جو چار پاؤں پر چلتے ہیں) یعنی چوپایہ..... اس کی ایک مخلوق وہ بھی ہے جو پیٹ کے بل گھستے رینگتے ہوئے چلتی ہے جس کی نسبت ومنھم من یمشی علی بطنہٖ (وہ جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں) جیسے کہ سانپ وغیرہ سارے اقسام و انواع کی مخلوق کے لئے ایک ایک طرح سے ادائی مقرر ہے۔ ایک انسان ہی وہ ہے کہ وہ ہر قسم و ہر نوع کی عبادت میں رہتا ہے۔ مثلاً اگر کھڑا ہوا ہے تو کھڑے ہوئے بھی عبادت میں ہے جس کو

قیام کہتے ہیں ۔ جھکا ہوا ہے تو جھک کر بھی عبادت میں ہے جس کو رکوع کہتے ہیں ۔
یہ چوپایوں کی عبادت کی صورت ہے اگر پیشانی اور منہ کے بل عبادت میں
ہو جاتا ہے تو اس کو سجدہ کہتے ہیں یہ پیٹ کے بل چلنے والوں کی عبادت کی
صورت ہے کہ وہ سر جھکائے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔ غور کرلو کہ
جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے کیا معنی ہوئے ۔ یہی کہ اللہ ہی کے ہو جانا ۔
اللہ ہی کے لئے اللہ کی عبادت کرنا ۔ ارکان میں برابری کو فرض کہا گیا حق و حقیقت
کی حقیقتاً یہی نماز ہے ۔ نماز کا جماعت کے ساتھ ادا ہونا یہی ہے ۔ غور سے
سنو انسان ایک جسم ایک دل ۔ ایک روح ۔ ایک سر (روح الروح) اور ایک
انتہائی باطن رکھتا ہے جس کو خفی کہتے ہیں ۔ یہ پانچوں ایک ہی خانہ میں قرار لیتے
ٹھہرتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد (ملاپ) کی صورت رکھتے ہیں ۔ دل
خفی میں اس طرح جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ قطرۂ دریا میں ۔ ایک کی دوسرے کے ساتھ
اتحاد کی یہی مثال ہے ۔

اے عزیز ۔ نماز جماعت کے ساتھ ۔ حق کی قسم ۔ رب العزت کی معرفت
کے ساتھ نماز ادا کرنے کے سوائے کچھ نہیں ۔ لِلّٰہ ہے ۔ اللہ ہی کے لئے ادا کیجاتی
اللہ ہی اللہ نماز میں ہوتا ہے انا من اھوئی من اھوئی (میں ہی میں ہوں
میرے سوائے کون ہے ۔) کہا گیا ۔

والسّلام

دسواں حدیقہ

دل اور اسکی کیفیت

قرآن کی تفسیر کرنے والے۔ دین کے علما، وحکماء سب اس میں ایک رائے ہیں سب کا اتفاق اس پر ہے کہ اللسان ترجمان القلب (زبان دل کی ترجمان ہے) جو دل میں ہوتا ہے وہ کہتی ہے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ نظریہ کلام باری تعالیٰ ونقدس کے ساتھ کسی طرح سے بھی ٹھیک ودرست ربط نہیں پاتا۔ کیسے پاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے۔ ان کے دلوں میں کچھ نہیں۔ وہ آیت یہ ہے یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم۔ بہت سال رو سے جنھیں علمی گفتگو، نازک باریک باتوں سے واقف وباخبر ہونے کا دعویٰ تھا میں نے اس بارہ میں سوال کیا۔ جواب خاموشی تھی۔ ان کا چپ رہنا۔ گھبرائی ہوئی پریشان صورت لئے ہوئے تھا۔ چونکہ ہمارا مقصد تحقیق کے ساتھ بیان کرنا سمجھا تا ہے اس لئے ہم تھوڑی سی تمہید وتفہیم کے ساتھ بیان کریں گے بسنو۔ دل کے سات طور بتلائے گئے ہیں ایک کو قلب (دل) دوسرے کو فواد (گہرائی دل) تیسرے کو شغفات (دل کی گہرائی) چوتھے کو جاشش (دل کی توڑ موڑ) پانچویں کو خلد (دل کی دائمی) چھٹے کو ہاجہ (دل کا تحرک) ساتویں کو جمال (دل کا ابھار) کہتے ہیں ان ہی ساتوں کے اور بھی نام ہیں۔ جو بھی ہیں وہ دل کے طور کے نام ہیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ زبان سے نہیں کہتا بلکہ اور ہی کہہ جاتا ہے۔ اس کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل کے پردوں میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے زبان سے کچھ اور کہہ جاتا ہے۔ دل میں جو ہے وہ نہیں کہتا۔ کلام اللہ کا حافظ۔ قرآن پڑھتا پڑھتا جاتا ہے اور

اس کا دل قسم قسم کی باتیں اس سے کرتا جاتا ہے۔ حکایتوں کا بیان ان سات پردوں میں سے ایک پردہ میں ضرور ہے۔ عاشق مبتلا۔ جس پر محبت غلبہ پا جاتی۔ وہ چوتھے درجہ میں ہوتا ہے۔ حق کے سوائے دوسرے کی محبت چوتھے پردہ تک ہے۔ اللہ کی محبت جب دل کی گہرائیوں میں آجاتی گھر کر جاتی ہے تو "اللہ" کے سوائے جو کچھ ہیں ان کا گذر اس تنہائی میں نہیں ہونے پاتا۔ اگر حافظ قرآن اس طرح پڑھے کہ جو کچھ وہ زبان سے ادا کر رہا ہے پڑھ رہا ہے۔ اس کا دل بھی وہی کہتا جائے تو بہت جلد قرآن کے اسرار و رموز اس پر کھل جائیں۔ یہ حروف اس کی مراد کے موافق اسی کے ہاتھ آجائے۔ لطیف زمانہ (کم وقت) میں الحمد والناس تک حرفاً حرفاً حروف و مخارج کے ساتھ بغیر کسی غلطی یا سہو یا لغزش کے تلاوت قرآن ہاتھ آجائے۔ یہ بات نادر یعنی ایسی اچھوتی ہے کہ علمائے باللہ کو ان کے جگر پانی پانی ہونے۔ خون تھوکنے کے بعد ہاتھ آتی ہے۔ وہ بہت ہی نیک بخت ہے۔ جس کی بغل میں یہ عروس ازلی (ہمیشہ کی دلہن) آجائے۔ سنائی رحمتہ اللہ علیہ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں ؎

عروس حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد[1] — کہ دار الملک ایماں را مجرد بیند از غوغا

حضرت قرآن اپنا نقاب اس وقت کھولتا ہے — جب کہ ایمان کے دارالسلطنت کو گڑبڑ سے پاک صاف دیکھے

اس مقام اس مرتبہ میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام نفسی سے ازلاً و ابداً کلام میں ہے وہ اسی طرح سے گفتگو میں ہے کہ خاموشی چپ ہونا اس کے لائق و سزاوار نہیں۔ حدوث (نو پیدا) زوال (گھٹ جانا) اور جمع کلام میں اس کا کلام جمع کرنا چاہیں تو وہ عربی میں ہو یا عبرانی قرآن میں ہو یا توریت زبور و انجیل میں۔ یہ سب ایک ہی حرف ہے۔ اگر کوئی ان حروف کو پہنچ گیا۔ اس کی صفت سے متصف ہو گیا تو اس کا کلام اس کی گفتار ویسی نہیں ہوتی۔

---

[1] عروس حضرت قرآن اس وقت اپنا نقاب الٹتی ہے جب کہ ایمان کے غوغہ سے دور مومن کے دل کو مجرد اور مقصود دیکھے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ شانۂ بِسْمِ اللّٰه فرماتا ہے تو پورا فرماتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ پہلے با و پھر سین پھر میم وغیرہ۔ جنھوں نے اس کا کلام اس ترتیب سے سنا ہے اگر ان کے قصے بیان کئے جائیں تو کئی جلدیں ختم ہو جائیں اور بات پوری نہ ہو۔ اس بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک حرف ہی ہے اگر اس کو تحریر و تقریر میں لایا جائے تو ایک کتب خانہ بھی کافی نہ ہو۔

بعض محققین نے کلامٌ لیس بحرف ولا صوت ولا غیر حرف وصوت
(یہ وہ کلام ہے کہ نہ تو حرف کے ساتھ ہے نہ آواز کے ساتھ نہ غیر حرف نہ غیر آواز کے)

سخن کوتاہ کن گیسو دراز ا چو میدانی کہ محرم در جہان نیست
(اے گیسو دراز۔ بات ختم کرو جب تم یہ جانتے ہو کہ دنیا میں کوئی رازدار نہیں)

یہاں لفظ و حرف بیان نہیں۔ اشارے رمز کنایہ پلک مارنے اور اشارہ چشم کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی چارہ ہی نہیں۔ کچھ کہنے میں آ نہیں سکتا کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سالک مرشدوں پیروں کے سہارے کھڑا ہوا ہے۔ یہ جاہل عالم۔ نابالغ۔ بوڑھے سپید سر سپید داڑھی والے بچے اندھیرے میں ہیں۔ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس لئے تم اپنی زبان روک لو۔

مرد معنیٰ را طلب آر ایں میان اہل صورت را نباشد اعتبار
(ان میں سے باطن کے مرد کو ڈھونڈھ نکال ظاہر کے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں)

نوٹ:۔ اس کے بعد گیارھواں اور بارھواں حدیقہ ہے بعض قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں دسویں کے بعد پہلا دوسرا حدیقہ لکھا ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ پہلے اور دوسرے کا تکملہ معلوم ہوتا ہے لیکن قائمہ حدیقہ ہے۔ (مترجم)

گیارھواں حدیقہ

محبتِ حق - ازلیت - ابدیت

سب کاموں سے زیادہ اہم کام ساری بزرگیوں میں بڑی بزرگی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ تعالی اللہ عن الزوال والانصرام (اللہ تعالیٰ پاک برتر ہے گھٹنے پورے ہوجانے سے) جب کوئی سمجھدار تعلیمیافتہ علم وحکمت کا ذائقہ پایا ہوا سوچتا ہے کہ اپنی عمر (زندگی) کو کس کام میں لگائے کس کی طلب میں صرف کرے۔ زندگی کا مقصد ومطلب کیا ہونا چاہیئے تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کسی سے محبت پیدا کرنی چاہیئے۔ جب غور وفکر کرتا ہے تو سب کو نزول وزوال میں دیکھتا ہے۔ محبت کے اسباب ولوازم قسم قسم کے پاتا ہے۔ گم ہونے مٹ جانے اتر جانے گھٹنے کی چکر میں دیکھتا ہے۔ ہر چیز کو فنا کی پھیر میں پاتا ہے تو آخرش اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ سب سے بہترین چیز۔ سارے مطالب ومقاصد میں اعلیٰ ترین مقصد ومطلب پروردگار تعالیٰ وتقدس کی عبادت ہے اس کو بھی عدم یعنی "غیب کے پردہ" "نہیں" ہی کے جنور میں چھپی ہوئی پاتا ہے۔ فرض کرو کہ کوئی لِلّٰہ فی اللہ (اللہ کے واسطے اللہ کے لئے) نماز کہ بہترین نیک کام ہے۔ اس کو پورے شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرے۔ اگر اس کو خداوند تعالیٰ نے قبول کیا تو اس کی جزا (بدلہ) دے گا۔ اس لحاظ سے نماز خیال ہی کے پھیر میں پڑجاتی ہے کہ وہی جگہ انعام واکرام کی ہے۔ عبادت بندگی محنت مشقت برداشت کی جگہ نہیں وہاں آرام ہی آرام ہے اگر کوئی نماز پڑھنے لگ جاتا ہے اس کو اس پر استقامت مل جاتی ہے تو وہ لذیذ ترین۔ پسندیدہ ترین چیزوں میں کی ایک چیز ہوجاتی ہے۔ اصل حقیقت یہ کہ اس کی نماز اس کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ یعنی اس کی نماز خدا کی نماز نہ رہی بلکہ اس کی پسندیدہ مرغوب چیز ہوگئی

عبادت میں مزہ ملنے لگا معبود سے جس کی عبادت کیا کرتا تھا اس کا خیال نہ رہا۔ ذریعہ وزینہ ہی کی ہوا و فضا میں گم ہوگیا۔ اس پر سے قیاس ہوسکتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ جہل ہی ہے۔ دولت۔ مرتبہ۔ قوت۔ عیش سے فائدہ اُٹھانا۔ آرام پانا خیال بازی ہی خیال بازی ہے۔ نماز جو حسنہ اور عین حسنہ ہے اس کا یہ حال یہ صورت ہے تو مال مرتبہ جاہ و عزت طاقت زور راحت وآرام وغیرہ کس شمار وقطار میں آئیں گے۔ ان کے علاوہ اور چیزوں کی نسبت کیا کہا جاسکتا ہے اس سے صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کوئی چیز ہے تو وہ اللہ کی محبت ہے۔ اللہ کی محبت ایسی محبت ہے جو ازل ابد کے صفات رکھتی ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ اس کے ساتھ محبت کرنا ازلی وابدی کے ساتھ ہوجانا ہے۔ اس لئے ہر سمجھدار تعلیم یافتہ سب سے منہ موڑ کر سب کی طرف پیٹھ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف رخ کرتا ہے۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ؎

گرت نزہت ہمی باید بصحرائے قناعت شو ۔۔۔ کہ آنجا باغ در باغ است خان در خان و وادر وا
(اگر خوشی چاہتا ہے تو قناعت کے میدان میں آجا ۔۔۔ کہ وہاں باغ میں باغ گھر میں گھر اور کھلے میں کھلا)

ور از آفت ہمی ترسی زنا اہلاں ببر صحبت ۔۔۔ کہ از دام زبوں گیراں بعزلت رستہ شد عنقا
(اور اگر خرابیوں سے ڈرتا ہے تو نا اہلوں کی صحبت چھوڑ۔ کیونکہ برے شکاریوں کے جال سے بچنے کیلئے عنقا کنارہ کش ہے)

مرا بارے بحمد للہ زراہ ہمت و حکمت ۔۔۔ بسوئے خطۂ وحدت برد عقل از خط اشیا
(مجھ کو اللہ کا شکر۔ ہمت وحکمت کے راستے سے ۔۔۔ وحدت کے مرتبہ میں۔ کثرت کے مرتبہ سے عقل لے پہنچی)

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ میری حکمت و ہمت کا تقاضا یہ ہوا کہ میں خداوند تعالیٰ سبحانہ کے سوائے کسی کا طالب نہ رہوں۔ اسی کی طلب۔ اسی کی محبت میں اسی کے لئے اپنی عمر صرف کردوں۔ سمجھو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہماری بات ذہن نشین کرلو۔ نہایت سمجھداری۔ پورے اہتمام کے ساتھ۔ سب سے اونچے مرتبہ میں منقش

وثبتث (بٹھالو۔ ثابت) کرلو۔ محبت سے بھرا ہوا طالب ۔ مرمٹا ہوا عاشق اسی کا ہوکر رہ جاتا ہے ۔ جو اسی کا ہوگیا اس کے دل میں اللہ کی طرف سے القا ہونے لگتا ہے ۔ قدوسی سبوحی کا طالب وہ ہوتا ہے جس کا وجود سارے وجودات سے بالکل الگ اور ساری نسبت و اضافت سے پرے ہو وہ کچھ اور ہی ہوتا ہے ۔ استاد ۔ فقیہ ۔ واعظ ۔ مفسر ۔ محدث ۔ ناصح سب ہی ۔ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ۔ طالبِ مولیٰ کو نصیحت کیا کرتے ہیں کہ یا ابن نساء الحیض این التراب ورب الارباب وابن الماء والطین من حدیث رب العالمین (اے حیض آنے والی عورت کے بیٹے ۔ کہاں مٹی پانی اور کہاں سارے جہان کا پروردگار) تم کیا تمہاری ہستی کیا ۔ تم کو دیکھو ۔ اس بات کو دیکھو ۔ عبودیت (بندگی) کے دائرہ ہی میں مضبوطی کے ساتھ رہ کر ۔ اُمیدوار رہوگے تو تمہیں نجات مل جائے گی ۔ اگر تمہیں بڑے مرتبہ مل جائیں ۔ جنت میں جانا نصیب ہوجائے تو اسی کو ذٰلك فضل الله یوتیه من یشاءُ (یہ ہے اللہ کا فضل وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے) سمجھو جب عاشق سالک ۔ ان حضرات سے یہ سُنتا ہے تو بچارہ مسکین سوچ میں پڑجاتا ہے ۔ چپکے چپکے سوچنے لگ جاتا ہے یہی سوچ لگ جاتی ہے کہ نصیحت کرنے والوں نے نصیحت کے کرنے کا جو حق تھا اس کو اچھی طرح سے ادا کیا ۔ مجعول (بنایا گیا ہوا) محمول (بوجھ لادا گیا ہوا) تجھ کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت استغفر اللہ (پناہ مانگتا ہوں اللہ کی) اس سے محبت کیسے ہوسکتی ہے ۔ محبت کے لئے ہم جنس (ایک ہی قسم کے) ہونا لازی و ضروری ہے بشرطا اہم یہی ہے ۔ جب یہ نہیں تو سہ

دلا دامن فراہم کن کجا ما و کجا ایشان (اے دل دامن سمیٹ لے ہم کہاں وہ کہاں)

اپنے آپ میں کہنے لگتا ہے کہ دل کو اس سے لوٹا لا ۔ نماز ۔ روزہ ۔ تلاوت ہی میں اپنے آپ کو لگائے رکھ ۔ پھر وہ جب اپنے آپ میں غور کرتا ہے تو اپنے دل کو اس کی

محبت میں مشغول اسی میں پھنسا ہوا پاتا ہے تو تنگ آکر رونے لگتا ہے۔ چیخنے چلانے تڑپنے بلبلانے لگ جاتا ہے۔ اپنے ساتھی۔ رازدار سے یہ کہتا ہے ؎

دل را ز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ ۔۔۔ ایں بُت پرست کہنہ مسلماں نمی شود

(دل کو عشق کے بارے میں جتنا بھی برا بھلا کہو نہیں مانتا۔ یہ بُت کا پرانا پجاری مسلمان ہی نہیں ہوتا)

یہ رباعی بھی اس کے حسب حال ہو جاتی ہے ؎

صوفی شوم وخرقہ کنم فیروزہ ۔۔۔ دروے سازم ز درد تو ہر روزہ

(صوفی ہو جاؤں خرقہ نیلا کروں ۔۔۔ تیرے درد کی رٹ ہر روز کرنے لگوں۔)

زنبیلی بدست دیوانہ دہم ۔۔۔ تا از در تو درو کند دریوزہ

(دیوانہ کے ہاتھ میں جھولی دے دوں ۔۔۔ تاکہ تیرے دروازہ سے درد کی بھیک مانگے)

میرے خواجہ قدس سرہٗ نے "تا از در تو درو کند دریوزہ" کی کئی دفعہ تکرار فرمائی اور فرمایا "تا از در تو درد کند دریوزہ"۔ مشتاق۔ مبتلا۔ گرفتار اس شعر کو بار بار اپنے آپ میں دہرایا کرتا ہے۔ ؎

محمد را ز حال او چہ پُرسی ۔۔۔ گرفتارم گرفتارم گرفتار

(محمد سے اس کا حال کیا پوچھتے ہو۔ گرفتار ہوں گرفتار ہوں گرفتار)

محمد حسینی اپنے آپ سے کہا کرتا تھا کہ ہاں ہاں وہ عزیز بزرگوار میں ہی ہوں۔ وَالسَّلَامُ

بارھواں حدیقہ

ارادت وطلب

جب کسی طالب سے پوچھا جائے کہ تم نے اہل تصوف کا راستہ ان کا طریقہ ان کی ارادت کیوں اختیار کی۔ ان کے کہنے میں ان کے زیر حکم کیوں آگئے اپنی جان جہان (سب کچھ) اور اپنے آپ کو ان کے پاؤں کے تلے کی خاک کیوں بنالی۔ اس کے جواب میں ممکن ہے کہ وہ اپنے رازدار دوست سے یہ کہے کہ حق تعالیٰ کی محبت میرے دل میں القاء ہوئی۔ (ڈالی گئی) حق کے جمال وکمال کے دیدار کا ولولہ میرے دل میں پیدا ہوگیا۔ میں حیران وسراسیمہ (پریشان ومتعجب) رہ گیا۔ بہترا چاہا کہ دل کو اس سے لوٹا لاؤں لیکن وہ اس سے باز نہ آیا۔ فقہا۔ محدثین۔ مفسرین سے پوچھا تو وہ سب کے سب انگلی دانتوں میں داب لئے۔ سبھوں نے یہی کہا کہ خبردار ایسی بات زبان پر نہ لانا۔ جب قیامت ہوگی سب جنت میں پہنچ جائیں گے جنت کی ساری نعمتیں پوری ہوجائیں گی تو یہ دولت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے جمال لایزال کا مشاہدہ یعنی دیدار اس کا دیکھنا وہاں نصیب ہوگا۔ حقیقی بات یہی ہے۔ برخلاف اس کے تم اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں، و فی الوقت طلب کررہے ہو یہ محال ہے دنیا میں میسر نہیں ہوسکتی۔ توبہ کرو استغفار کرتے رہو۔ دنیا میں اس سے ملنے اس کے دیکھنے کے خطرہ کو دل سے نکال باہر کرو معذرت چاہو۔ معافی مانگو۔ یہ سب کچھ سننے کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس بات پر نہ لاسکا۔

فقہا۔ محدثین۔ مفسرین کی تعلیم یہی تھی کہ تم کہاں وہ کہاں۔ توبہ توبہ اس کے باوجود بھی میں خود کو اسی کا خواہاں اسی کا چاہنے والا۔ اسی کے لئے اپنے

دل کو بے چین مضطرب پایا یہ شعر میرے حسب حال ہو گیا ؎

دل را ز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ　　　ایں بُت پرست کہنہ مسلماں نمی شود

(دل کو عشق کے بارے میں چاہے کتنا ہی بُرا بھلا کہوں۔ یہ پُرانا بُت کا پوجنے والا مسلمان نہیں ہوتا)

حیرت ایسے بھنور میں لائی کہ جس کا آگا پیچھا نہ تھا میں اس میں گِھر گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اسی چکر میں تھا کہ یکایک میں نے یہ سنا کہ صوفیا کا گروہ ہی ایسا گروہ ہے جو اس کا پتہ دیتا ہے۔ یہ اُن ہی کے معاملات ہیں وہ اسی قسم کی باتیں کیا کرتے۔ اسی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہر وقت یہ دو شعر پڑھا کرتے ہیں ؎

انا نکہ ریاضت کش و سجادہ نشینند　　　باید کہ خدا را بنمایند و ببینند

(وہ جو محنتیں اُٹھاتے ہیں مصلّی پر بیٹھتے ہیں　　　انھیں لازم ہے کہ وہ خدا کو دکھلائیں دیکھیں)

درخود نہ نمایند نہ بینند بہ تحقیق　　　از اہلِ سماوات کہ ماجوج زمینند

(اپنے میں نہیں دکھلاتے نہ دیکھتے ہیں　　　آسمان والے زمین کے فسادی ہیں)

جیسے ہی یہ سُنا۔ ان کی بارگاہ عالیہ کی طرف سر کے بل چلتا ہوا پہنچا۔ ان کے آستانہ پر اپنی پیشانی رکھی۔ ان کی دہلیز چومی۔ ان کے قدموں میں خود کو ڈال دیا! اُن کا ہو گیا تو میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ ان میں کا ایک لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ سِوَی اللہ (نہیں ہے میرے شایہ میں اللہ کے سوائے) اور ایک انا الحق (میں حق ہوں) اور ایک سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (میں سبحان (پاک) ہوں میری کیسی بڑی شان ہے) میرے دل نے گواہی دی میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بات کسی سے اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اس کے دیدار سے نصیبہ نہ پائے۔ بہرحال میں نے اپنے آپ کو ان کے پاس لے آیا۔ ان کے قدموں سے مشرف کرا کے ان کی سلک میں منسلک ہو گیا جو تعلیم کی۔ اس کے آثار علامات کھلے اور ظاہر دیکھا۔ اہلِ تصوف کا راستہ اختیار کرنے کی یہی وجہ ہوئی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا۔

ارشاد کیا۔ ہدایت پانے والے کے لئے ہزاروں اشارہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ توبہ توبہ یہ محض عقلمندوں کی نہیں طالبوں سمجھ داروں کی راہ ہے یہ بڑی قوت ہے۔ ایسی ایسی ہے۔ والسّلام

تمّت الرّسالۃ

(رسالہ ختم ہوا)

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ پنجم

وجود العاشقین

معروف بہ

رسالۂ عشقیہ

از تصنیفات

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ۔ ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں اور ایسی توصیف کہ وہ شمار میں نہیں آتی گنی نہیں جاسکتی ۔ قادر مطلق ۔ حاکم برحق ۔ عاشقوں کی جان کی جان ۔ ساری دنیا جہان کے صاحب و مالک ہی کے لائق اسی کو سزاوار ہے ۔ احمدؐ حق شناس محب درگاہ ۔ محبوب شاہنشاہ ۔ معین العاشقین ۔ مفید المحققین و التابعین المقربین (احمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے پہچاننے والے ۔ عاشق محبت کرنے والے اعلیٰ کے اعلیٰ اور بادشاہوں کے بادشاہ کے محبوب ۔ عاشقوں کی مدد کرنے والے کہ آپ محققین اور آپ کی پیروی و اتباع کرنے والوں کے لئے فائدہ مند) ہیں آپ پر اور آپ کی آل بزرگ پر بے انتہا درود و سلام ۔

اما بعد (حمد و ثنا کے بعد) عشق کہ جس کا کوئی کنارا نہیں اس پاک جان کی جس کی نہایت نہیں ۔ چند باتیں ھو اللہ (وہی ہے اللہ) کی عنایت اور حسبی اللہ (بس ہے اللہ) کے اشارت (اشارہ) سے لکھی جاتی ہیں تاکہ محبت والوں کی محبت ۔ دوستی رکھنے والوں کی دوستی زیادہ ہو کر محبت اور دوستی کا انھیں راستہ بتلائے ۔ وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنے اس سے ملنے کی) کی امید ۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا) سے ان میں پیدا ہو جائے ۔

اے عزیز ۔ اچھی طرح سے اس کو سمجھ جاؤ کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ یہی تین ہیں جن کو

عشق ۔ عاشق ۔ معشوق کہتے ہیں اس کے سوا جن کو "ہیں" کہتے ہیں وہ سب ہیچ بیکار و فضول ہیں کسی کام کے نہیں ۔ یہی ظاہر و ظہور ۔ باطن و بطون ہیں ۔ ظاہر سے خلق باطن سے خالق مراد ہے ظاہر و باطن ۔ ذات کے دو مرتبے جو کہے جاتے ہیں وہ حقیقت میں ایک ہی مرتبہ ہے ۔ جس کے بہت سارے مراتب ہیں سمجھنے کی بات اس قدر ہے کہ احد (ایک) میں جو الف ہے وہ عشق اور حا عاشق اور دال معشوق کے معنے لئے ہوئے ہے ۔ درحقیقت توحید کی جمع میں یہ تینوں ایک ہیں ۔ بالتمثیل ایسے ہی ہیں جیسے دریا ۔ اس کی موج ۔ اس کا جھاگ درحقیقت یہ تینوں دریا ہی کے اعتبار ہیں ۔ جب کسی پر حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اس میں "میں" "تو" باقی نہیں رہتا ۔ وہ جان لیتا ہے کہ یہ میں اور تو ۔ ایک ہی دم ہے چنانچہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ (اور ہم نے امر نہ دیا مگر ایک یعنی ہم نے ایک ہی حکم دیا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری صفت ایک ہے یعنی "ذات" جو صفت میں آسکتی صفت لے سکتی صفت ہو سکتی ہے "وہ ایک ہے" "ایک سے زیادہ نہیں" نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ العشق نارٌ اذا یقع یحرق ماسوی المحبوب (عشق ایک آگ ہے جب وہ ڈالی جاتی ہے تو محبوب کے سوائے سب کو جلا ڈالتی ہے یعنی محبوب کے سوائے جو کچھ ہو اس کو نیست و نابود کر دیتی کسی کو رہنے نہیں دیتی ۔ عشق ہی رہ جاتا ہے ۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

جہاں عشق است دیگر زرق سازی ہمہ بازیست الا عشق بازی

(دنیا جہان عشق ہے ۔ دوسری باتیں دھوکہ سب کھیل کھلونے ہیں ۔ کام کی چیز عشق ہی ہے)

جب یہ آگ ہاتھ آجاتی ہے تو تن کی لکڑی جل جاتی ہے ۔ تم تم نہیں رہتے ۔ عشق ہی عشق رہ جاتا ہے ۔ تم نہیں جلتے عشق ہی جاتا ہے ۔ تم اپنے آپ کو ہار دیتے ہو ۔ اپنی خودی سے آپ ہی چھٹکارہ پا جاتے ہو ۔ آب و گل (مٹی پانی سے یعنی بدن کی آلائش (جسم و جسمانیت) سے دونوں بھی (عشق اور دل) پاک ہیں ۔ مطلب

یہ کہ عشق جہاں کہیں سر اُٹھاتا ہے ۔ اپنی آنکھیں آپ ہی ملتا ہے ۔ اپنے میں آپ ہی ہمیشہ روتا رہتا ہے ۔

مجنونِ عشق را اوگر امروز حالت است ۔ کہ اسلام عشق لیلیٰ و دیگر ضلالت است
(عشق کے مارے ہوئے کی آج اور ہی حالت ہے ۔ لیلیٰ کا عشق اس کا اسلام ہے کہ سوائے سب گمراہی سچ ہے ۔ مجنوں کا بھید مجنوں جانے یعنی دیوانہ کا راز دیوانہ ہی جانتا ہے ۔ عقلمند کی یہاں رسائی نہیں اس کی عقل یہاں کام نہیں کرتی ۔

عشق ۔ میں تین حرف ع ش ق ۔ ہیں ع سے عقل کی نفی (دور کرنا دور ہونا) یعنی عقل سے ہاتھ دھونا ۔ ش سے شرم شرک کی نفی (حیا اور دُو ٹھیرانے کو مٹا دینا) ق سے جسم و جسمانیت کی نفی (ہونے کے توہم کا ملیا میٹ کردینا) ۔ تین کی نفی کا مطلب یہ ہے اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب عشق آجاتا ہے تو تینوں کی نفی ہو جاتی ہے ان کو فراموش کرا دیتا بھلا دیتا ہیچ کر دیتا ہے چنانچہ اسی کو عاشق ہادی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں ؎

چو عشق آمد از عقل دیگر مگوے ۔ کہ در دست چوگان اسیر است گوے
(جب عشق آگیا تو پھر عقل کی باتیں نہ کیا کرو ۔ کیونکہ گیند ۔ بلے کے اختیار و قابو میں آگئی ہے)

عشق کے مراتب پانچ بیان کئے گئے ہیں ۔ پہلے مرتبہ کو شریعت یعنی محبوب کے جمال کا شوق پیدا ہونے کے لئے خبر کا سننا ۔ دوسرے مرتبہ کو طریقت یعنی محبوب کا طالب ہو جانا ۔ معشوق کی پے میں لگ جانا ۔ طلب کا راستہ طے کرنا ۔ تیسرے مرتبہ کو حقیقت یعنی محبوب کے حُسن اس کی حضوری میں ہمیشہ رہنا ۔ چوتھے مرتبہ کو معرفت یعنی اپنی مراد (مطلب ۔ آرزو ۔ خواہش) کو محبوب کی مراد میں محو و گم کر دینا ۔ میٹ دینا خود ملیامیٹ ہو جانا ۔ پانچویں مرتبہ کو وحدت یعنی اس میں فنا ہونے والے وجود کے ظاہر و باطن کو توڑ دے کر نابود کر دینا ۔ محبوب ہی کو ظاہر

و باطن میں موجود مطلق رکھنا۔

یہ پانچ مراتب جن کو مقام بھی کہتے ہیں۔ اس مقام کے پانچ ملحد ہوتے ہیں
ملحد شریعت اس کو کہتے ہیں جو شرع شریف کے خلاف کام کرتا خود کو محقق جانتا ہے۔
ملحد طریقت وہ ہے جو گذر بسر کی خاطر پیسہ کا حاصل کرنے کے لئے مخلوق کی
خدمت کیا کرتا۔ اپنے آپ میں رہا کرتا ہے۔
ملحد حقیقت وہ ہے کہ جو خود کو فقیر کہتا ہے۔ کہلاتا ہے۔ غیروں کی خوشامد کرتا ہے
ملحد معرفت وہ ہے جو خود کو عارف جانتا ہے غیر بین (دوسرے کا دیکھنے والا)
ہوتا ہے غیر و غیریت میں۔ تو سے نہیں نکلتا۔
ملحد وحدت وہ ہے کہ اس کو حاضر جانتا۔ پاتا ہے۔ ہاتھ اٹھا کر عرش پر نظر
رکھکر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا مدد و امداد کا طالب ہوتا ہے۔
جب کوئی اس الحاد سے گذر جاتا ان ملحدوں کو مار لیتا ہے تو اس مرتبہ کا
کمال پورا ہونے سے انتہائے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ محبوب ہی محبوب۔ عشق ہی
عشق ہو کر رہ جاتا ہے۔ عاشق و معشوق کی موج۔ عشق کے دریا میں لاپتہ ہو جاتی
ہے۔ یعنی۔ عاشق معشوق عشق میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایک بزرگ کا فرمانا ہے کہ
الوجود بین العشقین کا الطھر بین الدمین۔ (وجود دو عشق کے درمیان
ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ مدت حیض جو دو حیض کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اس
کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ وجود۔ عشق کے دو مراتب کے بیچوں بیچ ہے۔ ابتدا میں
بھی عشق ہے۔ انتہا میں بھی عشق ہے۔ یعنی عشق ہی عشق ہے۔ جو ہمیشہ رہتا ہے۔
اتنا سمجھ لو کہ وجود۔ عشق کے سوا نہیں یعنی وجود ہی عشق ہے۔ عشق ہی وجود ہے
" وجود میں عشق ہی ہے " کوئی عشق کے بغیر رہ نہیں سکتا اس سے ثابت ہوتا ہے
کہ اول آخر ظاہر باطن عشق ہی ہے۔ جو کچھ ہے عشق ہے۔ ـــ۵

چیست آدم چیست حوا عشق بس   گرچہ آیند صد ہزاراں پیش و پس

(آدم۔ حوا کیا ہیں۔ عشق ہی تو ہیں   اگر ہزار ہا۔ ایک کے بعد ایک آئیں

تم نے عشق کی بنیاد سُن لی۔ اب ذرا کان لگا کر عشق کے کمالات بھی سُن لو۔ ان کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔ عشق وہ تخم (بیج) ہے جس سے ایک درخت پیدا (ظاہر) ہوا اسی کو وجود جانتے جسم کہتے اور تن بولتے ہیں۔ اسی درخت وجود کی پانچ اصل (جڑیں) ہیں۔ جن کو عقل۔ وہم۔ روح۔ علم اور جان بولتے ہیں حقیقت بھی کہتے ہیں۔ ان پانچ میں سے ہر ایک میں سے پانچ۔ شاخ (ڈالیاں) نکلی ہیں عقل سے بینائی (دیکھنے کی قوت) وہم سے شنوائی (سننے کی قوت) روح سے گویائی (کہنے بات کرنے کی قوت) علم سے دانائی (سمجھنے کی قوت) جان سے توانائی (طاقت قوت) ان پانچ ڈالیوں میں پانچ پتے نکلے بینائی سے حرص (لالچ) شنوائی سے کینہ (دل کا کھوٹ) گویائی سے غضب (غصہ) توانائی سے حسد (ڈاہ) دانائی سے کبر (بڑاپن اکڑ) ان پانچوں کو نفس اور اُن پانچوں کو دل کہتے ہیں مرتبۂ ذات میں یہ ایک ہیں اسی کو شریعت کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں

نفس و روح و عقل و دل جملہ یکیست   مرد معنیٰ را دریں رہ کے شک ایست

تم نے جڑ۔ ڈالی۔ پتہ کو سُن لیا بلکہ پالیا۔ اب پھول اور میوہ کو بھی سُن لو۔ اس کے پھول بھی پانچ ہیں۔ طاعت۔ زہد۔ تلاوت۔ قناعت اور سخاوت مجموعی طور سے اسی کو طریقت کہتے ہیں۔

اے عزیز میوے بھی پانچ ہیں شفقت۔ محبت۔ رحمت۔ برکت۔ ہمت جن کو مجموعی طور سے حقیقت کہتے ہیں۔ یہ پانچوں مرتبۂ عشق ہیں معنیٰ عشق ہیں ایک ہی ہیں۔ جس کو معرفت کہتے ہیں۔ یہ بھی سُن لو کہ میوے میں جو تخم ہے اس کو وحدت کہتے ہیں کہ ابتدا بھی تخم اور انتہا میں بھی تخم ہی ہے۔ اسی کو عشق کہتے ہیں۔

العشق ھو اللہ (عشق وہ اللہ ہی ہے) کہ جس سے سب ظاہر ہوئے ظہور میں آئے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہی وہ ہے جو اس طرح سے اپنے آپ کو جلوہ دیا ہے۔ وہی دائم قائم یعنی ہمیشہ ہمیشہ قائم و برقرار ہے۔

اے عزیز۔ تم نے جڑ۔ ڈالیاں۔ پتے پھول۔ پھل کو سُن لیا۔ جڑ پیڑ کے ساتھ ڈالی ڈالی کے ساتھ، پتے پتے کے ساتھ پھول۔ پھول کے ساتھ، پھل اور پھل کے ساتھ تخم کو پالیا یعنی شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت۔ وحدت کو سن کر سمجھ لیا۔ اب دل کی گہرائیوں کے ساتھ یہ بھی سُن لو کہ وجود کے درخت کی چار طبیعتیں ہیں جن کو حرارت۔ رطوبت۔ برودت۔ یبوست (گرمی۔ سردی۔ تری۔ خشکی) کہتے ہیں اس کے علاوہ چار عناصر۔ آتش۔ باد۔ آب۔ خاک (آگ۔ ہوا پانی مٹی) بھی بتلاتے ہیں۔ یہ آٹھ حقیقتاً چار ہی ہیں۔ یہ بھی سن لو کہ درخت وجود کے باہر جو کچھ ہے وہ عدم کا درخت ہے۔ جو کچھ ہیں یہی چار ہیں۔ جب تم نے اس کو سُن لیا سمجھ لیا تو یہ بھی سُن لو سمجھ لو کہ اس درخت کی جنبش (ہلنا۔ حرکت) شہوت کے لئے۔ قال (کہنا) اس درخت کا خیال وصال (ملنے کی دُھن) کی استواری کے لئے۔ حیات (زندگی جینا) اس درخت کی بیداری اور ہوش میں رہنا ہے۔ موت اس درخت کی خواب (نیند) فراموشی (بھول) ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ النوم اخ الموت (نیند موت کی بہن ہے۔)
تم نے اس درخت کا رہنا بسنا جینا مرنا سُن لیا۔ تو یہ بھی سن لو کہ اس درخت کی نہاد (اصلیت) کیا ہے۔ کس زمین میں یہ درخت اُگا ہے۔

اے عزیز اس درخت کی جڑیں فنا کی زمین میں ہیں جس کو بقا۔ وجہ اللہ حرم اللہ، دار اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (جو کچھ اسی پر ہے

وہ فنا ہونے والی مٹ جانے والی ہے۔ اور باقی رہنے والی ذات۔ ذوالجلال والاکرام ہی کی ہے۔) یہ سمجھ جاؤ کہ فنا بقا ہی میں ہے۔ اس درخت کے اندر باہر کو بقا گھیری ہوئی ہے اس کے ظاہر و باطن سے مل گئی ہے۔ درخت کی عین ہو کر اس طرح ایک ہو گئی ہے کہ دوئی باقی ہی نہ رہی۔ اس درخت میں جو کچھ ہے وہ بقا ہی بقا ہے اسی کو عشق کہتے ہیں۔ یہ عشق لاحد و لا نہایت لامثال ولا غایت (جس کی کوئی حد نہایت مثل غایت نہیں۔ حد = انتہا۔ کنارہ۔ فاصلہ دو چیز کا۔ تعریف کسی چیز کی اس کی ذاتیات سے کرنا۔ "نہایت" = انتہا انجام۔ "مثل و مانند جو سب صفتوں میں برابر ہو مساوی ہو" "غایت" = آخر۔ غرض۔ مطلب۔ کسی چیز کی انتہا) ہے سینکڑوں شکلیں، ہزاروں صورتیں، بے شمار رنگ بے انتہا خوشبو رکھتے ہوئے بھی وحدہ لا شریک لہ (ایک ہے کوئی اس کا ساجھی و شریک نہیں)۔

جب تم یہ سن چکے تو اس کے کمالات بھی ہوش کے ساتھ سن لو سمجھ لو ؎

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد

(معشوق عشق و عاشق تینوں یہاں ایک ہیں جب ملنے ہی کی گنجائش نہ ہو تو دوری جدائی کا کیا سوال)

اے عزیز۔ یہ درخت۔ جو اپنے آپ سے آپ ہے وہ تمہارا ہی وجود۔ تمہاری ہی ہستی ہے۔ جس کی شکل و صورت تمہارے ہی افعال و اوصاف (کام خوبیاں) ہیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ (البتہ اللہ نے پیدا کیا آدم کو اپنی صورت پر) ای علیٰ صورۃ الرحمٰن (یعنی رحمٰن کی صورت پر) اس سے سمجھ جاؤ کہ تم ہی ہو کہ عین بقا۔ عین عشق۔ مطلق۔ مقید۔ ہو۔ یہ سب شاہِ عشق۔ رضوان اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور ہے۔ اللہ کی ذات روح ہے مطلق ہے۔ تم ہی تم ہو۔ تمہارے سوائے کوئی اور نہیں۔ تم نے خود کو خود ہی چھوڑ رکھا ہے۔ کسی طرح کی کوئی دوئی جدائی نہیں۔ سمجھنے کی بات یہی ہے کہ تم اسی سے ہو ؎

وجودے ندارد کسے جز خدا ۔ ہماں بودہ باشد ہمیشہ بجب

(خدا کے سوائے کوئی وجود نہیں رکھتا ۔ وہی تھا ۔ ہے اور رہے گا)

جب تم نے اپنے نفس یعنی اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اپنی حقیقت کو پالیا تو عین بقا ہو گئے۔ نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مَن عرفَ نفسہ بالعجز والفناء فقد عرف ربہ بالقدرۃ والبقاء (جس نے پہچانا اپنے نفس کو عجز و فنا سے پس پہچان لیا اس نے اپنے رب کو قدر و بقا سے (عزت بزرگی اندازہ عظمت کے ساتھ) جب کوئی اپنے نفس کو پہچان لیا وہ بقا پا گیا۔ جیسے ہی فانی فی اللہ (اللہ میں مٹ گیا فنا ہو گیا۔) ہوا۔ باقی باللہ (اللہ سے باقی) ہو گیا۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں سے

ہرچند کہ پُر دردی کہ محرم ما گردی ۔ فانی شو۔ فانی شو تا محرم ما گردی

(اگرچہ درد سے بھرا ہوا ہے تاکہ ہمارا محرم ہو جائے ۔ فنا ہو جا فنا ہو جا تاکہ ہمارا محرم ہو جائے۔)

بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش سے یہ کہا گیا کہ جرّد جرّد (مجرد ہو جا۔ مجرد ہو جا یعنی اکیلا۔ تنہا۔ دنیا کا چھوڑنے والا ہو جا) یہ آواز سنتے ہی اس کے بدن کے تمام بال جھڑ گئے سچ ہے۔ مقام حیرت۔ بہترین مقام ہے کہ جہاں درویش مقام حیرت۔ محمود میں رہے۔ حدیث میں ہے کہ الحادث اذا قرن بالقدیم لیست لہ اثر (جب نو پیدا قدیم سے مل جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر نہیں رہتا یعنی وہ وہ نہیں رہتا) نمک کو پانی میں ڈالتے ہی وہ پانی ہی پانی ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا اسی طرح جب تم نہ رہیں تو عشق رہ جاتا ہے۔ تم نہ جانیں تو عشق جانتا ہے سے

دریائے کہن چو بزند موجے نو ۔ موجش خوانند درحقیقت دریا است

(پرانا دریا جب موج مارتا ہے ۔ تو اس کو موج کہتے ہیں وہ حقیقت میں دریا ہے)

یہی وہ ہے جس میں سب گم ہو جاتے ہیں۔ گفتگو جستجو (بات چیت تلاش۔ ڈھونڈ ڈھونڈی) نہیں رہتی۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ من عرف اللہ کلّ لسانہ

(اللہ کو جس نے پہچان لیا۔ اس کی زبان بند ہوگئی) عاشق ہادی شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

چو بلبل روئے گل بیند زبانش در نوا آید — مرا از دیدن رویت فرو بست است گویائی

(بلبل جب پھول کا چہرہ دیکھتا ہے تو اس کی زبان چلنے لگتی ہے وہ چہچہانے لگ جاتی ہے) — (مجھ کو تیرے چہرے کے دیکھنے سے چپ لگ جاتی ہے زبان بند ہو جاتی ہے۔)

یہ بھی سمجھ لو کہ یہاں دوست کے شوق میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ شوق کے کمال کے اعتبار کرتے ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ من عرف اللہ طال لسانہ (اللہ کو جو پہچان لیتا ہے اس کی زبان بڑھ جاتی یعنی کھل جاتی ہے) یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ جب باد صبا (تیز ہوا) چلتی ہے تو جو کچھ بند تھے یا ہوتے ہیں وہ کھل جاتے کھول دئے جاتے ہیں تو یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔ ؎

عجبی نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست — عجب این است کہ من واصل و سرگردانم

دوست کا طالب پریشان سرگرداں ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ — تعجب کی بات تو یہ ہے کہ میں ملا ہوا ہوتے ہوئے بھی آوارہ و پریشان ہوں۔

جب تم نے یہ سب کچھ پورے طور سے سمجھ لیا تو باضابطہ و باہوش رہو۔ ان کو نگاہ میں رکھو۔

اے عزیز۔ تمہارے وجود میں۔ تین مقام ہیں۔ اعلیٰ۔ اوسط۔ اسفل (اونچا بیچ کا۔ نیچا) نچلے درجہ میں ہونے سے ناف کو نفس کہتے ہیں۔ اس کا تعلق دوزخ سے ہے۔ دیو۔ پری۔ سانپ بچھو۔ گرمی۔ سردی۔ وہ ساری چیزیں جو دوزخ کے لوازمات متعلقات ہیں۔ وہ اسی میں ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ابلیس کا یعنی نفس کا ظہور ہے۔ مقام اوسط میں ہونے سے دل کو قلب کہتے ہیں اس کا تعلق

جنّت سے ہے۔ یعنی جنت کے میدان۔ محلات۔ حور۔ قصور۔ پھل پھول باغ کیاریاں۔ ناز ونعمت کے وہ سارے سازوسامان جو اس کے لوازمات ہیں وہ اسی مقام میں ہیں۔ شاہ عشق کا اس مرتبہ و مقام میں احمد و محمد کے نام سے ظہور ہے۔ مقام اعلیٰ میں ہونے سے جان کو روح کہتے ہیں۔ اس کا تعلق حق سے ہے۔ یہی احد ہے۔ یعنی اس مقام میں فرشتے۔ عرش۔ کرسی۔ لوح وقلم آسمان۔ آفتاب۔ چاند۔ ستارے اور جو کچھ کہ لوازمۂ نورحق ہیں وہ سب اسی مقام میں ہیں۔ یہاں شاہ عشق کا اللہ کے وصف سے یعنی روح الروح سے ظہور ہے۔ یہ عشق کے میوے اس کے درخت کا کمال بلکہ عشق کا وصف ہے بلکہ وہ وہی ہے۔ جو اس طرح سے ظہور کیا ظاہر ہوا ہے۔ سچ ہے۔ ہر مقام میں اس کا نام کچھ اور ہی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اَنَا فِی ورای العرش احد وفی السماء احمد وفی الارض محمد وفی تحت الثرائ محمود (میں عرش کے پرے احد۔ آسمانوں میں احمد۔ زمین میں محمد۔ زمین کے سب سے نچلے حصہ میں محمود ہوں) ہر مقام میں کچھ اور ہی نام ہے۔ یعنی وہی وہ ہے کہ احد احمد محمد محمود نام پایا۔ جب تم نے اس مقام کو اس کے کمال کو اس کے اتمام (پورے ہونے) کو اچھی طرح سے سن سمجھ لیا تو یہ بھی سُن لو کہ آدمِ عالم (انسان ساری کائنات) سب عشق ہی ہے کہ وہ قدم (پرانا۔ قدیم۔ قدامت) اول آخر (اگلا پچھلا۔ پہلا دوسرا) نہیں رکھتا ؎

ایں جہاں صورت است ومعنی دوست ؎ وز بمعنی نظر کنی ہمہ اوست

(یہ دنیا صورت اور دوست معنی ہے — اگر معنی میں نظر کریں تو سب وہی وہ ہے)

نقشے نمودم من عیاں درصورت انسان نہاں ؎ ظاہر مکن باکس مگو خوش خوش بیا بردار ما

{ایک نقش۔ ظاہر میں انسان کی صورت میں چھپا ہوا دکھلا دیا۔} — {ظاہر نہ کر کسی سے نہ کہہ ہنسی خوشی سے ہمارے دروازے پر آ۔}

یہ بھی سمجھ لو کہ وہ آیا ہے نہ جائے گا۔ دائم قائم (ہمیشہ برقرار) ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لم یلد و لم یولد ای لم یخلق و لم یخلق (نہ پیدا ہوا۔ نہ پیدا کیا گیا بلکہ نہ بنا نہ بنایا گیا) ھو ھو ھو (وہ وہی وہ ہے)۔ یہ جو سمجھ گیا وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

عشق سلطاں است در ہر دو جہاں   عقل را مدخل نباشد اندراں

(عشق دونوں جہاں کا بادشاہ ہے   عقل کی وہاں رسائی نہیں، عقل کا دخل نہیں۔)

بات یہ ہے کہ یہ دریا ایسا بھیانک ہے کہ جس کی تہہ نہیں ملتی کنارا ہاتھ نہیں آتا۔ اس کو جیسا کہ وہ ہے کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ بیان میں نہیں آسکتا اگر تم سے سوال ہو کہ ھی تو مؤنث کی ضمیر عورت کے لئے بولی جاتی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ کس طرح ٹھیک ہوسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تجلیاں حضرت خواجہ عالم محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر معراج کی رات میں صورت مونث ہی میں ہوئیں۔ یوں بھی ذات کو مؤنث جانتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ضمیر مونث استعمال فرمائی۔

اے عزیز۔ اس پر بھی ذرا غور کرلو کہ تمہارا رہنا سہنا کس میں ہے۔ تم کس میں ہو محبت کی محبت میں۔ اسی محبت میں تمہیں رہنا بسنا ہے اسی کو عشق کہتے ہیں۔ محبت سے دور اس سے الگ رہنے کی کوئی صورت نہیں۔ رہ بھی نہیں سکتے۔ جس کسی سے تم محبت کرتے ہو۔ دوست بناتے یا دوست رکھتے ہو۔ محبوب جانتے سمجھتے ہو۔ جس کسی طرف توجہ یا رخ کرتے ہو۔ وہ تم ہی تو ہو۔ تم نے اپنے آپ کو دوست رکھا محبوب بنایا۔ جو چیز تم رکھتے ہو یا جس چیز سے تم محبت رکھتے ہو۔ وہ تم ہی تو ہو۔ حضرت نبی کریم افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رائت ربی بربی (دیکھا میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار سے) یہ بھی فرمایا کہ ما رائت شیئًا الا رأیت اللہ فیہ

(نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا میں نے اللہ کو اس میں) یہ بھی فرماتے ہیں۔ رائت ربی فی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ امرد شاب قطط (دیکھا میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو اچھی صورت میں گھنگروالے بال والا۔)
محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خدائے عزوجل کو اپنے آپ ہی میں دیکھا۔ اس کی سند و دلیل آیت کریمہ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (میں تمہارے نفس تمہاری حقیقت میں ہوں پھر بھی تم مجھ کو دیکھ نہیں پاتے) ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ فرماتا ہے کہ میں تم میں ہوں۔ تمہاری حقیقت۔ تمہاری ذات میں ہوں۔ میں ایسا ہوں اس کے باوجود بھی تم مجھ کو دیکھ نہیں پاتے۔ ایک قول ہے کہ نہیں دیکھا میں کسی چیز کو مگر دیکھا میں اللہ کو اس میں وہ بھی اسی کی شہادت ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ انا واللہ فی الوحدت واحد (میں اور اللہ تعالیٰ یکتائی میں ایک ہیں) بھی اس کی بہترین دلیل و سند ہے۔ کسی بزرگ نے یہ فرمایا ہے۔ ؎

احمد است این جا احد اے مرد کار ∗ دائماً با عشق باشد بے قرار
(اے کام کے آدمی احمد ہی یہاں احد ہے ∗ ہمیشہ عشق سے بے چین بے قرار رہتے ہیں)

اے عزیز۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ وہی وہ ہے۔ جو ہمیشہ اپنی دیکھ بھال میں آپ ہی ہے۔ اپنا آپ ہی دیکھنے والا ہے۔ اسی بارہ میں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

اے خدا چوں توئی غم و شادی ∗ تہمت ما و تو چہ بنہادی
(اے پروردگار جب رنج و خوشی تو ہے ∗ یہ میں تو کی تہمت کیوں لگا دیا

ہم تو لیلیٰ و ہم تو مجنونی ∗ ہم تو شیریں و ہم تو فرہادی
(لیلیٰ بھی تو ہے مجنوں بھی تو ہے ∗ شیریں بھی تو ہے فرہاد بھی تو ہے)

ایک اور بزرگ یہ فرماتے ہیں ؎

خدا بود عاشق بخود اے گدا ∗ جہاں کردہ آئینۂ خودنما

(اے مانگنے والے۔ خدا اپنے آپ پر آپ عاشق تھا — اس نے جہان کو اپنے آپ کو دکھانیوالا آئینہ بنایا)

تماشائے خود را بخود وا نمود — ہموں عاشق و عشق و معشوق بود

(اپنا تماشا۔ اپنے آپ کو۔ آپ ہی دکھلایا — وہی عاشق وہی عشق وہی معشوق تھا)

تم نے محبت کو بھی سن لیا۔ جیسا کہ پانا تھا پالیا۔ یہ بھی سن لو۔ اس کو بھی سمجھ لو کہ محبت ہی کو آب حیات (زندگی کا پانی) کہتے ہیں۔ یہ ظلمات (اندھیرے) میں یعنی آنکھ میں ہے۔ آنکھ ہی سے محبت ظاہر ہوی ہے۔ اس لئے پہلے آنکھ ہی کو پہچان لو کہ وہ کیا ہے۔ کون ہے بسنو۔ تمہارے وجود کا صاحب (حاکم۔ مالک۔ساکن) تمہارے جسم (تن) کا مالک (متصرف) تخم اول (پہلا بیج) ہی تو ہے۔ سب کا ظہور اسی سے ہوا ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں کہ الٰہی اپنی ہستیؔ و وجود پر کیا ناز کروں۔ مجھ کو وہ آنکھ دے جو تیری جنت نگاہ ہو اس کو آنکھوں میں ہمیشہ قائم اور دائم برقرار رکھ۔ جس کو اپنی آنکھوں کی جنت نگاہ بنالوں۔ جو ہمیشہ رہے۔ اپنے آپ کو آپ ہی اپنے آپ سے دیکھ۔ اپنے آپ کو اپنے تفویض و سپرد کردے۔ اپنے آپ کو اپنا بنالے کسی بزرگ نے یہ فرمایا کہ

چشمے دارم ہمہ پر از صورت دوست[1] — تا دیدہ مرا خوش است چوں دوست در اوست

(میں وہ آنکھ رکھتا ہوں جو دوست کی صورت سے بھرپور ہے۔ — میری آنکھ مجھ کو اس لئے عزیز ہے کہ دوست اس میں ہے۔)

از دیدہ و دوست فرق کردن نہ نکوست — یا اوست بجائے دیدہ یا دیدہ ہم اوست

(آنکھ اور دوست میں تمیز کرنا جدا سمجھنا اچھا نہیں — یا وہی آنکھ کے بجائے ہے یا آنکھ ہی وہ ہے)

اے دوست ترا بہر مکان می جستم — ہر دم خبرت زاین و آن می جستم

(اے دوست میں نے تجھ کو ہر جگہ ڈھونڈا — ہر وقت تیری خبر اِس سے اُس سے پوچھا)

دیدم بہ تو خویش را تو خود من بودی — خجلت زدہ ام کز تو نشان می جستم

---

[1] آں نظرہ مست تو سپارم

(تو کویں نے اپنے آپ میں دیکھا کہ تو میں ہی تھا   شرمندہ ہوں کہ تیرا پتہ پوچھتا پھرتا تھا تو مجھ ہی میں تھا)
جب تم نے آنکھ کی خوبی سُن لی آب (پانی) کو سمجھ گئے تو یہ سُن لو کہ جس کو نور کہتے ہیں
وہ درحقیقت ہوا ہے جس کو عربی میں ریح کہتے ہیں۔ روح بھی بولتے ہیں۔ چنانچہ
الارواح مرکب من ریح (ارواح یعنی جانیں ترکیب دی گئیں بنائی گئیں ہیں
ہوا سے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ دم قدم سے مل گیا ایک ہوگیا جیسے پھول میں خوشبو
دودھ میں مکھن۔ اے[1] عزیز۔ بلا تمثیل۔ یہ سمجھ لو کہ اللہ کے ساتھ بندہ۔ بندہ کے
ساتھ اللہ۔ ایسا ہی ہے۔ جیسے دودھ مکھن۔ یہ سب کچھ دودھ مکھن ہی تو ہے۔
تم دیکھتے نہیں۔ دم ہی کو روح کہتے ہیں۔ نور بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ اپنے
آپ کو آسمانوں اور زمین کا نور ہوں فرمایا ہے۔ نور و روح ہی کے ذرہ کو عبارت و
اشارت میں لایا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ حقیقتاً کوئی نام ونشان (اتہ پتہ)
حد وحصر (کنارہ۔ گنتی) نہیں رکھتا۔ وہ ایسی ذات ہے جس کی کوئی انتہا نہیں
ختم ہی نہیں ہوتی۔ ایک دریا ہے جس کا نہ کنارا دکھائی دیتا ہے نہ تہہ ملتی ہے۔
ذات کا نور ہمیشہ اپنی تجلی میں آپ ہے کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے

بے نشاں شو از رہ نام ونشان   تا جمال خویش را بینی عیاں
(اتہ پتہ سے لاپتہ ہوجا   تاکہ اپنے جمال کو کھلے طور سے کھلا دیکھے)

چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پس کلامی تا ہمین ست جملہ عالم خاک باد   ظاہرا صورت چہ بینی ہر چہ بینی یاد باد
(گفتگو یہیں تک ہے کہ سارا عالم مٹی اور ہوا ہے   ظاہری صورت کو کیا دیکھتا ہے جو کچھ تو دیکھا وہ تجھ کو یاد رہے)

جب تم نے یہ سنا اور سمجھ گئے کہ یہی دم قدم ہے یعنی دم ہی ہے جو قدم سے ملا ہوا ہے اب ہوش کیساتھ
سنو اور سمجھو کہ روح۔ ریح۔ خدا۔ رسول نام دیتے ہیں ظلمت و نور (اندھیرا۔ اجالا) جانتے ہیں۔
حضرت جبرئیل۔ حضرت میکائیل۔ حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل کہتے ہیں۔

---

[1] بندہ با حق ہمچو شیر و روغن است آمیختہ   ایں ہمہ شیر است و روغن ہم تو ہی لا یبصرون

جنت۔ دوزخ۔ آسمان زمین۔ سورج چاند۔ رات دن۔ جنات۔ انسان جاندار
پرند۔ کفر اسلام۔ دین دنیا۔ کعبہ۔ بت خانہ کہا کرتے ہیں ؎

مسجد و دیر توئی کعبہ و بت خانہ یکیست — ہر کجا گوش نہادم ہمہ غوغائے تو بود
(مسجد مندر تو ہے۔ کعبہ بت خانہ ایک ہے — جہاں کہیں کان لگایا تیری ہی چیخ پکار تھی)

جو کچھ کہا گیا۔ وہ حقیقتاً عشق کی حقیقت کا بیان ہے۔ وہ خود بخود اپنے آپ سے آپ ہی ایسا ہے۔ وہی وہ ہے جو ظاہر ہے۔ وہی وہ ہے جو باطن ہے۔ جو ہونا چاہتا ہے۔ ہوتا ہے۔ جو کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر (اور اللہ سب چیزوں پر قادر ہے) عشق کے بارے کہا گیا ہے کہ ؎

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز — کہ حقیقت کند برنگ مجاز
(عشق ایک بہروپیا۔ دلال ہے — جو حقیقت کو مجاز کا رنگ دیدیتا ہے)

عشق ں بازد خدا با خویشتن — شد بہانہ درمیان مرد و زن
(خدا اپنے آپ سے آپ عشق کرتا ہے — عورت و مرد میں بہانہ ہو گیا)

یہ مثنوی عشق کے بارے میں لکھی جا رہی ہے۔ تاکہ عشق کو سمجھ سکیں کہ اس کو پا سکیں ؎

عشق گوہر بے بہا و بے نشان — بہر عشقش ہر دمے تو جان فشان
(عشق لاقیمت موتی ہے۔ لاجواب ہے بے لاپتہ ہے — اس کے عشق کے لئے تو ہر وقت جان لڑا)

عشق پنج و ہفت باشد عشق چار — عشق نور و عشق نار و عشق دار
(عشق۔ پانچ۔ سات اور چار ہے — عشق نور۔ نار (آگ) اور سولی ہے)

عشق باد و عشق آتش آب و خاک — در حقیقت عشق باشد جان پاک
(عشق۔ ہوا آگ پانی مٹی ہے — حقیقت میں عشق۔ پاک جان ہے)

عشق اول۔ عشق آخر جاوداں — با خودی خود عشق بازد درمیاں
(عشق پہلا پچھلا۔ ہمیشہ کا ہے — اپنے آپ سے آپ ہی عشق کرتا ہے)

عشق شاہ و عشق ماہ و عشق راہ — برسر خود عشق پوشد صد کلاہ

(عشق بادشاہ عشق چاند اور عشق رستہ — عشق اپنے سر پر سو تاج پہنتا ہے)

عشق عرش و عشق کرسی رازداں — ہم قلم ہم لوح محفوظ است داں

(عشق عرش عشق کرسی راز سمجھ — عشق قلم ہے لوح محفوظ ہے سمجھ جا)

عشق شمس و ہم سماء و ہم زمیں — ہم فرشتہ در شمار و در مکیں

(عشق سورج بھی آسمان بھی زمین بھی — عشق فرشتہ بھی شمار میں بھی گھر والے ہیں بھی)

عشق روشن ۔ ہم نجوم و ہم بروج — با خودیٔ خود ۔ نزول و ہم عروج

(عشق روشنی بھی ہے تارے اور برج بھی — اپنے آپ میں آپ ہی اترتا چڑھتا ہے)

عشق بیخ و عشق شاخ و عشق گُل — عشق میوہ عشق تخم و عشق مُل

(عشق جڑ۔ اور عشق ڈالی اور عشق پھول — عشق پھل ۔ عشق بیج اور عشق رس شراب)

عشق در صورت جمالِ خود نمود — جملہ اشیا در حقیقت عشق بود

(عشق ظاہر میں صورت لیکر اپنا جمال دکھلایا — ساری چیزیں سب کچھ حقیقت میں عشق ہی ہے)

تمت الرسالہ والترجمہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ ششم

توحید خاص

توحید برائے خواص

از تصنیفات

حضرت سید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہٗ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ

(سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ درود و سلام اس کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سب آل پر۔)

اما بعد (خدائے تعالیٰ کی تعریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا کے بعد) رسالہ توحید خاص۔ مقام اہل اختصاص وخصوصیت پائے ہوئے مرتبہ میں آئے ہوئے حضرات کے لئے لکھا جا رہا ہے۔ جو بھی تعریف ہو سکتی یا کیجا سکتی ہے وہ اللہ ہی کے لئے ہے کہ اس کے سوائے کوئی موجود یعنی "ہے" ہی نہیں۔ درود وسلام مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ کے سوائے کوئی مقصود نہیں تمہاری درخواست' انتہائی عاجزانہ مگر جو اصرار کے ساتھ تھی پہنچی۔ اس کے جواب میں یہ چند باتیں توحید خاص کی لکھنے کے لئے جب قلم اٹھایا گیا تو تائید ربانی (پروردگار کی مدد وامداد) سے یہ لکھنے میں آگئے تاکہ تمہارے شک وشبہ کو جو یقین کے دامن پر نیچے کچے سے ہوں۔ تحقیق کے پانی سے دھل دھو کر صاف کر دے زمانہ وقت سے جیسا بھی لکھا جا رہا ہے لکھ رہا ہوں۔ انتہائی توجہ۔ انصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے سنو۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ (اس میں نصیحت اس کے لئے ہے جس کے دل ہے) (سمجھ بوجھ ہو) وَالْمُوَفِّقُ ھُوَ اللّٰہُ (توفیق دینے والا ہی اللہ ہے)۔

عالم میں دو طرح کے موجودات پائے جاتے ہیں ایک کو عالم صورت ، دوسرے کو عالم معنی کہتے ہیں جس کو عالم صورت کہتے ہیں وہ کھلا اور ظاہر ہے اور جس کو عالم معنی کہتے ہیں۔ وہ بالکل چھپا ہوا اور باطن ہے۔ عالم صورت میں بعض وہ ہیں جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتے۔ دیکھنے دکھنے میں آتے ہیں جیسے کہ عالم مُلکی (دنیا کی چیزیں ' دنیا) بعض وہ ہیں جو باطنی آنکھوں سے دیکھے جاتے دکھائی دیتے ہیں جیسے کہ ملکوتی۔ (روحانی عالم۔ دوسری آنے والی دنیا کی چیزیں) عالم معنی۔ (باطن) ہے وہ دیکھنے میں نہیں آتا دکھائی نہیں دیتا۔ اگر دکھائی دیتا ہے یا دیکھنے میں آتا ہے تو اسی عالم صورت میں یعنی عالم ظاہر میں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن اُسی کی صورت ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس صورت کے ساتھ ظاہر میں دکھلاتا۔ دکھائی دیتا۔ دیکھنے دکھنے میں آتا ہے ؎

ہر نقش کہ بر تختۂ ہستی پیداست	آں صورت آں کس است کیں نقش آراست
(جو نقش بھی کہ ہستی کی تختی پر ظاہر ہے	وہ اس کی صورت ہے جس نے یہ نقش بنایا ہے)
دریائے کہن چو برزند موجے نو	موجش خوانند درحقیقت دریا است
(پرانا دریا جب نئی موج مارتا ہے	تو اس کو موج کہتے ہیں وہ حقیقت میں دریا ہے)

موحد یہ کہتے ہیں کہ وہ "ایک نور" ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ساری صورتوں میں نمودار کیا۔ دکھلایا۔ سب لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا وہی وہ ہے جو لیلیٰ مجنون کی صورت میں وامق عذرا کی شکل میں تجلی کئے ہوئے ہے۔ وہی وہ ہے کہ مجنون کی آنکھ سے اپنے ہی جمال کو آپ ہی اپنی نظر میں لا کر لیلیٰ میں دیکھا۔ اپنے آپ کو آپ ہی چاہا محبوب و معشوق بنایا' یہ ظاہر ہے کہ تم جس کسی کو دوست بنائیں محبوب مطلوب ٹھہرائیں جس کی طرف رخ کریں۔ متوجہ ہوجائیں۔ تمہارا رخ تمہاری توجہ تم چاہیں یا نہ چاہیں اسی کی طرف ہے اسی کو تم نے اپنا دوست محبوب و مطلوب بنایا ہے

لیلی جملہ خلق عالم تا ابد　　گر بباشد ور نباشد سوئے تست
(ساری مخلوق ساری کائنات کی توجہ آخر تک　　چاہے ہو یا نہ ہو وہ تیری ہی طرف ہے)

جز ترا چون دوست نتوان داشتن　　دوستی دیگران بر بوے تست
(جب کہ تیرے سوائے کسی کو دوست نہیں بنا سکتے　　دوسروں کی دوستی۔ تیری خوشبو سے ہے)

مجنون کی نظر صرف لیلیٰ ہی کے حسن و جمال (اچھائی خوبصورتی) پر ہے۔ لیلیٰ کے حسن و جمال کے سوائے جو کچھ بھی ہے جو کچھ بھی اس کی نظر میں آتا ہے وہ اس کے پاس قبیح (برا۔ بدصورت) ہے۔ مجنون اس کو جانے یا نہ جانے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو دوست رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ اس کے غیر میں جمال ہی نہیں۔ جب یہ حقیقت ہو کہ اس کے سوا ظہور میں کوئی نہیں۔ تو پھر کسی میں۔ جمال کیسے ہو سکتا ہے۔ کسی کو جمیل کیسے کہا جا سکتا ہے ؎
جو کچھ ہے اسی کا جمال ہے بلکہ وہی وہ جمال پایا ہوا ہے ؎

یارے دارم کہ جسم و جان صورت اوست　　چہ جسم چہ جان جملہ جہان صورت اوست
(ایک دوست رکھتا ہوں کہ جسم اور جان اسی کی صورت ہے جسم و جان ہی کیا سارا جہان اسی کی صورت ہے)

ہر معنیٔ خوب و صورت پاکیزہ　　اندر نظر تو آید آن صورت اوست
(ہر اچھی معنی اور پاکیزہ صورت　　جو تیری نظر میں آئے وہ اسی کی صورت ہے)

کہتے ہیں کہ خواجہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص آیا۔ کہا کہ اے شیخ مجھ کو توحید سمجھائیے۔ زبان مبارک سے کچھ فرمائیے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے شکر منگوائی جب وہ لے کر آیا تو اس کو شکل بتلا کر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا شکر ہے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ اس شکر سے گھوڑا، بیل، آدمی کی شکل بنا۔ آپ کے فرمانے پر اس نے شکر کی مختلف صورتیں بنائیں۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو وہ شکلیں ایک ایک بتلا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ یہ بیل ہے۔ یہ آدمی ہے۔ یہ گھوڑا ہے

پھر خواجہ رحمۃ علیہ نے ان سب کو توڑ کر ایک کر دیا. جب ایک کر دیا تو اس سے دریافت کیا
یہ کیا ہے جواب دیا شکر ہے. خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا. چلا جا. میں نے
توحید کو تجھ سے پورے طور سے بیان کر دیا ؎

یک عین متفق کہ جز او ذرۂ نبود — چون گشت ظاہر این ہمہ اغیار آمدہ
(ایک وہ جو اپنے آپ میں آپ ہی تھا کوئی اس کے سوائے نہ تھا.) — (جب ظاہر ہو گیا تو یہ سب اور ہی نکل آئے)

اے ظاہر تو عاشق و معشوق باطنت — مطلوب را کہ دید طلبگار آمدہ
(تیرا ظاہر عشق تیرا باطن معشوق ہے — مطلوب کو کس نے دیکھا جو طالب بن کر آیا)

موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسی بات نے اَرِنِی (دکھلا مجھ کو) کہلایا. لَنْ تَرَانِی
(مجھے نہیں دیکھ سکتا) کا جواب سنا. درخت کی زبان سے اسی بات نے اِنِّی اَنَا اللہ
(میں ہی ہوں اللہ) کہا موسیٰ کے کان سے اسی نے سُنا ؎

چون جمالش صد ہزاران روئے داشت — بود در ہر ذرہ دیدارے دگر
(چونکہ اس کا جمال ہزار ہا صورتیں رکھتا تھا — ہر ذرہ میں ایک اور ہی دکھلاوا تھا)

لاجرم ہر ذرۂ بنمود یار — تا بود ہر دم گرفتارے دگر
(لازماً ہر ذرہ کو یار نے دکھلایا — تاکہ ہر وقت ایک نیا گرفتار ہو جائے)

اس کی تجلیات کی انتہا نہیں. ہر عاشق اس کا اور ہی پتہ دیتا ہے. ہر عارف
اس سے اور ہی مراد لیتا ہے اور ہی الفاظ و عبادت میں لاتا ہے. ہر محقق اس
سے اور ہی اشارہ فرماتا ہے. اس سرِّ عزیز (نادر راز) کی اطلاع و خبر کس کو دی جاتی
ہے کیونکر دی جاتی ہے وہ کون ہوتا ہے کیسا ہوتا ہے جس کو اس سے واقف (خبردار)
کیا جاتا ہے. سُنو یاد رکھو. تمرتث اس کو دی جاتی ہے. جو دل کے مقام میں پہنچ گیا
ہو. سراپا دل ہو گیا ہو. اس کے دل کا حظ (مزہ دلذت) وہی ہو گیا ہو. جیسے کہ

بھوکا ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کا تقاضا ہوتا رہتا ہے ہمیشہ اس کے دل میں یہی رہتا ہے کہ کچھ کھالوں۔ ایک بزرگ کا فرمانا ہے کہ محبت و معرفت ہاتھ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ محب عارف کا عیش (جان پہچان والے عاشق کی زندگی) اس کی لذت وغذا (کھانا پینا) ہوجائے۔ اس کا کھانا اس کے خیال میں اس کا کہنا اس کے خیال میں اس کا رہنا بسنا اس کے خیال میں ہو۔ جب سارے حرکات وسکنات اُس سے اِس کے بغیر نہوں تو ایسا شخص اہلِ دل ہوجاتا ہے۔ بخلاف اس کے کوئی شخص ایسا ہو کہ تھوڑی دیر کے لئے محبوب کے حضور میں اس کا دل لگ جائے۔ تھوڑی دیر میں بھاگ کھڑا ہوجائے۔ جیسے کہ ہرن جب اس کو باندھ دیا جائے تو کھڑا رہتا ہے۔ جب چھوٹ جاتا ہے پھندہ کھل جاتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے ایسے کو اہلِ دل نہیں کہتے۔ بلکہ اہلِ نفس کہتے ہیں۔ سالک۔ کہہ سکتے ہیں۔ صوفی نہیں کہہ سکتے۔ متصوف کہہ سکتے ہیں (تکلف سے صوفی بنا ہوا کہہ سکتے ہیں) صوفیوں کا راستہ چلنے والا۔ ان کا راستہ اختیار کیا ہوا نہیں کہہ سکتے اس کو صوفی ہرگز نہیں کہہ سکتے وہ صوفی نہیں۔ سُنو۔ صوفی وہ ہے جو حقیقت کی کان میں گر کر حقیقتاً حقیقت ہوگیا ہو۔ باقی اَنعام (بیل بکری) سب بے خبر جاندار ہیں۔ صرف علما ہی علم سے باخبر ہیں۔ متصوف۔ صوفیوں کے راستے کے چلنے والے کو کہتے ہیں۔ صوفیاء حق کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ "حق" ہوتے ہیں ؎

تا بکے عطار ایں حرف مجاز | بر سرِ اسرار توحید آئی باز
اے عطار کب تک یہ ظاہری باتیں | توحید کے راز کی طرف آجاؤ

ہمارا قلم۔ وحدت کے میدان میں چل رہا ہے جہاں فرق وتمیز کفر ہے' ایک نور ہے' جو ساری صورتوں میں محیط ہے ساری صورتوں کو لئے ہوئے ہے اس مرتبہ میں اس کو نور مطلق کہتے ہیں۔ توحید مطلق کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز

سے کسی راہ کو کسی راہ سے کسی کام کو کسی کام سے کسی صحبت کو کسی صحبت سے جدا علیٰحدہ نہ کیا جائے کسی چیز سے پیٹھ نہ پھیری جائے کسی چیز کی طرف رخ نہ کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو توحید مطلق سے نکل جاتے ہیں کیونکہ اگر کسی مقید چیز کی طرف رخ کرو گے تو اس کی طرف پیٹھ کرنی ضروری ہو جائے گی، یہی توحید مطلق سے نکل جانا ہے۔ حقیقی مسلمان وہی ہے جو توحید مطلق میں پہنچ گیا ہو۔ توحید مطلق جس کے ہاتھ آگئی ہو جو کوئی توحید مقید میں رہ گیا وہ تقیدُ میں پھنس گیا وہ مسلمان مجازی ہے، مسلمان حقیقی نہیں۔ یہ سمجھ رہا ہوں کہ تم نہیں جانتے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں، جاننا دیکھنا ہو تو۔ میری آنکھوں میں آجاؤ اور دیکھو تو تم پر کھل جائے کہ واقعہ معاملہ یہی ہے جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہی بات ہے ؎

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ	پس برنگے ہر یکے تابے عیاں انداختہ
(ایک آفتاب ہزاروں آئینوں شیشوں میں چمکا	ہر رنگ کے لحاظ سے ہر ایک پر ایک شعاع ڈالا)
جملہ یک نور است لیکن رنگہائے مختلف	اختلاف ایں و آں را در میاں انداختہ
(سب ایک نور ہے رنگ مختلف ہیں	یہ اور وہ کے اختلاف کو درمیان ڈالا)

جس پر اس حقیقت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے "تو" میں اور "تو" کی اضافت نسبت اس سے جاتی رہتی ہے۔ ساری اضافتیں نسبتیں جو کچھ ہیں وہ میں تو کی ہیں وہ اس سے الگ ہو جاتی ہیں۔ ستر ہزار حجاب (پردے۔ روک) نور و ظلمت (روشنی۔ اندھیرے) کے جو سالک کے سامنے ہوتے ہیں ان سب کو ایک نقطہ میں تمہیں دکھلا رہا ہوں۔ سو سال کا راستہ ایک گھڑی میں طے کرا رہا ہوں۔ تمہیں اس میں گم کر رہا ہوں۔ تمہارا محبوب سے غافل رہنا ہی پردہ اور روک ہے۔ جب غفلت نکل جاتی چلی جاتی ہے تو پردہ اُٹھ جاتا ہے روک باقی نہیں رہتی کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ وہی پردے رہ جاتے ہیں جن کو نورانی ظلمانی کہہ چکا ہوں۔

اگر نماز روزہ، تلاوت قرآن۔ عبادتوں کی حلاوتیں لذتیں تمہیں محبوب کے دیکھنے اس کے یاد کرنے سے روک رکھیں تو سمجھو کہ یہ نورانی پردے ہیں۔ اندھیرے پردے۔ وہ مشغولیتیں ہیں جو خواہشات نفس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ ایک نور ہے تو پھر نور و ظلمت کے پردے کہنے کے کیا معنی ہوئے ہاں ٹھیک ہے سنو۔ تم نور کے ساتھ رہیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہ ہوں تو تمہارے لئے کوئی پردہ نہیں۔ جیسے ہی تم اس سے غافل ہوگئے۔ پردہ میں آگئے اس غفلت کے پردے سے باہر آنا پڑتا ہے، محبوب سے غافل رہنا تمہارا گناہ ہے۔ اگر تمہارا تم ہوتا تم میں ہے۔ تو یہ تمہارا تم ہی تو تمہارا غیر ہے۔ یہی پردہ ہو جاتا ہے۔ "سب ایک نور ہے" جس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا جو کچھ عالم صورت و عالم معنی میں ہے وہ اسی کی صورت ہوئی لیکن یاد رہے کہ وہ کسی صورت میں مقید نہیں۔ تمہاری توبہ۔ تمہارا رجوع لوٹ آنا یہی ہے کہ تم اس قید سے نکل کر۔ توحید مطلق میں آجائیں ؎

حجاب روئے تو ہم روئے تست در ہمہ حال   نہانی از ہمہ عالم زبس کہ پیدائی

(تیرے منہ کا پردہ۔ تیرا ہی منہ ہر حال میں ہے   سارے عالم سے چھپا ہوا یوں ہے کہ انتہائی طور سے ظاہر ہے)

بات یہ ہے کہ تمہارے دل کے میدان میں غیر کی سمجھ بوجھ آتے ہی دو کا ہونا آجاتا۔ دوئی ظاہر ہو جاتی ہے۔ سامنے پردہ آجاتا ہے ؎

دوئی را نیست رہ در حضرت تو   ہمہ عالم توئی و قدرت تو

(تیری بارگاہ میں دو کی گنجائش نہیں   سارا عالم تو ہے اور تیری قدرت ہے)

جب پندار غیر (غیر سمجھنے کی سوجھ بوجھ۔ غیر سمجھنا) اور دوئی (دو کا ہونا۔ من تو) دل کی سرزمین سے اٹھ جاتے ہیں تو زبان حال سے یہ کہتا ہے ؎

روزان بتو بودم و نمی دانستم   شب با تو غنودیم و نمی دانستم

(دن میں تیرے ساتھ رہا اور نہ جانا   رات میں تیرے ساتھ سویا اور نہ جانا)

ظن بردہ بودم کہ من بودم من   من جملہ تو بودم ونمی دانستم

(گمان کیا ہوا تھا کہ میں تھا میں   میں سب تُو ہی تھا اور نہ جانا)

اے اللہ۔ ہم کو ہمارے سامنے سے اٹھالے۔ خود کو خود، خود کی آنکھ کے سامنے دائم قائم رکھ۔ یہ چند باتیں درویش کی یادگار ہیں ان کو جان کے برابر رکھنا۔ ہر شخص کو نہ بتلانا۔ ہاں جو کوئی اس کی طلب میں ہو اس کو بتلایا جا سکتا ہے ہفتہ میں ایک دفعہ اس رسالہ کا دیکھنا ناغہ نہ کرنا۔ بہت فائدہ مند ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

تمت الرسالہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالہ ہفتم

اذکار

افادات

حضرت قطب الواصلین سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔
سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو دونوں جہان کا پروردگار ہے (درود وسلام
اس کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سب آل پر) وہ سب اذکار۔ جو
سلوک حق میں کئے جاتے ہیں۔ قوم (گروہ صوفیا) میں رائج ہیں۔ وہ سب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سے سینہ بسینہ پہنچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذکر کی تلقین فرمائی۔ اس کے کرنے کے طریقے
قاعدے بتلائے اور سمجھائے۔ اور بعض صوفیا کے مستحسنات میں سے ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ کرم اللہ وجہہ نے صحابہ اور تابعین صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس ذکر
کی تلقین کی۔ وہ اب تک اہل سلوک حق میں بدستور جاری ہے۔ امیر المؤمنین
علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
مجھ سے فرمایا کہ اے علی آؤ۔ ہم تم کو وہ راہ بتائیں جس سے تم اللہ کو دیکھو۔ علی کرم اللہ وجہہ
فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا بہت بہتر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ
کہو لا الٰہ الا اللہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ یہ تو میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں۔
اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جیسا میں کہتا اور کرتا ہوں
ویسا اور جو میں تعلیم دوں اسی طرح کیا کرو اور کہا کرو۔ میں نے ویسا ہی کیا اور دہرایا۔
کلمہ کی تلقین ذکر کرنے کا طریقہ پایا۔ صحابہ و تابعین کو سکھلایا۔ کلمہ کی تلقین و تعلیم جو مجھ کو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہنچی تھی اس کو پہنچانے کا مجھکو حکم تھا میں نے پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بروایت علی بلال۔ صدیق سلمان رضی اللہ عنہم سے جو اذکار آئے ہیں ہم وہ بھی کہتے ہیں اور جو قوم میں رائج ہیں ان کے مستحسنات سے ہیں وہ بھی لکھتے ہیں۔ بعض ذکر دو حلقی ہیں (۱) دہانہ قلب (دل کا وہ حصہ جو داہنی جانب جھکا ہوا ہے اس کے سرے) سے لا الٰہ کہتے ہوئے۔ باہر کی طرف یعنی داہنے شانہ کی طرف کھینچ لاتے ہوئے یہ تصور کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے سب کو دل سے نکال باہر کر رہا ہوں۔ داہنے شانے سے بطور دائرہ لیجا کر سر کو بائیں جانب گھما کر ذرا اونچا کر کے الا اللہ کہتے ہوئے دل کے اوپر کے حصہ پر ضرب لگاتے ہوئے یہ تصور کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انوار میں سے ایک نور کو دل میں لا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوائے جو کچھ دل میں ہے۔ اس کو دل سے نکال رہا ہوں لا الٰہ کہکر دل کے مقام سے داہنے کندھے تک بطور دائرہ کے جب سر کو گھماتے ہیں تو تصور کرتے ہیں کہ دنیا کو پیچھے ڈال دیا' دل سے نکال دیا۔ جب داہنے کندھے سے سر تک پہنچاتے ہیں تو یہ تصور کرتے ہیں کہ عقبیٰ کو بھی دل سے نکال دیا۔ داہنے کندھے سے جب دل پر ضرب لگاتے ہیں تو یہ تصور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو دل میں بٹھا رہا جگہ دے رہا ہوں کم از کم دس مرتبہ اور زیادہ سو سے ہزار تک کرتے ہیں۔ دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد گیارھویں مرتبہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔

(۲) دل کے دہانے سے لا الٰہ کہتے ہوئے داہنے شانے تک گردن کو گھما کر لاتے ہیں۔ داہنے کندھے سے سر کو گھما کر گردن کو جھٹکا دے کر آواز کے ساتھ آواز کو بلند کر کے الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں تاکہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ کی ضرب کے رابطہ سے وہ نورِ ذکر دل میں جم جائے۔

(۳) لا الٰہ کہتے ہوئے آنکھیں بند نہ کریں کھلی رکھیں جو کچھ دیکھنے دکھنے میں آتا

ہے وہ کچھ نہیں ہے کے تصور کے ساتھ الا اللہ کہتے ہوئے آنکھیں بند کریں۔
نور اللہ کے پے میں رہیں (اس کی تعداد بھی وہی ہے۔)

چاہے ذکر میں ہوں یا مراقبہ میں سب میں ہوں یا تنہا ہوں اسی تصور میں ہمیشہ رہا کریں کہ اللہ حاضر موجود ہے۔ میں اس کے حضور میں (سامنے) ہوں۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ ذکر میں جس کا مذکور ہو رہا ہے اسی کا تصور ہے تصورِ حضوری (سامنے ہونے کا خیال) جب پختہ ہو جاتا ہے تو ذکر و شغل نیجہ لاتا ہے واقعہ یہی ہے ایسا ذکر۔ ذکر بھی ہے مراقبہ بھی ہے۔ فکر کے ساتھ ذکر ذکر کیساتھ فکر، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہی تصور۔ یہی خیال (دھن) ہر ذکر میں رہنا لازمی ہے۔ اسی تصور سے کبھی خالی یا غافل نہ رہیں۔ یقین کے ساتھ جانیں کہ اللہ حاضر ناظر اور ایسا قریب ہے، کہ شہ رگ بھی نہیں۔ وہ شہ رگ سے بھی قریب تر ہے جب تک اسی تصور اور اسی خیال کو لئے ہوئے ذکر نہ کیا جائے ذکر کوئی فائدہ جیسا کہ دینا چاہئے نہیں دیتا۔ دل کو پراگندہ خیالات خطرات سے بچائے رکھنا ضروری ہے۔ ان کے دور ہونے کے لئے پیر سے التجا کرنی ضروری ہے۔ پیر کی طرف متوجہ ہونے توجہ کو لگائے رکھنے سے خطرات دور ہو جاتے ہیں نور ذکر آنے لگتا ہے۔

(۴) بعض دو حلقی وہ ہیں جن میں سر کا سینہ و مقام دل سے گھمانا۔ گردن کو پھیرنا۔ بطور دائرہ لا کر ضرب لگانا۔ ظاہر نہیں ہوتا۔ ربط یعنی قول لا الہ الا اللہ کو ظاہراً کہا اور سنا نہیں جاتا۔ کوئی حرکت یا آواز نہیں کی جاتی ایسے ذکر کو خفی اور جس میں حرکت و آواز ہوتی ہے اس کو جلی کہتے ہیں۔ جلی خفی ظاہری باطنی ہر ذکر میں ہوتا ہے۔ پاس انفاس (آتے جاتے دم کی نگہبانی) کے ساتھ ہر حال میں ذکر کرتے رہیں تو جلد مقصود کو پہنچ جاتے ہیں۔ فنا بقا کے اذکار نفی و اثبات میں سے آتے ہیں جن کو ذکر دو ہی بھی کہتے ہیں۔

(۵) بعض اذکار اس طرح کئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ لوہے کو دھونکتے ہیں ان کو ذکر حدادی کہتے ہیں۔ ہر ذکر و حالت ذکر میں یہ تصور رہتا ہے کہ اللہ ہی بندگی کے لائق ہے۔ اللہ ہی ہے۔ وہی وجود۔ اس کے سوائے کوئی موجود نہیں۔ ربط جو پاس انفاس کے ساتھ ہو اس میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ نتیجہ جلد برآمد ہوتا ہے معنی کے تصور کے لحاظ سے کشف ہوتا غیب کھلتا ہے۔

(۶) ذکر فنا و بقا جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ' بلال رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم کیا ہے سکھلایا ہے اس ذکر میں نماز میں جیسا کہ التحیات پڑھتے وقت بیٹھتے ہیں اسی طرح بیٹھتے ہیں۔ لا الٰہ کہتے ہوئے سر اونچا کر کے سینہ سے داہنے کندھے تک لے جا کر کچھ اور اونچا کر کے اِلَّا اللہ کہتے ہوئے نیچے لا کر دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

رابطہ کے ساتھ اپنے سر کو قبلہ کی طرف اٹھاتے ہیں لا اِلٰہ کہتے ہیں الا اللہ کہتے ہوئے سر نیچا کر کے دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

اشارہ۔ دہانہ قلب۔ محل قلب (دل کے سرے۔ دل کے مقام) کا پہچاننا لازمی و ضروری ہے اس ہنر کی بنیاد قوم (صوفیا) کی ڈالی ہوئی ہے ان ہی سے یہ حاصل ہوتی ہے۔ بائیں پستان کے دو انگل نیچے ایک لوتھڑا صنوبر کے جیسا یعنی تکون ہے۔ یہ جگہ وہ ہے جس کے ساتھ روح حیوانی تعلق کی ہوئی ہے۔ روح انسانی کو حکما، نفس ناطقہ کہتے ہیں اور صوفیا اس کو روح اعظم۔ روح الروح کہتے ہیں یہ حق سبحانہ تعالیٰ کا فیض اور اس کے اوامر میں سے ایک امر، اسی کے شیون میں سے ایک شان ہے هُوَ غیر مخلوق (وہ پیدا کی ہوئی نہیں) ارواح جمادی' نباتی' حیوانی' مخلوق ہیں روح حیوانی کے انزہاق (نیست ہو جانے نکل جانے) کو موت کہتے ہیں۔ صوفیا اور حکمار اس بارہ میں۔ آپس میں متفق ہیں۔

امام محمدؐ غزالی رحمۃ اللہ علیہ بروح حیوانی کے تعلق کے منقطع ہونے کو موت کہتے ہیں۔ یہ بات امام صاحب اور آپ کے متبعین کے پاس ثابت ومحقق ہے۔ یہ گوشت کا لوتھڑا جو بائیں جانب سینہ میں رکھا ہوا ہے۔ ذکر کرنے والے کا ربط وضرب اسی کے ساتھ ہے اور "ربط وضرب" میں جو کیا کرتے ہیں وہ اسی مقام پر واقع ہوتا ہے اور اثر کرتا ہے الا اللہ کی ضرب سے چربی کا گاڑھاپن جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ جل جاتا ہے بہہ جاتا ہے یہی دو چیزیں ہیں جن کے ہونے سے دل بند رہتا ہے جب یہ بہہ جاتی۔ پگھل جاتی ہیں تو۔ دل جاری ہو جاتا ہے۔ یعنی ذکر کرنے لگ جاتا ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ جب صوفی ذکر سے فارغ ہو جائے تو مراقبہ میں ہو جائے۔ پاس انفاس کرے۔ دم کو آہستہ آہستہ چھوڑے جلدی جلدی نہ چھوڑے۔ ذکر کی کثرت۔ یعنی اس کے زیادہ کرنے سے دل کا دہانہ کھل جاتا ہے۔ کم سے کم عدد۔ ایک سو ایک اور زیادہ پانچسو اور ہزار بھی بتلائی گئی ہے۔ ذکر چاہے وہ دوحلقی ہو یا کوئی اور بہرحال ذکر جس قدر زیادہ اور اُس کے شرائط ولوازم کے ساتھ کیا جائے۔ اور مقررہ عدد کے بعد مراقبہ و پاس انفاس میں رہیں تو مراد جلد حاصل ہو جاتی ہے یعنے ذکر ہاتھ آجاتا ہے۔ جو ذکر بھی کریں اس کو جلدی جلدی کر کے ختم نہ کریں۔ آہستہ آہستہ غور و فکر کے ساتھ ایک سو کیا ایک ہزار تک بھی کر سکتے ہیں تاکہ ذکر میں مشغولی کی صورت رہے تعداد ختم کرنے کا خیال نہ رہے۔ ذکر میں دوزانو۔ چوزانو یعنے جیسے کہ التحیات میں بیٹھتے یا آرام سے بیٹھتے ہیں بیٹھ کر ذکر کیا کرتے ہیں بعض اذکار کی خاص نشست اور وضع بھی ہوتی ہے۔

(۷) ذکر فنا بقا۔ نفی اثبات کا ایک طریقہ یہ ہے کہ داہنی زانو کھڑی رکھتے ہیں سینہ کو قبلہ کی طرف بڑھا کر پہلی ضرب زانو پر دوسری ضرب دل پر لگاتے ہیں۔

(۸) ذکر فنا و بقا ایک یہ بھی ہے کہ سر کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دونوں زانو کو بڑھا کر سینہ کے نزدیک لیجاتے ہیں پہلی ضرب قبلہ کی طرف دوسری ضرب دل پر

لگاتے ہیں یہ ذکر ابدالوں کا ہے۔

(۹) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں داہنے پاؤں کو آگے بڑھا کر جھک جاتے ہیں۔ اسی حالت میں ایک ضرب نچلے طرف ایک ضرب دل پر لگاتے ہیں۔

(۱۰) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ داہنا قدم آگے بڑھا کر بلند آواز کے ساتھ پہلی ضرب لگاتے ہیں پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر دوسری ضرب دل پر لگاتے ہیں۔

(۱۱) ایک طریقہ فنا و بقا کا یہ ہے کہ چار مصحف (قرآن شریف) کھولیں۔ ایک سیدھے جانب، ایک بائیں جانب، ایک گود میں، ایک سامنے رکھیں۔ پہلی ضرب داہنی جانب رکھی ہوئی قرآن پر۔ دوسری ضرب بائیں جانب والی قرآن پر۔ تیسری ضرب سامنے والی قرآن پر۔ چوتھی ضرب گود میں رکھی ہوئی قرآن پر لگاتے ہیں اس ذکر میں تجلی قرآنی ہوتی ہے لیکن ذاکر کو ذکر ہی میں رہنا۔ ذکر کرتے ہی رہنا چاہیئے۔

(۱۲) اسی ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک قرآن شریف کھول کر سامنے رکھیں۔ ایک ضرب قرآن شریف پر دوسری ضرب دل پر لگائیں۔ اس ذکر میں رب تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے۔

(۱۳) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک انگیٹھی میں آگ جلائیں۔ اس کو سامنے رکھیں پہلی ضرب آگ پر دوسری ضرب دل پر لگائیں۔ اس ذکر میں ذکر کرنے والے کے دل کے سر پر انوار کے ظہور ہوتے ہیں۔

تنبیہ ۔ تمام اذکار میں دل کی سوزش دل کی لگن دل کی آگ شرط اور پوری توجہ، پورا تعلق و لگاؤ مقصود کی طرف رہنا ضروری و اہم ہے۔ ذکر میں جب ہوں تو دل میں مقصود کے سوائے کچھ بھی نہ آئے۔ اس کے حضور کے تصور کے سوا

کچھ نہ رہے۔ ذکر کرنے والے کو شریعت میں جو کام منع ہیں اُن سے بچنا، پرہیزگاری اختیار کرنی لازمی ہے۔ یہ ہوں تو دل کو وہ ذوق نصیب ہوتا ہے جس کو خیر کثیر کہتے ہیں یعنی بہت سی خوبیاں مل جاتی ہیں جس میں پوری طہارتِ نفس اور توجہ ہو۔ تو مقصود جلد ہاتھ آجاتا ہے۔ کوئی شغل، کسب، ہنر، پیشہ کسی کا ہو چاہے وہ سلطنت ہو یا حکومت۔ امارت ہو یا قضادت۔ تجارت ہو یا زراعت۔ درس ہو یا تدریس (پڑھانا، پڑھنا) یا اور کوئی کام ذکر کرنے والے کو نقصان نہیں دیتا بلکہ اس کا کام ہر طرح سے بنتے جاتا ہے۔

(۱۴) ایک طریقہ ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ چت لیٹ جائیں۔ پہلی ضرب بائیں جانب دوسری ضرب داہنی جانب لگائیں۔

(۱۵) ایک ذکر نقشبندی ہے۔ وہ یہ کہ خیال چہرہ پر رکھیں سینہ کو اس کا محل تصور کریں اس تصور و خیال میں پہلی ضرب میں سر کو اوپر کی طرف اٹھائیں دوسری ضرب میں نچلی طرف لائیں۔ سر کو اٹھاتے نیچے کرتے ہوئے اپنے آپ کو فانی حق کو باقی جانیں۔

(۱۶) ایک طریقہ ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ بیٹھ جائیں۔ داہنے ہاتھ سے داہنے پاؤں کا اور بائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں کا انگوٹھا پکڑے رہیں۔ اچھل کر اپنی بیٹھک کے داہنی جانب ربط کے ساتھ پہلی ضرب لگائیں۔ پھر اچھل کر بائیں جانب ربط کے ساتھ دوسری ضرب لگائیں۔ پھر اچھل کر اپنی جگہ آجائیں۔ آگے کی طرف اچھل کر ضرب لگائیں۔ پھر اچھل کر اپنی جگہ آجائیں ضرب لگائیں۔

(۱۷) ایک ذکر فنا و بقا کا اس طرح بھی کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ التحیات پڑھتے ہوئے نماز میں بیٹھتے ہیں اس طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ ربط کے ساتھ پہلی ضرب داہنی جانب دوسری ضرب بائیں جانب۔ تیسری ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ اس ذکر کو سہ رکنی

کہتے ہیں۔

(۱۸) ایک ذکر فنا و بقا کا یہ ہے۔ کہ پہلی ضرب داہنی جانب۔ دوسری ضرب بائیں جانب تیسری ضرب دل پر چوتھی سامنے لگاتے ہیں اس کو ذکر چار رکنی کہتے ہیں۔

(۱۹) ایک ذکر فنا و بقا کا یہ ہے کہ پہلی ضرب داہنی جانب۔ دوسری ضرب بائیں جانب تیسری ضرب سر کے اوپر۔ چوتھی ضرب دل پر۔ پانچویں ضرب سامنے پانچویں ضرب لگاتے ہوئے سر جھکا دیتے ہیں اس کو ذکر پنج رکنی کہتے ہیں۔

(۲۰) ذکر فنا و بقا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پانچوں انگلیوں کو ملا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ پیشانی پر دوسری دفعہ داہنے کندھے پر۔ تیسری دفعہ دل پر رکھتے ہیں اس کو ذکر محبوبی کہتے ہیں۔ رابطہ و ضرب ملحوظ رکھتے ہیں۔

(۲۱) ایک ذکر وہ ہے جس کو ذکرِ جبرئیل کہتے ہیں یہ ذکر سہروردیہ کا ہے شیخ خالد رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانو بیٹھ جائیں سینہ کے درمیانی حصہ پر نظر رہے۔ لا الٰہ کہتے ہوئے گردن کو داہنی جانب اونچی کر کے داہنے کندھے تک لیجائیں الا اللہ کہتے ہوئے بائیں جانب گردن گھما کر ضرب لگائیں۔ اس ذکر کو یک رکنی کہتے ہیں۔

(۲۲) ذکر کروبین و جبروتین یہ ہے کہ دل کی طرف گردن جھکائیں لا الٰہ کہتے ہوئے مقامِ دل سے اوپر کی طرف گردن کو گھما کر بطور حلقہ لے جائیں پھر مقامِ دل کی طرف لا کر الا اللہ کی ضرب لگائیں۔

(۲۳) ذکر ابدال اسی طرح کرتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں کو آگے اوپر کی طرف بڑھاتے ہیں۔ جیسے کہ کسی چیز کو ہوا میں سے پکڑ رہے ہوں۔ پھر ہاتھ نیچے لاتے ہیں اس تصور کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہاتھ میں سے منہ میں ڈال رہے ہوں الا اللہ کی

ضرب لگاتے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اپنے آپ میں ایک حرکت پیدا کرتے اور خوشی و سرور کو جس قدر ہوسکے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کو بیٹھے ہوئے کھڑے ہوئے بھی کرتے ہیں منہ میں ڈالنے کے تصور کے وقت بغل کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ منہ میں ڈال دینے کے بعد نظر کو اوپر کی جانب پھیر لیتے ہیں۔

(۲۴) ابدال کا ذکر یہ بھی ہے کہ نماز میں جس طرح بیٹھتے ہیں اس طرح بیٹھنے کے بعد داہنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں۔ خود بھی اوپر کی طرف کا رخ کرتے ہیں۔ لا الٰہ کہتے ہوئے مٹھی کو بند کر لیتے ہیں۔ بند کرتے ہوئے۔ یہ تصور کرتے ہیں کہ خدا کے سوائے جو کچھ ہے اس کو بند کر رہے ہیں۔ مٹھی میں لے رہے ہیں۔ کھینچ کر باہر نکال رہے ہیں، دل سے باہر پھینک دے رہے ہیں۔ ان کو مٹھی میں کرتے ہوئے اِلّا کہتے ہوئے یہ سمجھتے ایسا تصور کرتے ہیں کہ خدا کا نور پا رہے ہیں۔ اپنے منہ میں ڈال رہے ہیں۔ جب ڈال لیا کے تصور میں آتے ہیں تو ایک ضرب اِلّا اللہ کی دل پر۔ ایک سامنے۔ ایک بائیں۔ ایک دائیں۔ پھر سینے پر لگاتے ہیں یہ بہت پُر تاثیر ذکر ہے۔ یہ ذکر مداومت کے ساتھ کریں تو حضور و شہود حاصل ہوجاتا ہے۔ ابدال آتے اور ذکر کرنے والے کے ساتھ ذکر کرنے لگ جاتے ہیں۔

اشارہ :- ہمیشہ ذکر میں رہیں۔ ذکر کرتے رہیں تو ذکر کرنے والے میں ذکر اثر کرتا ہے ذکر کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ دل ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ خود بخود ذکر جاری رہتا ہے۔ ذکر کرنے والا۔ دل کے ذکر کی آواز سن پاتا ہے بلکہ جو بھی ذکر کرنے والے کے پاس بیٹھے ہوئے ہو وہ بھی سن لیتا ہے۔ دل کا ذکر جب استقامت پاجاتا ہے تو روح بھی ذکر کرنے لگ جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذکر اللسان لقلقۃ (زبان کا ذکر ایک رٹ ہے) ذکر القلب وسوسۃ (دل کا ذکر بار بار خود بخود خیال آنا ہے) ذکر الروح مشاہدۃ (روح کا ذکر حضوری سامنا پانا ہے۔)

(۲۵) ذکر السرّ معاینۃ (سر کا ذکر عین ہو جانا آنکھوں سے دیکھنا ہے) ذکر الخفی
مغائبۃ (خفی کا ذکر اپنے آپ سے غائب اور اس سے حاضر اور حضوری پانا ہے۔)
ہر ایک ذکر کے درجات و حالات ہیں جن کو ان کے اہل ہی جانتے ہیں۔

(۲۶) ان ہی اذکار میں کا ایک ذکر۔ اَنَا فِیْہِ وھوفی (میں اس میں وہ مجھ میں) ہے۔ اَنَا کہتے ہوئے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ گردن کو گھما کر دل کی طرف لاتے ہیں۔ گردن جھکا دیتے ہیں پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف اونچا کرکے اَنَا فِیْہِ کہتے ہیں۔ فوراً ہی سر نیچا کرکے وَھُوَ فی کی ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ ذکر کرتے ہوئے ذکر میں اَنَا مَنْ اھویٰ ومَنْ اھویٰ اَنَا کا تصور رکھیں۔ اگر چاہیں تو اَنَا فِیْہِ وَھُوَ فِیَّ کو دونا لیں۔ ذکر اَنْتَ اَنَا۔ اَنَا اَنْتَ۔ کو بھی اسی طرح سے کیا کرتے ہیں۔ ذکر اَنَا ھُوَ وھُوَ اَنَا کو بھی اسی طرح کرتے ہیں۔
یہ تین ذکر الہامی ہیں اولیاء اللہ قدس سرہم کو اس طرح کرنے کا الہام ہوا ہے۔ ان سے پیرو کرتے چلے آئے ہیں یہ روایت بروایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آئے ہوئے ذکاروں سے نہیں یعنی روایت صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ہیں اگر متذکرہ صدر تین اذکار کو اردو میں کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں " ہوں تو۔ تو ہوں" یہاں بھی تو وہاں بھی تو۔ یہ بھی تو وہ بھی تو اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ اَنَا فِیْہِ اَنَا اَنْتَ میں کرتے ہیں۔

(۲۷) ایک ذکر ھُوَ ھُو (وہی وہ) کا بھی ہے۔ اس ذکر کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانو یا چوزانو۔ یا جیسے بیٹھنے میں آرام ہو بیٹھ کر سامنے رخ کرکے منہ اٹھاتے ہیں چہرہ کو بلند کرکے ھُوَ کہتے ہیں۔ داہنی جانب رخ پھیر کر ھُوَ کہتے ہیں۔ بائیں جانب رخ پھیر کر ھُوَ کہتے ہیں اور ھُو کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں

(۲۸) ایک طریقہ اس ذکر کا یہ بھی ہے کہ ھُوَ کہتے ہوئے سر کو اٹھائیں آسمان کی

کی طرف نظر کریں۔ ھُوْ کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں۔

(۲۹) ایک طریقہ ھُوْ کے ذکر کا یہ ہے کہ دم کو اندر لیتے ہوئے ھُوْ۔ چھوڑتے ہوئے ھُوْ۔ خیال کے ذریعہ سے کہتے رہیں۔ تو چند دن کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ عجیب و غریب شئی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہے کہ رات دن میں چوبیس ہزار دم ہوتے ہیں جو دم یاد کے بغیر گذرے اس کی نسبت سوال ہوگا انھوں نے کہا کہ میں دم لیتے ہوئے چھوڑتے ہوئے ذکر کیا کرتا ہوں۔

(۳۰) ایک ذکر یَا ھُوْ کا یہ ہے کہ یَا ھُوْ کہتے ہوئے دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے ضرب لگائیں۔

(۳۱) ایک ذکر لَا ھُوْ اِلَّا ھُوْ کا بھی ہے۔ لَا ھُوْ کہتے ہوئے سر کو اٹھاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دل سے اللہ کے سوائے سب کو نکال باہر کر رہا ہوں۔ پھر سر کو نیچا کر کے اِلَّا ھُوْ کی ضرب دل پر لگاتے اور یہ تصور باندھتے ہیں کہ اللہ کو دل میں جھلا رہا ہوں۔ تجلی ذات کے ذکر میں الف و لام کو گرا دیتے ہیں۔

(۳۲) بعض ذکر روح کے کھولنے کے ہیں جس کو کشفِ ارواح کہتے ہیں۔ ان اذکار کے کرنے سے جو روح بھی، جہاں کہیں بھی ہو اس کا کشف ہو جاتا ہے ذکر کے لئے جس طرح بیٹھا کرتے ہیں۔ اسی طرح بیٹھ جائیں "یارب" اکیس مرتبہ کہیں یاروح الروح کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں۔ پھر سر کو اونچا کر کے یا روح کہیں۔ مراقبہ میں ہو جائیں۔

(۳۳) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یَا رَبّ اکیس مرتبہ کہیں۔ یاروح کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں، یاروح یاروح الروح کہیں یارب کی ضرب دل پر لگائیں مراقبہ میں آجائیں۔ اپنے دل اپنی روح کو مطلوب کی طرف لگائے رکھیں دل و جان سے متوجہ ہو جائیں تاکہ وہ ظاہر ہو جائے۔ جب ظاہر ہو جائے تو روح

سے جو چاہیں سوال کریں۔

(۳۴) ایک ذکر یہ بھی ہے کہ آسمان کی طرف رخ کر کے یا روح کہتے ہیں اور اپنے دل کی طرف رخ کر کے یا روح الروح کہتے ہیں۔ مراقب ہو جاتے ہیں۔

(۳۵) بعض ذکر کشف قبور۔ معرفت اہل قبور کہلائے جاتے ہیں یہ ذکر اس لئے کئے جاتے ہیں کہ قبر میں جو ہے اس کا حال معلوم کریں۔ نیک بخت ہے یا بدبخت اس کے معلوم کرنے کے لئے بھی کرتے ہیں وہ کس رتبہ کا ہے اور کون ہے۔ کشف روح کے ذکر کی طرح یہ ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ بعضوں نے بتلایا ہے کہ مرید کو چاہئے کہ وہ میت کی قبر کے چہرے کے برابر بیٹھ جائے۔ مراقبہ کرے۔ اگر کامل ہے تو اس کو قبر تک جانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی وہ مرے ہوئے کا حال جان جاتا ہے کہ وہ کس حال میں ہے کامل جہاں کہیں بھی ہو کامل ہے۔ چاہے سب میں ہو یا تنہائی میں۔

(۳۶) کشف قبور کا ایک ذکر اس طرح کیا جاتا ہے۔ قبر کے نزدیک میت کے سینہ کے مقام کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ یا نور کہتے ہوئے سر اونچا کر کے آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں۔ پھر یا نور کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں تو اکشف لی (مجھ پر کھل جا) کہتے ہیں تیسری ضرب قبر پر لگاتے ہیں۔

(۳۷) بعض ذکر اجابت۔ دعوت۔ میت کے بخشش چاہنے کے بھی ہیں وہ اس طرح کرتے ہیں کہ دائیں جانب یَا قَرِیْبُ۔ بائیں جانب یَا رَقِیْبُ۔ دل کی جانب یَا مُحِیْطُ کی ضرب لگاتے ہیں۔ سر کے اوپر آسمان کی طرف رخ کر کے یا مُجِیْبُ کہتے ہوئے دو زانو پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر پھر نیچے لا کر منہ پر پھیر لیتے ہیں۔ اسی طرح ختم تک دل کو حضور کے ساتھ مقصود سے لگائے رکھتے ہیں جو بھی مقصود یا مراد ہو وہ بر آجاتی ہے۔

(۳۸) بعض شیخ اپنے مریدوں کو صرف یا مُحِیْط یا مُجِیْب کی اور بعض یا

محیط یارفیق کی بعض یا شفیق یا رفیق کی تلقین کئے ہیں۔

(۳۹) اجابت دعوات کا ذکر جو صاحب فصوص کے اذکار میں سے ہے (محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یارب کہہ کر پہلی ضرب داہنی جانب۔ دوسری ضرب بائیں جانب۔ تیسری ضرب، قبلہ کی جانب چوتھی ضرب آسمان کی جانب لگائیں۔ ذکر جاری رکھیں۔ ختم ذکر ربی کہتے ہوئے مراقب ہوجائیں۔

(۴۰) ایک ذکر النور کا بھی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یانور کہتے ہوئے داہنی جانب ضرب لگاتے ہیں۔ یا نوّر کہتے ہوئے بائیں جانب ضرب لگاتے ہیں یا منور کہتے ہوئے دل پر لگاتے ہیں۔ ہر روز اس طریقے سے ذکر کریں تو انوار کھل جاتے ہیں۔

(۴۱) ایک ذکر الحق کا ہے اس کو سہ رکنی چار رکنی ذکر کی طرح کرسکتے ہیں۔ سہ رکنی میں تیسری دفعہ چار رکنی میں چوتھی دفعہ دل پر الحق کی ضرب لگاتے ہیں اس ذکر میں ذکر کرنے والے پر جلال کی تجلی ہوتی ہے۔ جو اس کو برداشت کرلیتا ہے ٹھیر جاتا۔ صابر رہ جاتا ہے تو بہت ساری مرادوں کے لائق ہوجاتا ہے۔ بہت بزرگ و اعلیٰ چیزیں کھل جاتی دِکھ جاتی ہیں۔ آخری ضرب میں حقی رقی بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۴۲) ایک ذکر حق حقی کا بھی ہے حق کہتے ہوئے داہنی جانب ضرب لگاتے ہیں حق کہتے ہوئے بائیں جانب ضرب لگاتے ہیں۔ حقی کہتے ہوئے دل پر ضرب لگتے ہیں۔

(۴۳) چند ذکر اردو میں بھی کئے جاتے ہیں۔ "وہ ہی ہے" کہتے ہوئے داہنی جانب "یہی ہے" کہتے ہوئے بائیں جانب "یہیں ہے" کہتے ہوئے دل پر ضرب لگاتے ہیں۔

(۴۴) بعض ذکر وہ ہیں جس میں چوزانو بیٹھتے ہیں اُس آسن پر بھی بیٹھتے ہیں جیساکہ جوگی بیٹھا کرتے ہیں۔ آنکھیں کھلی رکھکر آسمان کی طرف نظر کر کے "وہ ہی ہے" ہزار مرتبہ دُہراتے ہیں۔ اس ذکر میں۔ ذکر کرنے والے پر ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ گھراٹ گیا۔ جب ذکر کرنے سے ٹھیر جاتا ہے۔ رہ جاتا ہے تو پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔

(۴۵) چند مخصوص اذکاریں سے ایک ذکر شیخ کا بھی ہے۔ شیخ کا نام لیا جائے سر و چہرہ کو اُٹھایا جائے۔ نیچے لاکر دل پر ضرب لگائی جائے۔ یہ ذکر اصلی ہے جس قدر زیادہ کریں۔ بہتر ہے۔ کاٹنے والی تلوار زود اثر اور بہت با اثر ہے۔

(۴۶) بعض ذکر امراض اسقام درد دکھ کے دور کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ دو زانو یا چوزانو جس طرح بیٹھیں۔ داہنی جانب یا احد بائیں جانب یا صمد دل کی جانب بائیں جانب یا فرد۔ سر اٹھاکر سر سے اوپر یا وتر کی ضرب لگائیں فرد کی جگہ وتر اور وتر کی جگہ فرد بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۴۷) حقائق کے کشف کا ذکر۔ اس ذکر کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا احد کہتے ہوئے سامنے اوپر کی طرف گردن اٹھائیں۔ یا صمد کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں اگر چاہیں تو داہنی بائیں جانب بھی ضرب لگا سکتے ہیں۔

(۴۸) تجلیات کے سمجھنے کے اذکاریں سے ایک ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز دیکھیں تو اس میں فکر کریں۔ غور کرنے لگ جائیں یا ربّ فہمنی یا ھُو کہیں۔ ذکر کے ساتھ اس چیز میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس چیز کی فہم دے دیتا ہے۔

(۴۹) ایک ذکر فنا بقا کا بھی ہے۔ جو چلتے ہوئے کیا جاتا ہے اگر جلد چل رہے ہوں تو قدم اُٹھاتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کہتے جاتے ہیں۔ اگر آہستہ چل رہے ہیں تو

وقار کے ساتھ سیدھے قدم کو اُٹھاتے ہوئے لا بائیں قدم کو اُٹھاتے ہوئے اِلٰہ سیدھے قدم کو اٹھاتے ہوئے اِلّا بائیں قدم کو اٹھاتے ہوئے اللہ کہتے ہیں۔

(۵۰) ایک ذکر ہے جس کو عروج سمٰوات (آسمانوں پر پہنچنا) کہتے ہیں۔ اس ذکر میں یاعلی یاعالی یارافع یارفیع کہتے ہیں۔

(۵۱) ایک ذکر وہ ہے جس کو کشف العرش واستویٰ (عرش اور عرش پر براجا) کہتے ہیں۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گردن اُٹھا کر آسمان کی طرف رُخ کرکے یَامَنْ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کہتے ہیں اور پھر سر کو نیچے کرکے عَلَی الْعَرْشِ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ ذکر جہر دیتیؔ وغیرہ میں جیسا کچھ جو بتلادیا گیا اسی طرح کرتے ہیں۔

(۵۲) ایک وہ ذکر ہے جس کو کشف ملکوت (عالم باطن عالم فرشتگان کا کھلنا) کہتے ہیں۔ اس ذکر میں روح کا کشف ہوتا ہے۔ فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سُبّوحٌ کہتے ہوئے بائیں جانب۔ قدوسٌ کہتے ہوئے دائیں جانب قبلہ کی طرف رُخ کرکے سر اُٹھا کے رَبُّ الْمَلَآئِکَۃِ اور دل پر وَالرُّوْحِ کی ضرب لگاتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دائیں جانب سُبُّوْحٌ بائیں جانب قُدُّوْسٌ کہکر بائیں کندھے سے بطور حلقہ دائیں کندھے کی طرف سر کو لاتے ہوئے رَبُّ الْمَلَآئِکَۃِ اور دل پر والروح کی ضرب لگاتے ہیں۔ یہ ذکر سہ رکنی چار رکنی وحلقی سہ حلقی کردینی جبر وتین کے اذکار کی طرح بھی کیا جاسکتا ہے۔ خیال وتصور سے بھی کیا جاتا ہے۔

(۵۳) بعض ذکر وہ ہیں جو قدیم اردو الفاظ میں کئے جاتے ہیں۔ شیخ المشائخ بابا فرید گنج شکر اجودھنی قدس سرہٗ العزیز سے مروی ہیں۔ اکثر بزرگوں نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے کرنے کے طریقے بتلائے ہیں۔ رو بقبلہ ہوکر بطور قاعدہ

نماز بیٹھ جائیں۔ تنزیہہ میں آجائیں۔ جہت سے۔ سمت سے ارفع ہو کر دائیں جانب ایہماں توں بائیں جانب اوہاں توں۔ آسمان کی طرف اوتھاتوں کی ضرب لگائیں۔ ہر جگہ وہ ہے کا تصور رکھیں لیکن ایسا نہیں ہے جیسے ہم تم ہوتے ہیں اس میں مراقب ہو جائیں۔ روایت کرتے ہیں کہ سلسلہ بسلسلہ یہ ذکر آیا ہے۔ بندگی شیخ الاسلام خواجہ فریدالحق والدین باباگنج شکر قدس سرہ یہ ذکر بہت کیا کرتے تھے۔

(۵۴) ایک ذکر یا احد یا صمد یا فرد یا وتر کا بھی ہے۔ اس کے کرنے کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ۔ بائیں آستین کھینچ لیکر کندھے پر ڈال لیں دایاں قدم آگے بڑھائیں یا اَحَدُ یا اَحَدُ جلد جلد کہیں دائیں جانب ضرب لگائیں۔ یا صَمَدُ یا صَمَدُ جلد جلد کہیں بائیں جانب ضرب لگائیں۔ یا فرد یا فرد جلد جلد کہیں دائیں جانب ضرب لگائیں۔ یا وتر یا وتر جلد جلد کہیں بائیں جانب ضرب لگائیں جو قدم بڑھایا تھا وہ کھینچ لیں۔ جیسے کہ تھے ویسے ہو جائیں۔ والسلام

تمت ترجمۃ الرسالہ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ ہشتم

مراقبہ

از تصنیفات

حضرت خواجہ صدر الدین ابوالفتح سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

(سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو دونوں جہاں کا پروردگار ہے۔ ڈرنے والے احتیاط و پرہیز کرنے والوں کے لئے آخرت کی بہتری ہے درود وسلام اس کے رسول پر کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کی سب آل پر)

امابعد ۔ (حمد و نعت کے بعد) یہ جاننا ضروری ہے کہ سالک طریقت پہلے مجاہدہ اس کے بعد مراقبہ (ابتدائی کام ریاضت۔ یعنی عبادت میں لگاتار کوشش اس کے بعد نگہبانی کرنا۔ گردن ڈال دینا ہے۔) پھر مشاہدہ (دیکھنا) اور مکاشفہ (کھلنا وجود وہمی کا جاتے رہنا) اس رسالہ میں ہم مراقبے لکھتے ہیں۔ لغت میں مراقبہ کے معنی اونٹ کی گردن پر سوار ہو کر دوست کی طرف جانا ہے۔ سلوک کی اصطلاح میں حضور دوست میں گردن ڈال دینا ہے۔ (محبوب۔ معشوق۔ مطلوب کے سامنے جھک جانا۔ اس میں منہمک ہو جانا ہے) دوست کو آنکھوں میں رکھنا (معشوق کو آنکھوں میں بسا لینا ہے۔) اس رسالہ میں چھتیس مراقبے لکھے جا رہے ہیں تاکہ "طالب" مقصود و مطلوب تک جلد پہنچ جائے۔ ہم نے اس رسالہ کا نام رسالہ مراقبہ رکھا ہے۔

(۱) **مراقبہ حضوریت** :- اپنے آپ کو ہمیشہ ہر حال میں ہر وقت اس کے سامنے حاضر ہوں سمجھے۔ اس کو عین حاضر (موجود و مشہود) پائے۔ الم یعلم بان اللہ یری (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ دیکھ رہا ہے) کی آیت کے لحاظ سے حاضر ناظر جانے۔

سنو۔ اس کا فرمان ہے کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ وہ حاضر (سامنے موجود) ہے۔ دیکھ رہا ہے یعنی جو حرکت یا کام انسان کرتا ہے' اس کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے یہی وہ مراقبہ ہے کہ جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیث احسان یعنے ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك (اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کیجئے کہ جیسے کہ آپ خدا کو دیکھ رہے ہیں اگر آپ یہ جانیں کہ آپ اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں تو یہ جانیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے) ت دی ہے "حضوریت" یہی ہے "مراقبہ حضوریت" اسی کو کہتے ہیں۔

۲۔ "مراقبہ موجودیت"۔ وہ یہ کہ ہمیشہ۔ ہر وقت۔ اس کو دل میں رکھنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وھواللہ فی السمٰوٰت وفی الارض (وہی اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے) آسمان کو دل۔ زمین کو جسم۔ تصور کرنا۔ یعنی یہ جانیں کہ وہ دل میں ہے۔ دل جسم میں ہے۔ یہی موجودیت ہے اس لئے اس کو موجودیت (یعنے ہونے) کا مراقبہ بھی کہتے ہیں۔

۳۔ "مراقبہ قربیت"۔ وہ یہ کہ ہمیشہ ہر وقت اس کو اپنے نزدیک سمجھنا اور رکھنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم تم سے تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں"۔ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں اسی کا اشارہ فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انہ مع کل شیئ لا بمقارنۃ وغیرکل شیئ لا بمزایلۃ۔ یعنی تحقیق کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کے ساتھ موجود ہے مگر اتصال کے ساتھ نہیں۔ اور غیر ہے ہر شئی کا مگر انفصال کے ساتھ نہیں۔ جیسے کہ آئینہ میں شخص۔ یہی نزدیکی ہے اسی کو

نزدیکی کا مراقبہ کہتے ہیں۔

(۴) "مراقبہ معیت"۔ وہ یہ کہ اس کو ہمیشہ ہر وقت اپنے ساتھ جانیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ یعنی وہ تمہارے ساتھ أَيْنَمَا كُنْتُمْ یعنی جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اس کے ساتھ ہونے اس کی ساتھ داری کا مراقبہ یہی ہے آیت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۵) مراقبہ احاطت"۔ وہ یہ کہ اس کو اپنی ذات پر اور تمام ذوات (جمع ذات) پر محیط (احاطہ کیا ہوا۔ گھیرا ہوا) جانیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ مِنْ وَرَآئِهِمْ مُحِيطٌ (اور اللہ ان کو سب جانب سے ہر طرح سے گھیرا ہوا) یعنی خدا تعالیٰ ان میں ایسا شامل (ملا ہوا، سرایت کیا ہوا، احاطہ کیا ہوا) ہے۔ جیسے کہ پانی کپڑے میں، سب میں اور اپنے میں اس کی احاطت کا ہونا۔ اسی طرح جانیں کہ اس سے بھی سوا جانیں۔

(۶) "مراقبہ افعال"۔ وہ یہ کہ جس کسی چیز کو اس کی حرکت اس کے کام کو اس میں اس کے لگے رہنے کرتے رہنے کو دیکھیں تو یہ سمجھ لیں کہ اس عمل (کام و حرکت) کا خالق (پیدا کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق (خلق۔ جاندار) کو نظر میں نہ لائیں یعنی پیدا کئے گئے ہوئے پر نظر نہ رکھیں۔ خالق (پیدا کرنے والا جان عطا کرنے والے) پر نظر رکھیں اسی کو سب جانیں اور ظاہر ہے (کھلا و موجود ہے) سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون۔ (اور اللہ تعالیٰ پیدا کیا تم کو اور جو کچھ کرتے ہو یعنی عمل کو) فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے فعل یعنی جو کرتے ہو اس کو بھی پیدا کیا۔ اس بنا پر ہر شئی میں اس کو جیسے صورت پائیں اور ظاہر جانیں تاکہ ہوتے ہوتے ہر فعل ہر کام ہر حرکت کے پیچھے خالق ہے کا راز دکھلائی دیا کرے۔

(۷) "مراقبہ صفات"۔ وہ یہ کہ ہمیشہ اس کی بندگی میں مشغول و مستغرق (لگے ہوئے

تک ڈوبے ہوئے) ہو جائیں کہ وہ کریم رب ہر چیز کو اپنی نعمت پہنچاتا رحمت سے
سرفراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وسعت کل شیٔ رحمۃ و علماً یعنی ہر چیز تک
رحمت اس کے علم کو پہنچ سکتی ہے اس کی رحمت کا اس کے علم تک پہنچا دی ہے کہ
رات دن۔ اپنے خیال اپنی سمجھ بوجھ کو اللہ تعالیٰ کے صفات و اوصاف میں لگائیں
اسی کے صفات و اوصاف میں رہیں۔ نعمت و رحمت پاتے رہیں۔

(۸) "مراقبہ فنا" وہ یہ کہ اپنے آپ کو مقام فنا (کچھ نہیں جو ہے وہ اللہ ہی ہے)
میں لے آئیں۔ اپنے آپ کو مردہ (مرے ہوئے) کے جیسا تصور کریں۔ کرتے رہیں ہر ا
ہوا بالیں اس مراقبہ میں یہ قدرت ہے کہ مقام عدم میں لے آتے وجود وہمی کو مٹ
مٹا کر خود کو وجود اللہ (وجود حقیقی) سے ظاہر و پیدا ہوں گا[1] سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ۔ انک میت وانہم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند
ربکم تختصمون۔ (تم بھی مرنے والے ہو، وہ بھی مرنے والے ہیں پھر تم قیامت
کے دن اپنے رب کے پاس خصوصیت کے دعویدار خصوصیت پائے ہوئے ہو گے)
تحقیق اے محمد تم مرے ہوئے ہو، وہ بھی مرے ہوئے ہیں پس تحقیق قیامت کے دن
جیسا کہ دعویدار ہے اس کو اپنے پاس لے آئے گا۔

(۹) "مراقبہ ذات" وہ یہ کہ خود کو محو (اپنے آپ کو گم، مٹا ہوا) کر کے اس کی
یکتائی (یکتائی۔ وحدت۔ وحقی) میں آ جائیں اس کی یگانگی پیدا کر کے یگانگی میں آ جائیں
یعنی ایک ہی کو شمار میں لائیں کہ وہی ایک ہی ہے جا میں سب کا ناپید (گم، نیست،
نہیں ہے) ہو جائیں ایک جائیں ایک ہو کر رہیں۔ قل ہو اللہ احد (اے محمد
کہہ دیجئے کہ اللہ ایک و یگانہ و یکتا ہے) کی آیت شریفہ میں توحید ذاتی کا اشارہ ہے

(۱۰) "مراقبہ سوی" (برابری) وہ یہ ہے کہ پروردگاری کے سارے مقامات
کو بلند تر مرتبہ میں رکھیں۔ عالم (دنیا جہاں) کو پست کر دیں نیچا دکھائیں یا ...

---

[1] ظاہر و پیدا ہوتا ہوں ظاہر و پیدا ہوں سمجھتے ہیں۔

کہ غلبۂ ربوبیت (الوہیت کا زور اور قوت) حاصل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ۔ (ہم دکھلاتے ہیں ان کو نشانیاں اپنی آفاق
یعنی ملکوت میں) ہم اپنی نشانیاں۔ پوری کرتے ہیں۔ اور ان کو بالاتر مراتب یعنے
ملکوت اعلیٰ عنقریب دکھلاتے ہیں۔

(۱۱) "مراقبۂ شہود"۔ وہ یہ کہ ہر وقت اس کو حاضر جانیں یعنی یہ کہ وہ
ہر دم ہر وقت "سامنے ہے" "موجود ہے" سمجھتے رہیں یہ یقین رکھیں کہ اسکی الوہیت
کی سارا عالم گواہی دے رہا ہے کہ وہی شاہد و مشہود (دیکھتا۔ دکھتا) ہے اسی میں
مستغرق ہوجائیں۔ اسی دھن میں لگ جائیں۔ لگے رہیں۔

(۱۲) "مراقبہ وجود"۔ یہ جاننا ہے کہ وہ ہر جگہ ہے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ
وجهُ اللّٰهِ (جدھر بھی رخ ہو ادھر اللہ کی وجہ ہے) کی آیت کے لحاظ سے۔ جہاں
کہیں تم ہو۔ وہاں اللہ کی ذات موجود ہے۔ اس میں مستغرق ہوجائیں۔

(۱۳) "مراقبہ سرادق"۔ وہ یہ کہ دل میں اس کا تصور (خیال) لاتے رہیں۔ اس میں
اپنے دل کو لگائے رکھیں جس رنگ میں بھی ہو لیکن سونے کا رنگ (پیلا رنگ) بہتر
ہے۔ یہ جانیں کہ دل کے اندر اس کے ٹھیرنے۔ قرار پانے کی جگہ ہے۔ اسی میں منہمک
مستغرق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الم تر الیٰ ربك كيف مد الظل
(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اپنے رب کی طرف کہ اس نے سایہ کو کیسا پھیلایا ہے) یعنے
کیا آپ نہیں دیکھتے اے محمدؐ۔ اپنے پروردگار کی طرف کہ وہ سایہ کو کس طرح دراز کرتا
پھیلاتا ہے اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ امتداد ظل (سایہ کا بڑھنا۔ پھیلنا) اس کا پردہ
ہے (غیمہ ہے) وجود آفتاب ہے۔ جو مقصود ہے جس کی طلب ہے۔

(۱۴) "مراقبہ جمال"۔ وہ یہ کہ خیال کریں کے ڈھونڈھتے اس کی تلاش
میں لگائے رکھیں اسی خیال میں ڈوب جائیں۔ اسی دھن میں رہیں کہ فَاَمَّا

ان کان من مقربین فروح (یعنی یہ سمجھتے رہیں کہ جو بھی اس کے مقربوں (پاس والوں) میں سے ہیں وہ راحت میں ہیں) یہ پہلے مراقبہ کا ایک جزو ہے۔

(۱۵) "مراقبہ مصدر و مرجع"۔ (اترنا اور لوٹنا) وہ یہ کہ اسی خیال میں لگ جائیں کہ وہی وہ ہے کہ ظاہر کرتا ہے اور لے جاتا ہے۔ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ (وہی ابتدا کرنے والا نازل کرنے۔ نزول میں لانے والا۔ انتہا کرنے۔ واپس بلانے لوٹا لیجانے والا ہے)

(۱۶) "مراقبہ ارتسام"۔ (منقش کرنا۔ تصویر کھینچنا) وہ یہ کہ ان چار سورتوں یعنی والعصر۔ والضحیٰ ۔واللیل۔ والشمس کو لکھے الفاظ میں خیال میں معنی کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔

(۱۷) "مراقبہ امانت"۔ وہ یہ کہ خود کو امین (امانت کا رکھنے والا) اور جو کچھ سامنے ہے اس کو امانت تصور کریں۔ یہ جانیں کہ یہ مقام تسلیم ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ (اور اٹھایا اس کو انسان نے وہ ظالم و جاہل ہے) مطلب یہ کہ آدمی نے امانت کا بار اٹھا لیا حالانکہ وہ نادانی اندھیرے میں ہے اس نے نتائج (مرادیں مطالب انجام کار) و عواقب (پیچھے آنے والی چیزوں باتوں) سے لاپرواہی برتی لوازم واجبات امانت (امانت لینے سے کن کن شرائط کے ساتھ کیا کیا ضروری امور کرنے ہوں گے) کو نظر میں نہ لایا۔ اس طرف توجہ تک نہ کی۔ امانت کے حوالہ و سپرد کرنے والے پر نظر رکھی۔ جو لادو یا لادلیا۔

(۱۸) "مراقبہ پیر"۔ وہ یہ کہ پیر کی اطاعت کرے اس کی اتباع پیروی میں آجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی کی. قاضی عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرید کے دل میں پیر خود کو دیکھتا ہے۔ مرید پیر کے دل میں خدا کو دیکھتا ہے.

(۱۹) "مراقبہ مرأت" (آئینہ) وہ یہ کہ اپنے خیال میں اپنا سیدھا مضبوط راستہ رات دن ڈھونڈھتے رہیں کہ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (البتہ میرا پروردگار سیدھے مضبوط راستہ پر ہے) سے اپنی راہ نمائی کریں اسی کو برتیں۔

(۲۰) "مراقبہ اشیاء" (چیزیں) وہ یہ کہ اپنے خیال میں یہ جانیں اس خیال کو پکائیں کہ وہی سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے جو کچھ کرتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔

(۲۱) "مراقبہ ھویت" (ہے پن۔ ہوتاپن۔ وحدت) وہ یہ کہ اللہ کی ذات کے سوائے جو بھی ہیں وہ محو میں ہیں (مٹنے والے۔ گم ہونے والے نابود ہیں) جانیں۔ کو نہ وجودہ (اس کی کائنات ہی اسکا ہوتا پن ہے۔ اس کا ہونا ہی اس کا وجود ہے) یہ بھی اُسی قسم کا مراقبہ ہے۔

(۲۲) "مراقبہ ھیبت"۔ وہ یہ کہ دل میں اس خیال کو جمائیں۔ ٹھیرائیں کہ حشر کے میدان میں سب کے سب جمع ہیں۔ اس کی ہیبت سے ڈرے ہوئے۔ لرزے ہوتے پریشان۔ ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ قضاء اللہ (اللہ کے رو) کا حکم ہر طرح سے ہر طریقہ سے ہر طرف چل رہا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (کس کے لئے آج کا دن ہے صرف اللہ ہی کے لیے جو ضابطہ ہے) سے دل میں یہ ٹھان لیں کہ اب یہ فرمان آرہا ہے کہ آج کی سلطنت حکمرانی کس کے لئے ہے آج کا دن خدا ہی کے لئے ہے۔ کہ وہ ایک اور تنہا ہے کسی وزیر و شریک کے بغیر تمہارے مقصود کا توڑنے والا ہے۔ اسی حساب و عذاب کے ہر مرحلے میں ڈوب جائیں۔

(۲۳) "مراقبہ وجہ اللہ"۔ وہ یہ کہ "وجود کُل" کے تصور کے ساتھ۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اس کی ذات کے سوا) کو تسلیم کریں یعنی مراقبہ کا حق مانیں مطلب یہ کہ سب معرض ہلاکت میں ہیں۔

(مٹ مٹا جانے والے ہیں) صرف وہی باقی رہنے والا ہے۔ اسی کے وجود کو بقا ہے) ہیں خود سے اس میں درد ہو جائیں (اُتر جائیں) یعنی اپنے آپ سے اس میں محو گم ہو جائیں اور اسی کی وجہ رہ جائے۔

(۲۴) "مراقبۂ خاتم"۔ وہ یہ کہ بائیں جانب جنت۔ دائیں جانب دوزخ۔ خداوند تعالیٰ کو حساب لینے والا جانیں۔ یہ مراقبہ نہیں۔ پریشانی ہی پریشانی بے تشویش ہی تشویش ہے ٹھیک بات ہی ہے۔

(۲۵) "مراقبہ عرش"۔ وہ یہ کہ اپنے آپ کو علی مقام۔ نہائی درجہ پر۔ عرش پر تصور کریں۔ یہ جانیں کہ عرش پر ہیں۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پھر براجا عرش پر) کو یوں سمجھیں کہ وہ جلدی کر رہا ہے تاکہ اس طرح مربع چوزانو بیٹھے کہ وہ فرماتا ہے کالستوی ھذا۔

(۲۶) "مراقبہ دری"۔ وہ یہ کہ خود کو مقام نسیان (بھول۔ فراموشی) میں لے آئیں ڈال دیں کہ نہ عین ہے نہ شہود۔ نہ وجود ہے نہ یاد نہ لذت ہے نہ ذوق ہے نہ شوق۔ نہ فنا ہے نہ بقا۔ نہ ازل ہے نہ ابد۔

(۲۷) "مراقبہ محاسبہ"۔ وہ یہ کہ اپنے آپ کو حِسَابًا یَّسِیْرًا (باریک بینی کے مرتبہ میں رکھے رہیں۔ ضمانت (قبولیت وکفالت) کے ساتھ کھڑے رہیں۔

(۲۸) "مراقبہ صور واشکال"۔ وہ یہ کہ یہی صورتیں اسی طرح کی شکلیں۔ وجود کے میدان میں آتی ہیں۔ یہی سب کچھ ہیں جانیں۔ جس طرح سے تصدیق کریں جس کی سچائی کو مانیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (البتہ پیدا کیا ہم نے انسان کو اچھی بناوٹ میں) جو کچھ ہے یہی ہے۔ یہی صورتیں شکلیں سب کچھ ہیں جانیں۔ استغفراللہ (بخشش طلب کرتا ہوں پناہ میں آتا ہوں اللہ کی) ایسا مراقبہ کرنا گناہ کرنے کے جیسا ہے۔

(۲۹) "مراقبہ کرام"۔ وہ یہ کہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ۔ (البتہ بزرگی دی ہم

نے آدم کی اولاد کو) کو تصور میں لائیں کہ اسی نے آدمی کو بزرگی دی ہے۔ کرامت اسی کی خصوصیت ہے۔

(۳۰) "مراقبہ نزاھت":۔ وہ یہ کہ اپنے کو پاکی ذہنی کی تصویر بنائے رہیں تاکہ قدوس (پاک سے پاک) سے پیوند پا جائیں۔ ایک ہو جائیں۔ مل جائیں ایک سے ہو جائیں تاکہ وہ پاکی نیکی کی راہ بتلائے۔ پاک و نیک کر دے۔ تنزیہہ ہاتھ آجائے۔

(۳۱) "مراقبۂ خدا"۔ وہ یہ کہ کسی وجود کو دل میں موجود نہ دیکھیں۔ صفت ہویت کہ لا الٰہ الا ھو (نہیں ہے کوئی بندگی کے لائق سگر وہ) ہے وہ اس کام کو آگے لے جاتی ہے ترقی پر پہنچاتی ہے۔

(۳۲) "مراقبۂ فردانیت" وہ یہ کہ احدؔ۔ فردؔ۔ صمدؔ کا تصور ہے اور عمل اس مراقبہ کا بھی یہی ہے کہ ایک ہے، یکتا ہے، پناہِ بندگان ہے۔

(۳۳) "مراقبہ صمدیت":۔ وہ یہ کہ صمدیت میں صرف جولانی کریں (انتہائی بے نیازی میں ڈوب جائیں۔ پناہ میں آجائیں۔ چھلانگ ماریں) کہ لا فصل ولا وصل ولا قرب ولا بعد (نہ جدائی ہے نہ ملاپ نہ نزدیکی ہے نہ دوری) وہی وہ ہے اور ہے۔

(۳۴) "مراقبۂ عین" وہ یہ کہ اس کی ذات کا اپنی حقیقت بصر (اندرونی روشنی بینائی) کو دیکھنے والا بنائے رہیں۔ سراپا نظر بنے رہیں۔ ناظر منظور نظر کو ایک جانیں۔

(۳۵) "مراقبۂ وحدت"۔ وہ یہ کہ۔ وہ ایک ہی ایک ہے۔ وہی وہ ہے، میں ہیں کہ علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ العلم نقطۃ کثرھا الجھل (علم ایک نقطہ ہے جاہلوں نے اس کو پھیلا دیا ہے) اوروں نے بھی علم کو کلمہ۔ حرف اور نقطہ کہا ہے۔

(۳۶) "مراقبۂ کثرت"۔ وہ یہ کہ۔ اس تصور میں رہیں کہ۔ جاتے ہیں۔ پکڑتے ہیں، وہم کو اعلیٰ علیین کی پرواز میں لے جائیں۔ اس کے اثر کو دیکھیں بلکہ اس سے زیادہ اس کو دیکھیں۔ یہ عجیب باثر مراقبہ ہے۔ کسی کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی۔ ے محمد حسینی۔ یہ سے اسی طرح کی مراقبے بہت ہیں اسی پر ختم کردو۔ تمت الرسالۃ۔

[illegible]

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ نہم

شرح بیت امیر خسرو رح

از تصنیفات

حضرت قطب الاولیاء امام الاصفیا خواجہ صدر الدین ابو الفتح السید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ز دریائے شہادت چون نہنگ لا برآرد ھو   تیمم فرض گردد نوح را دریں طوفانش

(جب دریائے شہادت سے لا (نہیں) کا مگرمچھ سر نکالتا ہے   نوح علیہ السلام کیلئے بھی طوفان میں تیمم فرض ہوجاتا ہے)

سمجھدار بھائی۔ صحیح و درست عقل رکھنے والے۔ یہ سمجھ لو کہ شہادت کے دریا سے مراد
عالم شہادت ہے جس کو عالم ملک اور عالم ناسوت بھی کہتے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے
کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ضرور ہوا کرتا ہے۔ الیٰ تسعۃ ابطن (نو باطن تک) نوح سے
وہ سالک مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے کرم سے سلوک میں آکر سچائی کے ساتھ اپنا مضبوط قدم
باطنی سفر میں بڑھاتا۔ چلنے لگ جاتا ہے تو اس کا وجود ظاہری ظلمانی جس کو شہادت
کا دریا کہا گیا ہے وہ اس کو فانی کر دیتا ہے۔ یعنی وہ اپنے اخلاق کو تبدیل کرکے۔ اپنے
آپ کو صاف (ستھرا) شفاف (پاکیزہ) بنا لیتا ہے۔ تو آئینہ کے جیسا ہو کر عکس ذریعہ
(صورت کے لینے کے قابل) ہو جاتا ہے تو حبیب یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے صدقہ میں اس کے وجود کی کشتی ندامت (شرمندگی) ضلالت (گمراہی) کے بھنور میں
آجانے کر جلنے سے بچ جاتی۔ جس کسی نے یہ کہا ہے۔ خوب کہا ہے۔ شعر

چون ترا از تو پاک بستانند   دولت آن دولت است کار آن کار

(جب تجھ کو۔ تجھ سے پورے طور سے لے لیتے ہیں   تو دولت وہی ہے اور کام بھی وہی کام ہے)

جب یہ ختم ہو جاتا ہے تو عالم ملکوت کہ عالم ظاہر کا باطن ہے۔ ظاہر ہو جاتا ہے تو لاہوت
کے وہ اسرار (راز) جس کا اشارہ نہنگ سے کیا گیا اس میں ظاہر اور ظہور پذیر ہو جاتے
ہیں۔ جیسا کہ دریا میں غوطہ لگانے والا۔ دریا سے موتی نکال لاتا ہے اسی طرح اس دریا

کا جاننے والا اپنی مراد اپنے میں پا کر اچھی سرفرازی دلربائی کیا کرتا ہے اس کو یگانگی واخلاص (دوستی بے کھوٹ محبت) کے کانوں سے سن لو ؎

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوار است | نہ کشتی اندراں دریا نہ ملاح عجب کار است

(میں ایسے دریا میں پہنچ گیا جسکی موج آدمی کو کھانے والی ہے۔ | اس دریا میں نہ کشتی ہے نہ کشتی کا کھینے والا عجیب کام ہے اور عجیب بات ہے۔)

حق سبحانہٗ تعالیٰ کے کرم سے جب سچا عاشق. صحیح طالب صحیح سچی طلب سے قدم آگے بڑھاتا ہے. یعنی جب یہ چاہتا ہے کہ اس دریا میں تیرے پیراکی کرے تو اللہ تعالیٰ کے دبدبہ کے کمال (عظمت کے چھا جانے سے) اس کے دباؤ (غلبہ و زور) سے. اس کے وجود کی کشتی کے جوڑ جوڑ الگ ہو جاتے ہیں یعبوحی قدوسی کی موجوں کے تھپیڑے لگنے لگتے ہیں جس کی وہ تاب نہیں لا سکتا۔ جس کو طوفان بہا گیا ہے وہ پاک ظہور ہے۔ وہ ایک ایسی تجلی ہے جس سے وہ محو فی محو (گمی میں گمی)، طمس فی طمس (ناپید میں ناپید)، رمس فی رمس (مٹی میں مٹی) اسی طرح ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ الحادث اذا قرن بالقدیم لم یبق لہ اثر (نوپید جب قدیم کے نزدیک و مقابل ہو جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی وجود یا اس کا نقش نہیں باقی رہتا) امینی قدس سرہٗ. وحدت کے دریا سے کیا ہی اچھا موتی لا کر جان کا گوشوارہ بنائے ہوئے ہیں ؎

عشق است زعالم الٰہی | معلوم کسے نشد کماہی
(عشق عالم الٰہی سے ہے | کسی کو جیسا کہ وہ ہے معلوم نہ ہوا)
ہر کس کہ رسید گشت خاموش | وانکس کہ چشید گشت مدہوش
(جو پہنچ گیا وہ چپ ہو گیا | جو چکھ لیا وہ بیہوش ہو گیا)

اللہ تعالیٰ کے کرم اور حبیب الٰہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے طفیل میں

جب سالک واصل (خدا سے ملا ہوا۔ خدا کا راستہ چلنے والا) اس مرتبہ اس رتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو "دربار خدائی" سے عنایت آتی ہے جو سالک کی کشتی کو اخلاص کے جزیرے میں پہنچا دیتی ہے فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (سچائی کی بیٹھک پر صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس) کے حجرہ بٹھلاکر معشوقی ومحبوبی کے لباس الانسان سری اَنَا سرّہ (انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز) جس کی تعریف کی گئی ہے۔ مہربانی وشفقت کی صفت میں لاکر سالک واصل کے وجود کو جو خاک ہے جس سے تیمم مراد ہے۔ لباس پہنا دیتی ہے۔ محبوبی کا تاج جس کا وصف یحبھم ویحبونہ (وہ محبت کرتا ہے ان سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے) ہے اس میں وہ موتی جس کی قیمت ٹھرائی نہیں جاسکتی جوڑ جاکر (اولیای تحت قبائی لا یعرفھم غیری (میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں میرے سوائے کوئی انھیں نہیں جانتا) اس کے سر پر رکھتی ہے۔ عاشق صادق کی قبا جس کو ازل کے درزی نے فنا فی اللہ کی قینچی سے کاٹ کر بقا باللہ کی سوئی۔ شریعت کے دھاگے طریقت کے ٹانکے۔ حقیقت کے سنجاف سے سیا تھا۔ اس کو اخلاق محمدی صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے جواہر سے زردوزی کے بعد ٹھیک ٹھاک کر کے۔ خوشبو سے بسا کر۔ عطریات سے معطر کر کے پہنانے کے بعد وحدت کی براق پر۔ خدائی کی باگ ہاتھ میں دے کر دلربائی کی زین کے رکاب میں پاؤں رکھوا کر برابر کرا کے مراد کی لگام انکساری کا چابک ہاتھ میں دیکر معرفت توفیقِ الہیٰ کی چیز اس کے سر کے اوپر لہرا کر نقیب کی طرح اِلَیَّ اِلَیَّ (میری طرف آ۔ میری طرف آ) کہتے ہوئے صمدیت کے محل میں جو کہ بارگاہ الوہیت کے معشوقوں محبوبوں کا مقام ہے۔ اتار دیتی ہے کشتی وتمنا بے مثال میں بٹھلا کر انوار محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھولوں سے ان کے چہرے کو آراستہ کر کے وصال کے گانے گانے والا ساز ہاتھ میں دیکر جلوہ دیتا ہے کہ ——

الانسان سری وصل بی (انسان میرا راز مجھ سے مل گیا)۔ اس مقام میں پہنچنے کے بعد سالک دیکھتا ہے کہ حضرت سرور پیغمبران۔ امام واصلان۔ سب محبوبوں معشوقوں کے سرتاج تخت نبوت پر جلوہ آرا ہیں۔ موتی بکھیر رہے ہیں۔ جواہر بکھیر رہے ہیں۔ زبان مبارک سے جو کچھ فرمایا جا رہا ہے اس کو رشتہ جان میں منسلک کر لیتا ہے کیونکہ آپ کا فرمان ہے کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل (میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کسی فرشتہ کی جو مقرب ہے کسی نبی و مرسل کی گنجائش و رسائی نہیں ہے) یہ بھی دیکھتا ہے کہ حضرت سرور اولیاء علی مرتضیٰ علیہ السلام رض کرم اللہ وجہہ بھی اسی مقام میں خلافت کی کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ زبان سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ زبان مبارک سے فرما رہے ہیں۔ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً (اگر پردہ اٹھ جائے تو یقین میں کچھ اور زیادہ نہ ہو) اے ہائے بیچارہ نیست نابود (مرمٹا ہوا) مبتلا حیران (عاشق شیفتہ) نے کیا اچھا اشارہ کیا اور کیسا بہتر اس کا نظارہ ہے۔ اس کو استغراق (انہماک کے ساتھ اس میں ڈوب کر) کے کانوں سے سنو ؎

درمیان صد ہزاران گر یکے راشد وصال زندۂ جاوید گشت او گرچہ حیران شد چہ شد
(لاکھوں میں اگر ایک کو وصال میسر ہو گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گیا۔ حیران ہو گیا تو کیا ہوا)

ایک اور عاشق واصل نے کیسی اچھی نظر پیدا کی ہے اس کو بھی معرفت کے کانوں سے سنو ؎

اے نسخۂ نامہ الٰہی کہ توئی | وے آئینۂ جمال شاہی کہ توئی
(اللہ کے خط کا خلاصہ تو ہے | بادشاہی جمال کا آئینہ تو ہے)
بیروں ز تو نیست آنچہ در عالم ہست | در خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی
جو کچھ عالم میں ہے وہ تجھ سے باہر نہیں | اپنے آپ میں طلب کر جو کچھ ہے تو ہے

اس مقام میں سرور عالمین امام الواصلین۔ رسول رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں من رانی فقد راء الحق (جس نے مجھ کو دیکھا۔ اس نے حق کو دیکھا) انا احمد بلا میم (میں وہ احمد ہوں جس میں میم نہیں) سبحان اللہ (پاک ذات اللہ) عاشق مبتلا واصل منتہی کے لئے لازمی ضروری ہے کہ وہ اس مقام میں قرار لے لے۔ ٹھیر جائے۔ یعنی یہ مقام جو جمع الجمع ہے اس میں اپنا ٹھکانا بنالے۔ وطن قرار دے لے کیونکہ یہاں طالب مطلوب مطلوب طالب ہوگیا ہے۔ اس لحاظ سے سالک واصل کے لئے تیمم فرض ہوجاتا ہے۔ یعنی تجلیات انوار معشوقی محبوبی ہیں اگرچہ وہ بظاہر خاکی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہوکر ظہور کیا ہوا ہے۔ اس کے فیض نے اس کو سنوارا بنایا ہے اس میں رنگ بھر دیا ہے۔ اس لئے اس حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے جمال میں اپنا مبتلا آپ ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ النہایت رجوع الی البدایت (انتہا ابتدا کی طرف لوٹتی ہے) کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دانی چہ راز ہاست دریں پردۂ وجود کیں جلوہ ہائے خویش خدائی خود نمود

(تم کیا کچھ جانتے ہو کہ اس پردہ وجود میں کیا کیا راز ہیں۔ یہ وہ جلوے ہیں کہ خدا نے خدائی میں خود کئے ہیں۔)

پاک ذات اللہ بے گنتی تعریف اسی کے لئے۔ اس مقام سے دور کونسا مقام بالا و برتر ہوسکتا ہے۔ انتہائی اعلیٰ مقام ہے۔ فافهم واغتنم (سمجھ لے اور غنیمت جان لے) مَنْ ذَاقَ عَرَفَ مَنْ عَرَفَ وَصَلَ۔ مَنْ وَصَلَ لَا یَرْجِعُ (جو چکھا وہ جان گیا جو جان پہچان لیا وہ مل گیا جو مل گیا وہ واپس نہیں آیا) ایک با خدا دیوانہ خدا کے ساتھ ہوکر اردو زبان میں کیا اچھا دوہرہ کہا ہے

اس کو وصال کی کان سے سن لو ؎

حیرت حیرت اے سکھی ہوں ہنسی کی ہیرے

بوند جو پڑی سمندر میں کیوں ہیرے جائے

سبحان اللہ (پاک ذات اللہ) یہ کیا جلوہ گری اور کیسی جلوہ گری کمال کے ساتھ ہے۔ تیرے انتہائی کرم سے اور تیرے حبیب کی محبت کے طفیل میں یہ جلوہ وصال ۔ گو ہر شائق اس بساط پر انبساط کے ساتھ ہاتھ آجائے۔ میسر کرا دیا جائے۔ بحرمت محمد و آلہ الامجاد وتمت بالخیر والصواب والیہ المرجع والمآب (محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بزرگ آل کے حرمت سے ۔ خیر کے ساتھ خاتمہ ہو اور بہتری نصیب ہو۔ اسی کی طرف لوٹنا اور وہی پہنچنے کی جگہ ہے۔ اسی کی طرف ہے) والسلام

تمت الرسالۃ مع الترجمۃ

ترجمہ یازدہ رسائل

رسالۂ دہم

عاشق

رسالہ در بیان عشق

مصنفۂ

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاشق عشق کے دریا میں ڈوبا ہوا رہتا اور ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بھی خود کو عاشق نہیں جانتا۔ عشق سے انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ بہت ساری دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عشق اُلٹے سیدھے ٹیڑھے بانکے حرف لکھتا اور اُلٹی سطر پڑھا کرتا ہے۔ نقیض (ہر شئی کا ضد۔ توڑنے والا) کہہ کر محمول (خبر) بے موضوع (مبتدا کے بغیر) مراد لیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق پر عشق غلبہ کرتا ہے تو وہ معشوق کو بھی گم کر دیتا ہے اس سے معشوق گم ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کو بغل میں دبایا ہو، بوسہ لیتا، گردن میں ہاتھ ڈالا ہوا ہوتے ہوئے بھی عشق سے فارغ نہیں ہو جاتا۔ کثرتاً ہوتا ہے کہ عین وصل میں عشق کی لہریں زور سے چلنے لگتی ہیں۔ وصال جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر عشق اور شوق غالب آتا جاتا ہے۔ عشق بڑھتا جاتا ہے۔ جتنا ٹھنڈا پانی پیتا جاتا ہے پیاس اور بڑھتی جاتی۔ دوگنی ہوتی جاتی ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب عشق میں کمی پاتا ہے تو اور زیادہ ہونے کے لئے روتا پیٹتا چیختا چلاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق عاشق، اور عاشق معشوق ہو جاتا ہے۔ لیکن سرفراز معشوق توجہ و شیخی نہ ہونے سے اپنے روکھے پن سے کسی مراد تک اس کو پہنچنے نہیں دیتا۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ عشق عشق کے بہاؤ میں وَمَنْ مَثَلِی ذَ

ربّ العرش محبوبی (اور کون۔ ہے مجھ جیسا اور عرش کا پروردگار میرا معشوق، ہے) مرا اٹھائے ہوئے رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ معمولی آدمی بادشاہ کا عاشق ہو جائے اور یہ بڑھ جائے کہ دنیا جہان کا بادشاہ میرا معشوق ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق خود اپنے اختیار سے جدائی کو پسند کر لیتا ہے اور بعض دفعہ تو وصال ہی سے رونے لگتا ہے۔ بعض دفعہ عاشق معشوق کے شہر سے چل دیتا۔ مسافرت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق معشوق ایک ہی بستر میں ہوتے ہیں لیکن ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے بھی ایک ذوق میں ہاتھ سے اس کو خوب مضبوط پکڑا ہوا ہوتا ہے لیکن سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر معشوق غصہ میں آجائے تو۔ عاشق کے لئے کیا تدبیر کرنی ضروری ہے جب کہ وہ کسی بات سے راضی نہیں ہوتا۔ اور راضی تھا نہ ہے۔ وہ یہ کہ عاشق کو اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہیئے۔ اور اپنے متخیلہ (قوت خیال۔ نام ایک قوت کا جو دماغ میں ہوتی ہے) میں اس کی صورت کی تصویر جمانی چاہیئے۔ اتنا خیال باندھنا چاہیئے کہ وہ جو تجھ سے بیزار اور خفا تھا وہ اب رات دن تیرے پہلو میں تیرے ساتھ تیری مرضی کے موافق ہے۔ کچھ آپ سمجھے کہ کام کس حد تک پہنچ گیا یہی کہ انت علیہم بمصیطر ولیس ھو بمصیطر علیک (تو اس پر نگہبان ہے وہ تجھ پر نگہبان نہیں) کبھی یہ ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کو گالیاں دیتا ہے۔ بکتا ہے برا بھلا کہتا ہے۔ معشوق بدترین گالیاں۔ انتہائی برے کلمے کو مزے لیکر چاہتا ہے کہ کہے اور خوب کہے۔ یہ سب کچھ انتہائی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ شاباشی دیتا ہے کہ اسی کا چاہا ہوا اس کا چاہا ہوا ہے۔ یہ وہ کہتا ہے جو دوسرا نہیں کہہ سکتا اس کے وجوہات واسباب بہت ہیں۔ عاشق کی یہی چیز دکھانے کی ہوتی ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ معشوق کے احترام اس کی عظمت کا لحاظ کرتے ہیں کہ وصال کا منتظر نہیں رہتا مگر

وہ ہردم ہر لحظہ اس کے لئے تڑپتا جلتا ہے۔ ادب کا پاس ولحاظ اس کو مقصود سے روکے ہوئے رہتا ہے۔ انتہا یہ ہوتی ہے کہ وہ محروم رہ جاتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر عاشق معشوق کے وصال سے لذت پانا چاہتا ہے تو یہی اس کا چاہنا اس کے لئے رَدّ (پھیر دینا۔ نہ ماننا) طرد (دور کرنا۔ ہٹانا) کی وجہ بن جاتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق دو چیزیں عاشق کے سامنے لاتا ہے۔ جو عتبار (امتحان کرنا۔ ایک کو دوسرے پر سے قیاس کرنا) ہوتے ہیں۔ اگر ایک اعتبار کی رعایت کرتا ہے تو دوسرے اعتبار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ دوسرے کو اگر مدعی رکھتا ہے تو پہلے کی وجہ سے الزام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابلیس علیہ اللعنۃ اور آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ ابلیس کو فرمان ہوا کہ آدم کو سجدہ کر۔ ابلیس کے پیش نظر دو باتیں ہو گئیں وہ یہ کہ سجدہ کرے یا نہ کرے۔ اگر سجدہ کرتا ہوں تو کہیں یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو ہم سے محبت کا دعویٰ تھا۔ تیرا عشق تیری محبت کیا ہوئی۔ وہ کچھ بھی نہ تھی اور سے تو ہمارے سامنے غیر کو سجدہ کیا اس کے سامنے اپنی پیشانی رگڑ دی۔ اگر نہیں کرتا ہوں تو یہ نہ کہیں کہ تو نے ہماری نافرمانی کی ہمارا حکم نہ مانا۔ اگر تجھ میں ہماری دوستی محبت ہوتی ہمارا سچا محبت مند ہوتا تو ہمارا کہا ہو کرتا یہ حالت۔ ایسی صورت عاشق کے لئے مشکل ترین ہوتی ہے۔

اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ عاشق ومعشوق میں۔ جھگڑا۔ بحث۔ سخت باتیں ہوتی ہیں بُرا بھلا کہنا سننا ہوتا ہے اور عاشق وصال میں ہوتا ہے۔ آپس میں خصوصیت محبت ہوتی ہے۔ ایک اپنے آپ کو دوسرے پر فدا کرتا ہے۔ اس کے باوجود بھی ایسی افتاد بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ان دونوں میں دوستی۔ محبت کا دعویٰ ایک ہونے کا ادعا ہوتا ہے۔ دائم اللہ (اللہ کی قسم) انھیں اتنی بیگانگی (دوری) ہے جو مشرق کو مغرب سے ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی دور۔ معشوق عاشق سے وبال باٹ ایک ہی

کا وعدہ کرکے وعدہ خلافی کرتا ہے لیکن عاشق اس کو ظلم نہیں کہتا۔ ظلم سے نسبت نہیں دیتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ایسا ہی ہونا تھا ہوا۔ ہاں معشوق سے یہ ضرور کہتا ہے کہ آپ نے وعدہ کیا پورا نہ کیا۔ عاشق سوتا ہے تاکہ معشوق کے جمال کو خواب میں دیکھے معشوق اس پر راضی نہیں ہوتا۔ خواب میں نہیں آتا۔ اس سے اس کو مکیفیت ہوتی ہے۔ وہ روتا ہے۔ معشوق اس کے بیچ عشق و عاشقی کو ہٹا دیتا ہے۔ عاشق دن بھر سوتا ہے ساری رات سوتے گذار دیتا ہے۔ آنکھ کھولنے کی فرصت نہیں پاتا اس کا دل ایک بات پر ٹھیر گیا۔ ایک خیال اس کو گھیر لیا۔ دماغ تر ہو گیا۔ وہ سونے لگ گیا۔ اگر جاؤ تو ہوشیار ہوتا ہے۔ عاشق نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ قرار سے رہتا ہے۔ کچھ کھا لیتا۔ کچھ اونگھ لیتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی توتے پر دانہ۔ عاشق جینے کو پسند بھی کرتا ہے اور یکدم مرجانا بھی چاہتا ہے۔ عاشق بیمار ہونا چاہتا ہے اور خود کو صحت مند۔ تندرست۔ قوی بنائے رکھنا بھی چاہتا ہے۔ یہ امید رکھتا ہے کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کو مجھ سے تنگ ہونے کی وجہ نہیں۔ عاشق ہمیشہ جادو ٹونے تعویذ فلیتے میں مشغول رہتا ہے۔ عاشق معشوق کے لوگوں سے میل ملاپ۔ رعایت حرمت کرتا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ لوگ بھی اس کو اپنا سمجھیں۔ رنج و خوشی میں اس کا ساتھ دیں۔ عاشق معشوق کی گلی میں چھپ چھپ کر چلتا ہے۔ مکر و حیلہ بہت کیا کرتا ہے۔ عاشق صلاح و تقویٰ اختیار کرتا ہے (نیک، پرہیزگار بنا ہوا رہتا ہے) تاکہ معشوق اس سے نہ گھبرائے نیک اچھا سمجھ کر تھوڑی دیر کے لئے اس کے ساتھ بیٹھ جائے۔ عاشق کبھی کبھی جھوٹ بھی بولا جاتا ہے۔ اپنے عشق اپنے مرشد کو ذریعہ بنایا ہوا رہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میری مراد ہاتھ نہ آئے تو ابھی مرجاتا ہوں۔ اس کے بغیر جی نہیں سکتا۔ ممکن ہے

وہ سالہا سال تک جیتا رہے کیا کرے کہ اس کے لئے کوئی تدبیر اس کے سوا ئے نہیں ۔ عاشق اپنے آپ کو دیوانہ بنا بنتا ہے ۔ بلا ضرورت معشوق کی گلی کے چکر کاٹتا ہے اگر پوچھیں تو کہتا ہے کہ دیوانہ ہوں گھوما کرتا ہوں ۔ عاشق کی علامت صبح سویرے آہ بھرنا ۔ دھاڑیں مار کر رونا ۔ چپکے چپکے رونا آنسو بہانا ہوا کرتا ہے ۔ عاشق بھائی بندو عزیزوں سے بیگانہ ہوتا ہے لیکن معشوق کے راستہ اور اس سے معاملہ کرنے میں بیگانہ نہیں ۔

عاشق عشق کی آگ سے ایسا نہیں جلتا کہ راکھ ہو جائے کہ ہیں اُڑ جائے بلکہ کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلوداً غیرہ (جب چمڑیاں جل جاتی ہیں تو ہم دوسری کھال سے بدل دیتے ہیں) یعنی جلتا جاتا بنتا جاتا ہے ؎

اے شمع میپرس از وصالت   می سوزم و می سوزم و می سوزم

(اے شمع اس سے ملنے کو نہ پوچھ   جلتا ہوں ۔ جلتا ہوں ۔ جلتا ہوں)

عاشق میں کھڑے رہنے ۔ ٹھیرے رہنے کی قوت نہیں رہتی جیسے ہی عشق کا تیر لگتا ہے فوراً گر پڑتا ہے ۔ یہ ایسی افتاد ہے جس میں کھڑے رہ نہیں سکتے ۔ عاشق اندھا بہرا ہوتا ہے ۔ ایک دین رکھتا ۔ ایک مذہب پر چلتا ہے ۔ اس کا دین و مذہب معشوق کا راستہ ہے ۔ عاشق کے گال زرد رہیے ، چشم تر (آنکھ بہتی ہوئی) لب خشک (ہونٹ سوکھے ہوئے) آہ سرد (ٹھنڈی سانسیں) سینہ گرم (گرم آہیں) ہوتے ہیں اس کا تن سوکھ کر کانٹا ' اس کا کھانا پینا بہت ہی تھوڑا عشق کے درد سے مرتا رہتا ہے ۔ راستہ کے جاننے والے یہ کہتے ہیں کہ افسوس یہ بیچارہ عشق سے پھل نہیں پاتا فائدہ نہیں اٹھاتا ۔ عاشق فاسق (بے حکم نافرمان) نہیں ہوتا ۔ اس کا فسق معشوق کی نافرمانی ہے ۔ عاشق کاہل (سست) نہیں ہوتا ۔ عاشق چالاک ۔ اچھی چال کا ہوتا ہے ۔ عاشق بہت ہی غافل ہوتا ہے ۔ عاشق

بے شرم بے حجاب ہوتا ہے۔ عاشق تنہائی اور گھر کے کسی گوشے میں رہا کرتا ہے۔ عاشق
سرِ راہ اور بازار میں بھی بیٹھتا ہے۔ عاشق جنگلوں، بیابانوں، غاروں میں
رہا کرتا ہے۔ ذبول (لاغری) پژمردگی، خمول (گمنامی) میں رہتا ہے۔ عاشق مرد
باآبرو (باعزت شخص) ہوتا ہے۔ عاشق اپنی عزت و آبرو کا پاس رکھتا ہے۔
معشوق کے نہ ہونے کے باوجود معشوق سے مشغول و متوجہ رہتا ہے۔ عاشق حسب
ونسب پر ناز کرتا ہے۔ عاشق سودا ہوا اور اس کا دل معشوق کا نام لیتا رہتا ہے۔
معشوق کا نام اتنی زور سے لیتا ہے کہ مجلس کے سب حاضرین سن لیتے ہیں۔ عاشق ہر ایک
ہر ایک کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ عزت کرتا ہے۔ معشوق بڑی شان
کے ساتھ رہتا ہے کسی کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ عاشق دو جگہ اپنا کمال دکھاتا ہے
یہیں سے کھلا معشوق آدمی بنتا ہے۔ بڑا معشوق۔ بادشاہ غلام پر عاشق ہو جانے والا
بادشاہ پر۔ محمود ایاز پر عاشق ہو جانے والا محمود شاہ پر عاشق ہوا۔ عشق اپنے
آپ میں ایک کشادگی (پھیلاؤ) وسعت (گنجائش) رکھتا ہے۔ ایک گیند عاشق
کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ وہ گیند گھوڑا نہ بہت ہی کم وزن بالکل سامنے پہنچ جاتا
گا کوئی مدمقابل نہیں۔ گیند کو میدان سے لیجانے اور مقصود تک پہنچانے سے
روکے۔ وہ شہسوار تنہا میدان میں اتر آتا ہے۔ گیند کھیلنا شروع کرتا ہے تو ہر طرف
سے واہ واہ کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ عاشق معشوق کے بغیر جی نہیں سکتا وہ صرف
یا اس کا خیال، یا اس کی یاد وہ عشق ہی سے غذا لیتا ہے عشق اس میں اس کے
کچھ باقی رہنے نہیں دیتا اس سے اس کو لے لیتا ہے۔ اس کو ایسا کہاں ملتا ہے۔
اس لئے اپنے آپ کو دیدیتا ہے معشوق سے بھی یہی طریقہ برتتا ہے۔ نہ عاشق رہتا
ہے نہ معشوق۔ دونوں ہی عشق کے حوصلے (ہمت) میں ہٹ مٹ جاتے
ایک جان ہو جاتے ہیں۔ حسن نے عشق پر سبقت پیش قدمی کی ہے عشق ثابت قدمی

... رکھتا ہے کہتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو تیری خریداری کون کرتا حسن یہ جواب
دیتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو تو کیسے ابھرتا۔ عاشق باغوں اور جنگلوں میں جاتا ہے۔ درختوں
پہاڑوں۔ پھولوں اور کانٹوں میں دیکھتا ہے۔ جس کسی کو عاشق دیکھتا ہے اس کو
... کہتا ہے۔ بادشاہ سلطنت کے تخت پر بیٹھے ہوئے عدل و انصاف سے
... کرتا ہے کسی کو قتل کراتا۔ کسی کو بدلہ دلاتا۔ کسی کو سرفراز کراتا ہے۔ وزیر عزت
پر بیٹھا ہوا کاروبار سلطنت چلاتا ہے۔ چوکیدار ہاتھ میں ڈنڈا لئے دروازہ
پر کھڑا ہے ... روک ٹوک جانے دینے میں ہوتا ہے۔ قاضی اجلاس پر بیٹھا ہوا مقدمات
... کرتا ہے۔ نقصان کی تلافی کرتا مضرت کی سزائیں دیتا ہے۔ مدرس غرضی
سر نیچے کئے ہوئے۔ کتابوں مثالوں میں غور کرتے ہیں۔ "ہم یہ مانتے۔ یہ نہیں مانتے"
میں ہوتے ہیں۔ قصاب کھال کھینچنے گوشت کے ٹکڑے کرنے تولنے بیچنے میں ہے۔
——— غلہ بیچنے والا۔ ترکاری فروش اور ایسے ہی اور پیشہ و کام کرنے
والے اپنے اپنے کام میں ہیں۔ عاشق کو دیکھو کہ وہ معشوق کے دروازہ پر سر رکھا ہوا ہے

معشوق در ہر دو جہاں ہر چہ شود گو شو گو | وز دور زمان ہر چہ شود گو شو گو
(دونوں جہاں میں جو کچھ بھی ہو۔ ہو | زمانہ کی چکر سے جو کچھ بھی ہو۔ ہو)
مشغول بحق باش بجز از دو کون | وز سود و زیان ہر چہ شود گو شو گو
(حق کے ساتھ مشغول اور دونوں جہاں سے الگ | فائدہ نقصان جو کچھ بھی ہو۔ ہو سو ہو)

عاشق کو اگر معشوق سے ملنا مقصود ہو تو یہ کام اسی کے جال سے اور اسی کے کام سے
ممکن ہے۔ تم نے بھائی اور بادشاہزادی کی حکایت سنی ہوگی۔ عاشق جیسا
کہ معشوق کو ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے ویسے ہی اس کو روتے ہوئے بھی دیکھنے
کا خواہشمند رہتا ہے تاکہ اس کی آنکھ سے آنسو گرتے ہوئے۔ نازت اس کو
صاف کرتے ہوئے۔ چہرہ کی سرخی۔ نگاہوں کی تمتماہٹ کو دیکھے یہ عاشق کے عشق

کے اور زیادہ ہونے کی وجہ ہوجاتے ہیں۔ عاشق یہ چاہتا ہے کہ معشوق غصہ میں آجائے بپھر جائے۔ گالی گلوچ پر آمادہ ہوجائے طعنہ دینے لگ جائے۔ عاشق کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ معشوق حسن کے گھوڑے پر سوار ہوجائے۔ کمر میں تیر باندھے ہوئے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے سینہ کو ابھارے ہوئے ناز کا تیر چھوڑ کر اس کے دل کو دو ٹکڑے کردے تو کیا مزہ ہو۔ عاشق گناہگار کو ایسا معشوق درکار ہے۔ جو اس کی گری ہوئی حالت میں اس کی درخواست پر اس کا ہاتھ تھامے۔ عاشق یہ آرزو میں رہتا ہے کہ معشوق اس کے سینہ پر لات مارے۔ ایسا ہونے کی دعائیں کرتا ہے معشوق کہتا ہے کہ جتنا تو مجھ کو عزیز رکھتا ہے میں تجھ کو اس سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اگر کسی پھول کی پتی سے بھی تیرے سینہ پر خراش آجائے تو میری آنکھوں میں اسی پھول کے کانٹوں کے زخم ہوں گے میں کیسے تیرے سینہ پر لات مار سکتا ہوں۔ عاشق اسی آرزو میں مرجاتا اور اپنی مراد کو نہیں پہنچتا۔ عاشق معشوق کے جو پیچھے پڑا ہوا ہوتا ہے وہ درحقیقت اپنے دل کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ وہ اس کے دل کو لے آیا۔ اپنے دل کے لئے اس کے پیچھے پھرتا ہے۔ اپنے دل کے لئے اس کا پیچھا کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی تمہاری ٹوپی لے اڑے تو تم اس کے پیچھے دوڑتے ہو۔ یہ تمہارا دوڑنا اپنی ٹوپی کے لئے ہے نہ کہ ٹوپی اڑا لینے والے کے لئے۔۔۔۔ عاشق معشوق کی باتیں سننے کا ویسا ہی مشتاق ہوتا ہے جیسا کہ حسن کے دیکھنے کا۔ آنکھیں دیکھتی ہیں تو دل کو خبر لگ جاتی ہے۔ وہ مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کان سنتا ہے تو بات کو دل تک پہنچا دیتا ہے۔ دل عاشق ہوجاتا ہے۔ عاشق پورے طور سے ایک ہی دفعہ ملنا چاہتا ہے۔ معشوق اگر اس کو دو، ایک ہی دفعہ میں اپنے آپ کو دیدے تو وہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے حکمت دار معشوق ایسے وقت میں، نئی ٹوپی سر پر اور بدلی ہوئی قبا جسم پر پہن کر، من کی جگہ میں آجاتا ہے آرام سے بے فکر رہتا ہے۔ معشوق کی یہ مرضی نہیں ہوتی۔ عاشق اپنی خواہش

و مراد کے لئے شکرہ کے جیسا ہے۔ دوسری عجیب بات یہ کہ شکرہ شکار کے لئے اُڑتا ہے مولا اس کو جھپٹ لے کر نکل جاتا ہے۔ عاشق سے اگر کوئی اس کے معشوق کے گھر کا پتہ پوچھے تو اگر وہ گھر مغرب میں ہو تو مشرق کی طرف بتلا دیتا ہے۔ عاشق معشوق کی ایسی ذرداری نزدیکی پیدا کر لیتا ہے جس میں جدائی علیحدگی کا تصور اور ایسی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ معشوق چاہتا ہے کہ عاشق کو مصلحت کے لحاظ سے ایک پیالہ غم و رنج کے خم سے پلائے۔ عاشق کو حاضر لائے اس میں حضوری پیدا کر کے اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ جمال کی تجلی دوسروں پر ڈالے کچھ سمجھتے ہو کہ یہ کیسا عذاب ہے مصرعہ

ہر چہ خواہی بکن اے دوست مکن یار دیگر (اے دوست جو چاہے کر مگر دوسرا دوست نہ بنا)

ایک تدبیر یہ بھی کی جاتی ہے وہ یہ کہ اس سے باتیں کی جاتی ہیں۔ حالات واقعات کہے جاتے ہیں یہاں کی بات وہاں لگائی سکھلائی جاتی ہے۔ عیب نکالنے کو کہا جاتا ہے وہ باتیں بھی اس کی کان تک پہنچائی جاتی ہیں۔ جو دوسروں کے ساتھ کی گئیں۔ عاشق معشوق کے دوست کو دشمن سمجھتا ہے۔ عاشق اس آرزو میں رہتا ہے کہ معشوق چند روز غصہ میں رہے۔ چند دن کے بعد میل ملاپ ہو جائے۔ آپس میں صلح ہو جائے عاشق وہم کا مارا ہوا وہم میں مبتلا وہمی شخص ہوتا ہے۔ عاشق جس کسی کا مبتلا ہے جس میں مبتلا ہے۔ وہ سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں۔ معدومی خرابی ہی خرابی ہے۔ عاشق سے اگر یہ سوال ہو کہ تو کس میں پھنسا ہوا ہے۔ عشق بیکار بیہودہ کام ہے تو عاشق یہی جواب دے گا کہ فلاں کی چال کا مارا ہوں۔ اس کی چال ڈھال پر مرمٹا ہوا ہوں۔ یہ چلن سوائے بیکار کام کے اور کیا ہے جو کہتے ہو وہ ایسا نہیں ہے بتاؤ کون ایسا ہے جو کسی نہ کسی چیز میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ عاشق پر قد کی صورت کا سایہ پڑا۔ وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ آمد و رفت کی اس کو خبر نہ رہی۔ ایک خیال رہ گیا

صورت وہی رہ گئی۔ اس کو وہاں تک لے گیا یہ اس وقت تک جان سے جاتا ہیں جب تک جان تن سے نہ لے جائیں۔ یہ جان لیوا ہے ۔۔۔

عاشق یہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ میرا دل جس کو چاہتا ہے وہ مجھ کو فرد جانتا ہے۔ اس کے انکار میں بہت سارے اقرار ہیں اگر غصہ ہوتا ہے تو ملنے کا امیدوار کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے سلام علیک سے زیادہ معاملہ نہ تھا غصہ ختم ہوتے ہی میل، ملاپ پر آجائے گا۔ یہ رسم و عادت چلی آئی ہے کہ ہاتھ ملانے ہاتھ پاؤں چومنے بغل میں آنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کم از کم زمین کو چوم لینا ہی اس غصہ کو ٹھنڈا کر دے گا۔ میل ملاپ پہ آئے گا۔ دوری نزدیکی سے بدل جائے دوری سے نزدیکی میں آجائے۔ عاشق جیسا کہ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ کسی کو نہیں رکھتا۔ عاشق خود پرست، خود رائے، خود بین، خودنما ہوتا ہے۔ عاشق کے پر و بال ایسے ہیں (اس کی اڑان ایسی ہے کہ وہ) ستاروں سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ اور ایسا پژمردہ دل ہے کہ زمین کے سات پتال کے اندر چلا جاتا ہے۔ عاشق دوستی کی ایسے دریا میں تیرتا ہے۔ جس کا کنارہ نہیں دکھتا عاشق دریا سے دوستی تو کرتا ہے لیکن دریا کا دوست نہیں ہوتا۔ عاشق کسی کی جال میں نہیں پھنستا۔ عاشق نصیحت کرتا ہے۔ جب کہتا ہے تباہی کی کہتا ہے۔ عاشق نصیحت کر کے دل کو قابو میں کر لیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو ہر بندہ کو بندہ بنا لیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو لوگوں کو رلا دیتا ہے۔

عاشق نصیحت کرتا ہے تو سب کو ہنسا دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو لچوں لفنگوں کے دل کو لگتی ہے، آزادوں، قلندروں کو پسند آتی ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو عابد و زاہد کو بانصیب کر دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو عارف و مقرب کو اپنے آپ سے بھائی بندوں سے الگ کر دیتا ہے۔ عاشق نصیحت

کرتا ہے تو مردہ کو زندہ زندہ کو مردہ کر دیتا ہے۔ عاشق نصیحت کرتا ہے تو ساری دنیا
اس پر فدا ہو جاتی ہے۔ عاشق میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ
عشق میل ملاپ۔ محبت کا اظہار بھی کرتا ہے دوسرے کے لئے ملامت لعن طعن
تاکہ معشوق کو طعنہ نہ دیا جائے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے۔ یہ سب جان لیں کہ وہ ایک
ہی کو دل دیا ہے۔ معشوق کے دل میں اگر آجائے کہ وہ کیسا شخص ہے تو عاشق کے
لئے یہ مار ڈالنے والا زہر ہے۔ ہو سکتا اور اکثر ایسا ہوتا بھی ہے کہ مالک اپنی باندی
پر عاشق ہو جائے۔ یہ کوئی تعجب کی بات یا ندرت نہیں۔ اس کو جو بھی چاہو
پوچھ لو۔ جنھیں پوچھنے کو کہتے ہیں۔ انھیں پاؤں پڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ پانی کی
مشک سب کے سامنے ڈھلوانا' عاشق سے رو نہیں سکتے۔ عاشق چور ہوتا ہے
رات میں نگہبانی کرنے والا ہوتا ہے۔ عاشق دنیا کا طالب خواہشمند دنیا کو چھوڑا ہوا
بھی ہوتا ہے۔ عاشق کو خوبصورت خوب سیرت ہونا چاہیئے عاشق کو خوب بولنے
والا۔ شیریں زبان ہونا چاہیئے۔ عاشق چکنی چپڑی باتیں خوب کرتا ہے۔ عاشق خدا
کا شکر بجالاتا رہتا ہے۔ عاشق رنج وغم، دکھ۔ درد میں بے انتہا صبر کرتا ہے۔
عاشق سلوک کے مقامات کو خوب سمجھتا ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ وہ شخص عشق میں
سچا نہیں جو معشوق کی جفا پر صبر نہ کرے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کسی کا صدق عشق کے
مرتبہ میں ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ معشوق کے ظلم وستم و آزمائش پر
وہ شکر نہ کرے۔ معشوق یہ کہتا ہے کہ جو ایسا نہ ہو۔ اس کا نام عاشقوں کی فہرست
سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ معشوق کی جفا اس کے جور وستم سے
لذت لیا کرے۔ تاکہ میدان عشق میں پورا اُترے۔ کسی محقق کا کہنا یہ ہے۔ سچائی
کی ٹکسال میں ایسے کے وجود کے نام کا سکہ ڈھالا نہیں جاتا جس میں معشوق کے
کے ظلم وستم کا شعور ہو۔ احساس پایا جائے۔ عشق نامور انسان' قوم کے سردار'

ذی عزت مرد کو. زمین پر پٹخ دیتا ہے ذلیل وخوار کر دیتا ہے ۔معمولی آدمی کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے جب کہ وہ کسی بلند و اعلیٰ مرتبہ والے کے عشق میں پھنس جائے۔ وہ آوارہ ہو جاتا جنگلوں بیابانوں میں بھٹکتا ہے۔ وہ کیا ہوتا ہے اس کو کچھ بیان نہیں کر سکتے۔ یہاں اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ ؎

من مات عشقا فلیمت ھکذا لاخیر فی اموات غیر عشق

(جو مرا عشق میں ایسا مرا عشق کی موت کے سوائے مرنے میں بہتری نہیں)

عاشق بے نیاز بھی ہوتا ہے اور با نیاز بھی ۔ عاشق چغلخور۔ ناز نخرے والا آنکھوں سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے ۔ عاشق ۔ دلال کے جیسا بھی ہوتا ہے۔ ہر جیہ سے اسی صفت کے ساتھ معشوق کا بیان کرتا ہے جس سے دوایک کے دل میں طلب وخواہش اس کے دیکھنے پانے کا کھٹکا پیدا ہو جاتا ہے۔ عاشق یہ بھی کرتا ہے۔ اس کی آرزو یہ بھی ہوتی ہے کہ معشوق پریشان (آوارہ) اور خستہ ہو جائے۔ چند ہوا پرستوں میں کا وہ بھی ایک رہے۔ اپنی مراد پورے ہونے کے بعد وہ اس خواہش میں رہتا ہے کہ سب سے اول وہ رہے۔ اسی میں وہ موسنے کا خواہاں ہوتا ہے ۔ تو اس کے بعد وہ کوئی راحت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ عاشق کہتا جی آپ ۔ اپنا جواب ہوتا ہے ۔عاشق اپنے جیسا نہیں رکھتا اس کا کوئی مثل ومانند وبرابر نہیں ہوتا عاشق کبھی کبھی اپنے آپ کو مست کے جیسا بنا لیتا ہے۔ معشوق پر ہاتھ چلا دیتا ہے۔ وہ راضی رہے تو مراد مل گئی اگر خفا ہو گیا تو دیوانہ و مست ہونے کا عذر لئے بیٹھے ہوتا ہے کہ میں مست ہوں مجھ کو اپنی ہی خبر نہیں کہ کیا ہوں تو آپ کی کیا خبر پاؤں کیسے جانوں کہ آپ کے ساتھ یہ بے ادبی ہوئی ۔ معشوق کے سامنے اس طرح ادب کے ساتھ بے حس وحرکت کھڑا رہتا ہے جیسے کوئی پرند اس کے سر پر بیٹھا ہوا ہو۔ نہتائی قرار وسکون

کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ اسی طرح سے کھڑا رہتا جیسے کھڑا ہونا چاہئے۔ عاشق مقامر[1] (حریف جواری) ہوتا ہے لیکن ہر وقت اور ہمیشہ دغا بازی کرتا ہے۔ حیلہ باز دغا باز ہوتا ہے۔ اگر عاشق کو معشوق کے ساتھ جوا بازی لگانے کا موقعہ مل جائے تو نہایت نزاکت کے ساتھ ہنستے بولتے دھوکہ دے جاتا اور بہترین دغا بازی کر جاتا ہے۔ جیت جاتا۔ ہار جاتا ہے تاکہ ہر حالت سے ایک مزہ لے۔ جیت کے دھوکے میں رکھکر اس کو ایسا ہرا دے کہ وہ اپنی ہار مان لے کر اس کا ہی ہو جائے۔ اسی سے اسی کے ساتھ کھیلے۔ اسی سے وہی کھیلے۔ عاشق بھیک مانگنے کا پیشہ بھی اختیار کرتا ہے وقت بے وقت۔ جب جی میں آیا معشوق کے دروازہ ہو جاتا۔ بھیک مانگتا ہے بلند آواز سے اچھی لے میں اس کی تعریف و توصیف اس کے لئے دعا کرتا ہے۔ دعائیہ جملے کہتا ہے۔ اگر وہ پوچھ لے کہ تو کون ہے تو اپنا حال بحوال کہکر مطلب عرض کر دیتا ہے اگر تم نے ایسی بات کی ہو تو اس کی لذت پاؤ گے۔ عاشق تماشہ بتانے۔ شعبدہ دکھانے والا بھی ہوتا ہے۔ وہ کھیل تماشے دکھلاتا ہے شعبدے کرتا ہے سب لوگ اس کے دیکھنے میں لگ جاتے ہیں۔ وہ اس کو کرتے ہوئے اپنے مراد و مقصود پر نظر جمائے رکھتا ہے تو اس کو اپنی مراد کی خوشخبری یا اشارہ اچھی طرح سے ہاتھ آجاتا ہے۔ عاشق معشوق کے سامنے اس مزہ کے جیسا رہتا ہے جو نہانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ایسا عاشق معشوق سے مقصد و مطلب نہیں پاتا۔ بلکہ اس کا ہی اس کے لئے ہو کر رہ جاتا ہے۔ عاشق ظلم ڈھانے والا۔ سخت روش و سخت مزاج کا بھی ہوتا ہے کبھی کبھی سختی ظلم سے بھی کام بن جانے کی صورت ہو جاتی ہے۔ عاشق معشوق کو ڈراتا بھی ہے۔ اس سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا مقصد پورا نہ کرے تو میں تجھ کو بدنام کر دوں گا۔ سر بازار رسوا کر دوں گا۔ اسی کے جواب میں وہ فرماتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں کہ کوئی مجھ کو بدنام و رسوا کر سکے۔ تجھ جیسے کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر یہ کہہ دیا تو

---

[1] قمار باز۔ جوئے بازی میں [illegible]

لوگ تجھ کو پتھروں ڈھیلوں سے مار کر مار ڈالیں گے ۔ جو عاشق ہوتا ہے وہ نام اثر گمان ہی سے راضی ہو جاتا ہے ۔ اسی پڑا ایسا ٹھیر جاتا قرار پاتا ہے جیسا کہ اس سے محروم رہ گیا ہوا ہوتا ہے ۔ یہ وہ ہے جو عین وصال میں لذت وصال سے محروم ہو جاتا ہے ۔ عاشق سب سے کمتر ہوتا ہے تمہاری سمجھ میں یہ نہیں آسکتا ۔ تمہارا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا کہ عاشق معشوق سے ملنے کے لئے کیا کیا تدبیریں کیا کیا کھیل ۔ کیا کیا ڈھونگ مچاتا کیسی کیسی کڑیاں ملاتا اور کیا کیا کرتا ہے سنو وہ وہ کرتا ہے جو انتہائی سمجھدار انسانوں کے دل میں یا ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتا ۔ بلکہ وہ عاجز آجاتے ہیں اس کی معمولی سب سے کمتر چال یہ ہوتی ہے کہ وہ معشوق کی نظر میں خود کو ایسا دکھلاتا ہے کہ اس کی کوئی غرض نہیں جس سے وہ سمجھتا ہے کہ یہ بے غرض ملتا ہے اور کچھ کہنے کا کوئی موقع نہیں ۔ عجیب نادر حکایتیں ہی نہیں بلکہ دکھلا دے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انبیاء علیہم السلام سے عقلمند اور سارے حکیموں سے سمجھدار ہیں ۔ آپ نے کیا فرمایا اس کو سمجھ لو آپ جیسے عقلمند' محبت مند کو کیا دکھایا ۔ وہ بھی [illegible] عاشق کی نظر میں معشوق کی رستی (سیدھا ہونا) نہیں وہ اس میں [illegible] (ٹیڑھا ہونا) ہی پاتا ہے معشوق کو اور معشوق کی معشوقیت کو ٹیڑھی چال کے سوائے [illegible] نہیں کہ یہی اس کی چالیں ہیں ۔ وہ یہی کھیل کھیلتا ہے کسی بیچارہ موزوں طبع نے اس بھید کو اچھی طرح سے پاکر الفاظ میں ڈھال دیا ہے چنانچہ کہتا ہے ۔ ؎

ہرگز نگار طرہ بہنجار بشکند ۔۔۔ تا بار عشق پشت خرد زار بشکند

(معشوق کبھی کسی وضع سے طرہ نہیں توڑتا ۔۔۔ تاکہ عشق کے بوجھ سے عقل کی پیٹھ توڑ دے)

عاشق' کھلا پن' کشادگی نہیں رکھتا ۔ عاشق کے ایسی تنگی میں آپھنسنے سے کہ حرکت کرنے ملنے کی بھی جہاں گنجائش نہیں پاتا ۔۔ شق ابتدائی حال میں جو کچھ

اس سے ہوسکتا ہے اس کی تدبیر کرنے سے باز نہیں رہتا مقصود کے حاصل کرنے کی ہر صورت کرتا رہتا ہے ذرا سی بھی کمی نہیں کرتا۔ جب حاصل ہونے ملنے کی کسی قسم کی اُمید باقی نہیں رہتی۔ اور یہ دیکھتا ہے کہ مقصد نہیں مل سکتا تو دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اس کے سامنے آتی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت اس کو نظر نہیں آتی۔ وہ جنگلوں بیابانوں میں گھومتا روتا چلاتا آوارہ و پریشان پھرتا ہے۔ یا کسی حجرہ۔ غار میں سب سے دور اپنا چہرہ سیاہ کئے روتے چلاتے رہتا ہے کسی کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا درد بڑھتا جاتا ہے۔ اسی جلن اسی کڑھن میں گذارتا رہتا ہے۔ یہی اس کی غذا ہو جاتی ہے۔ ایک عاشق وہ ہوتا ہے جو طلب میں رنج و مشقت اٹھا کر راستہ طے کر کے بغل میں پہنچ گیا ہے وہ خوش ہی خوش۔ دل اس کا باغ باغ ہے جنگل باغ آج اس کی نظروں میں برابر ہیں۔ دونوں میں جدائی نہ رہی۔ وہ کسی دالان یا حجرہ میں یا تہہ خانے میں دروازہ بند کئے ہوئے آپس میں ملے ہوئے۔ ایک ہو کر دیکھ بہت خوش رہتے ہیں۔ نہ ہو تو دنیا میں جو کچھ ہو جائے اس کی پروا نہیں ہوتی۔ دونوں مگن رہتے ہیں۔ اگر تم ان دونوں میں ذرا سی جدائی ثابت کرنا چاہیے تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔ عاشق و معشوق کو زیور لباس زیب زینت چمک دمک میں دیکھتا ہے تو آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا۔ منہ پر غازہ ملا ہوا۔ پان کھایا ہر طرح کی سجاوٹ و سنگار میں دیکھنے کا متمنی ہو جاتا ہے اس کے سوا جو باس ہوتا ہے وہ اس کی برہنگی کو چھپاتا ہے۔ دونوں صورت میں اس کو دیکھتا ہی رہتا ہے۔ عاشق بہت ہنستا ہے۔ اس کا ہنسنا رونا اور رونا ہنسنا ہوا کرتا ہے۔ عاشق معشوق کو۔ لاپروا۔ شاندار بڑے مرتبے والا دیکھنا چاہتا ہے اپنے آپ کو عاجز۔ روتا۔ گرا ہوا رکھنا مناسب جانتا ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ

یہ کہ آپ آزاد ہیں۔ آزادی کی عزت کیا ہے اس کو جانتے ہیں ہم غلام ہیں غلامی کی ذلت کو غلامی کو جانتے
ہیں۔ آپ غلامی کیا ہے کیا جانیں۔ عاشق اس آرزو میں مرتا ہے کہ معشوق کے ساتھ ایک
بستر پر سوئے۔ یہ بھی نہ ہو تو اس کے زانو بزانو رہے۔ اگر اس کو دور کر دیں تو دور سے
ہی نظارہ کرتا رہے۔ اگر اس کو گھر سے نکال دیں تو دروازہ ہی پر پڑا رہے۔ اگر دروازہ
سے بھی بڑھا دیں تو اس کی گلی میں رہے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اس کے شہر کا رہنے والا
ہو جائے۔ اگر شہر سے بھی نکال دیں تو جہاں کہیں بھی رہے معشوق کے شہر ہی کی طرف
رخ کئے ہوئے رہے۔ اگر اس سے بھی روکیں تو دل ہی دل میں اس کو دیکھتا رہے۔
اس کے خیال سے اس کو کون روک سکتا ہے۔ اس تمام گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ معشوق
عاشق کے سوا اور عاشق معشوق کے سوا نہیں رہ سکتا۔ عاشق کے لئے دونوں حالتیں مبارک ہیں کہ وہ کبھی
وصال میں کبھی فراق میں ہوتا ہے بہر دو صورت ترقی کرتا ہی رہتا ہے۔ گھڑی دو
گھڑی سکتے کیوں نہ ہو۔ یہاں عاشق کے لئے ایک مشکل ہے وہ یہ کہ معشوق عاشق
ہو جاتا ہے۔ عاشق میں ہر ہوس ہر آرزو کے بھڑکو جو تھا اپنے دباؤ سے دور کر دیا۔
عاشق میں اس کے روکنے کی مجال و طاقت نہیں اور یہ اس سے ممکن بھی نہیں۔
یہاں معاملہ اس نوبت تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر عاشق بھاگنا بھی چاہے تو بھاگ
نہیں سکتا۔ دل کی دنیا کو معشوق کا جمال گھیرا ہوا اس میں اترا ہوا شامل ہوتا ہے
ایک دم کے لئے بھی اس سے علیحدہ یا جدا ہونا ممکن نہیں۔ عاشق۔ رنگ۔ راگنی
خوشنوائی گانے تان مارنے سے خالی نہیں ہوتا۔ نغمہ و شعر سنتا اس کو یاد کر لیتا ہے
اس کو اپنے وقت کا ورد بنائے ہوئے رہتا ہے۔ عاشق یہ بھی کیا کرتا ہے کہ وہ معشوق
کی صورت کو ایک کتاب میں اتارتا ہے۔ [illegible] اس کی شکل کو [illegible] اس
کی تصویر بنا [illegible] [illegible]
[illegible]

رکھتا ہے اور اس سے اثر [illegible] ثبت کرتا ہے کہ وہ معشوق [illegible] کی بڑی [illegible]
عاشق ریاضت کو اس سے عزیز رکھتا ہے کہ اس میں اچھی چیز چھپی ہوئی ہے۔
عاشق ریاضت کو اس لئے بھی دوست رکھتا ہے [illegible] کہ وہ زیادہ [illegible]
ہوتا ہے [illegible] دونوں کو کسی کا شعور نہیں ہوتا۔ ایک کو درمیان کے ساتھ کیا معاملہ
ہوا۔ دونوں ہی نہیں جانتے۔ عاشق ہمیشہ اپنے پیمبر کے بوسے [illegible] لگے
[illegible] رہتا ہے۔ عاشق تو [illegible] جو کچھ کرتا ہے اس کے [illegible] رکھتا
ہے کہ [illegible] نہ جانتے ہوا ناواقفی ہوئی کہ وہ بھی عشق کی راہ چلنے نہیں لگا
[illegible]داری کے مسائل کی تعلیم اس کو نہیں ہوئی۔ ابھی بچہ ہے۔ نیا نیا آیا ہوا ہے۔ جب
بالغ ہوگا۔ مردوں کے حال میں پہنچے گا۔ تو سب کچھ ٹھیک طرح سے کرے گا۔ عاشق کی
معشوق سے شادی بھی ہو جاتی ہے چھوٹے بڑے بزرگ عزیز۔ عزیز اقارب
جاننے نہ جاننے والے سب جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر طرح سے پورے اعزاز کے ساتھ
اچھے کپڑے پہنا کر عطر و خوشبو پھولوں سے معطر کر کے روشنی کر کے سارے حرکات
و سکنات سے اس کو روک کر دلہن بنا کر لاتے اور عاشق کے بغل میں بٹھلا دیتے ہیں
اور مزہ کی بات یہ کہ سب خوشی کا اظہار کرتے تالیاں بجاتے۔ ڈھول پیٹتے ہیں۔
گانا ہوتا ہے مبارکبادی دی جاتی ہے۔ ساری چھپاہٹ پردہ کو ترک کر کے اس کے
سامنے کر دیتے ہیں۔ آہا آہا ایسا کون ہے۔ یہ کس کو نصیب ہوتا ہے۔ کسی کے
سننے میں بھی آیا ہے۔ اے میرے اللہ! اے میرے اللہ۔

عاشق کی زندگی معشوق کے خیال سے ہوتی رہتی ہے اس کے سوا وہ جی نہیں
سکتا۔ عاشق مرتا ہے تو اس کا مرنا۔ درد۔ سوز۔ کے سوا نہیں ہوتا۔ ایک عاشق
وہ ہوتا ہے جو "جہانِ مطلق" پر مرمٹا ہوا ہوتا ہے یعنی جہاں کہیں بھی خوبی خوبصورتی۔
[illegible]

ہو جاتا ہے۔ نور دیکھتا ہے، ایک سے ایک لذت، ایک کیفیت، ایک
سرور پاتا ہے۔ ایک نئی قوت اس میں آ جاتی ہے چنانچہ نظر باز کہتے ہیں کہ ایک لحظہ
میں چھ ماہ کی قوت پیدا کر لیتا ہے۔ عشق جس کا پیشہ ہو وہ ہمیشہ جوان رہتا ہے
بلکہ عنفوانِ شباب میں ہوتا ہے۔ اگر عاشق "بوڑھے" کو دیکھو تو سمجھو کہ اس نے
عشق میں عاشقی میں بڑھاپا پایا ہے جوانوں کا ستارہ ہے۔ جوانوں ہی میں سے
وہ بھی ہے۔ عاشق خوب ناچتا، خوب اچھل کود پٹکتا ہے، خوب گھومتا ہے کر
کاٹتا، آہیں بھرتا، اگر ٹھنڈی سانسیں بھرتا، سینہ پیٹتا ہے اس سے اس کو
سکون و تسکین کا علاج ہاتھ آتا ہے۔ عاشق بہار کا مبتلا بن کر مرتا ہوا ہوتا ہے۔ عاشق
و معشوق میں اگر کچھ معاملہ، قصہ چل رہا ہے تو عاشق سماع سنتا ہے۔ سماع عاشق کو
ٹھیک ٹھاک درست کر دیتا ہے۔ عاشق کے لئے سماع ایسا ہے جیسے کہ جلے ہوئے
کے لئے دوائی۔ جو جلن کو دور کر کے پوست (کھال) کو ٹھیک کر دے کبھی وہ
دن بھی ہوتا ہے کہ عاشق و معشوق میں سلام و پیام، جواب سوال نہیں ہوتا۔ آہ و
نالہ کی شنوائی نہیں ہوتی عاشق کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر معشوق سہارا نہ دے تو وہ
فوری جھک جائے۔ عاشق کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ معشوق بے ہوشی کی کوئی چیز
استعمال کرے تھوڑی دیر کے لئے ہی خوشی سے مست جھومتا آ جائے ممکن ہے کہ ایسی
صورت میں کوئی بات منہ سے مطلب کی نکل آ جائے۔ عاشق یہ چاہتا ہے کہ معشوق اس
کو اس کے سامنے اس کو گالی دے برا بھلا کہے۔ اس کے لئے تدبیر کرتا ہے تاکہ
اس کا دل صبر کر سکے، اس کی جان کو تسلی مل سکے۔ عاشق ہونے کی دلیل: "دیکھنا ہے"
لوگ تجربہ کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ عاشق کے جسم سے جو خون کا قطرہ زمین پر گرتا ہے وہ
معشوق کا نقش بناتا ہے، یہ کہا ہے۔ کیونکہ عاشق معشوق کے ساتھ ایک ہو گئے
ہے ایک خون ایک [illegible] ہو گیا ہے اس کا نقش بن گیا [illegible]

میں فلاں ہوں ۔ نام سے نام کو اتحاد ہو گیا ۔ پورے طور سے مل گئے ایک ہو گئے ہیں
خون سے خون گوشت سے گوشت مل گیا دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں ۔ عاشق معشوق
کے نام کو گن گناتا ہے تال سُر میں کہتا ہے ۔ غزل قصیدہ لکھتا ہے ۔ یہ بہت ہی اچھی
تدبیر ہے اس سے بہت سے معشوق ۔ اچھی طبیعت والے رام ہو گئے اور اس دام میں
آ گئے عاشق اپنے آپ کو مردہ بنا لیتا دانت پر دانت داب لیتا دم روک لیتا ہے
گر پڑتا ہے ۔ آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اس سے کس حد تک تعلق رکھتا ہے ۔ اس کے
دل میں اس کی کتنی جگہ ہے وہ اس کو کتنا چاہتا ہے ۔ اس کے مرنے سے کتنا رنجیدہ
اور جینے سے کس قدر خوش ہوتا ہے اس کا مرنا اس کو رنجیدہ غمگین کرتا ہے یا نہیں
عاشق اپنے آپ کو زبردستی بیمار بناتا ہے ۔ تاکہ معشوق بیمار پرسی کو آئے کیونکہ یہ کہا
گیا ہے کہ دوست کا دیکھنا بیمار کے لئے شفا ہے ۔ مگر وہ علت (بیماری) دوستی کی
ہوتی ہے ۔ عاشق اگر ملنے کا دروازہ بند پاتا ہے تو مسافرت اختیار کر لیتا ہے ۔ سفر
میں دردِ عشق کم تو نہیں ہوتا لیکن سفر کی محنتیں تکالیف اس کا کچھ بدل ہو جاتی
ہیں ۔ اس کو اسی درد و غم میں رہنے نہیں دیتے ۔ بہار کے موسم میں عاشق میں
معشوق سے ملنے کا خیال زور پکڑ جاتا ہے ۔ روز بروز شوق بڑھتا جاتا ہے ۔ بیقراری
بے چینی حد سے بڑھ جاتی ہے ۔ موسم بہار میں عاشق مست و دیوانہ مستی میں چور
رہتا ہے ۔ بادل چھائے ہوئے ہوں بارش ہو رہی ہو تو اس میں بھی یہی صورت
پیش آ جاتی ہے ۔ ولولہ جوش انتہائی صورت میں زور دکھاتا ہے عشق ان دو فصلوں
میں انتہائی عروج کو پہنچ کر عاشق کو الٹ پھیر میں ڈال دیتا ہے ۔ عاشق محبت کے
قصے نسبت کے نام بہت کہتا اور سنتا ہے ۔ عاشق اندھیری راتوں میں ٹھیک
ارادہ کر لیتا ہے ۔ ہجوم بلند نیچی سے چھپے ہوئے مقامات ۔ ۔ ۔ معشوق
ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا ۔ ۔ ۔

کو بدلے بغیر نہیں ہوتا۔ وہ سینہ کے بل لیٹ جاتا ہے۔ اور موری کے ذریعہ اندر پہنچ جاتا ہے۔ کوڑا کرکٹ کانٹے کو سینہ اور سر پر لیتا ہے تو اندر داخل ہوتا ہے۔ اگر مقصود حاصل ہوگیا تو بڑا کام ہوگیا۔ اگر نہ ہوا تو اسی راستہ سے باہر آتا ہے۔ یہ کس کام کے لائق ہے۔ کیا غرض پوری ہوئی۔ کیا نام ہوا۔ لوگوں میں کیا مشہور ہوا۔ کیسا کام کیا۔ کیا اس کا دوست اس کا ہوا۔ اسی میں رہتا ہے۔ عشق کی جال کے لئے ایک ملواح (وہ پرند جس کو جال میں باندھ دیتے ہیں تاکہ دوسرے پرند اس کو دیکھ کر آئیں گرفتار ہو جائیں) درکار ہوتا ہے۔ عاشق معشوق سے بار بار کہتا ہے کہ میں تیرا وفادار ہوں۔ میرا حسب نسب ایسا ایسا ہے۔ میرے ماں باپ ایسے ایسے ہیں۔ میرے باپ دادا یہ یہ تھے۔ میں کم عمر ہوں۔ بہت سے نوجوانوں سے بہتر و چالاک ہوں خوش روش اور ڈیل ڈول کا اچھا ہوں۔ عاشق معشوق جب آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو عاشق معشوق سے کہتا ہے کہ تھوڑا سرمہ آنکھوں میں لگائے۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ سلائی آنکھوں میں پھیری جائے۔ اور میں پلک پر پلک رکھوں۔ تیری بات سے یہ ثابت ہوا تو مجھ پر مرمٹا ہوا نہیں بلکہ میرے حسن و زیبائش پر تیری نظر ہے تو صورت پرست انسان ہے۔

عاشق اپنے آپ کو خود ہی تکلیف محنت میں ڈالتا ہے۔ خود ہی سینہ پیٹتا ہے قینچی ہاتھ میں لیکر اپنے ہونٹ کاٹتا ہے۔ اس سے پوچھیں کہ اس سے کیا حاصل تو جواب دیتا ہے کہ معشوق کا جلال غلبہ کیا ہوا ہے۔ ذرہ ذرہ پر بھی مجھ کو اس کی تاب نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے میں واپس آؤں مجھ پر اس کی نظر شفقت ہو جائے۔ وہ رحم کر دے۔ مجھ کو مجھ میں چھوڑ دے۔۔۔ عاشق کسی امیدواری کی بنا پر اپنے کام کو کم نہیں کرتا۔ اگر ایسا کرے تو اس حدیث سے

حادثہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو اسی کی مراد کے خلاف ہو جائے گا۔ اگر اس سے کوئی
امید رکھے تو وہ حسد و غیرت کم نہیں کرتا۔ عاشق کے لئے سخت حجاب اندھیر
پردہ مقصود سے دور رکھنے والا مرتبہ و منصب ہے۔ چاہے وہ بادشاہی
پیغمبری مرشدی کیوں نہ ہو۔ یہ تینوں بھی سوز و درد میں جلتے ہیں۔ لیکن ظاہر
نہیں کرتے۔ اگر عشق پورے طور سے زور کرے۔ روک رکھنے کی طاقت ان میں
نہ ہو تو دیوانہ کی طرح اپنے مطلب کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس طرح کہ خود بس
طلب سے لذت نہیں لیتے۔ یہ تینوں گروہ عشق ہی ہیں یا عشق نے ان کو کھا لیا
ہے۔ یا انھوں نے عشق کو کھا لیا ہے۔ عزت و وقار تمکین ان کا نقد وقت ہوتا
ہے۔ ان کے وجود کی بود عین شہود عشق ہے عاشق معشوق کو شرمندہ ممنون منت
محتاج دیکھنا چاہتا ہے۔ عاشق شیر مرد (بہادر) ہوتا ہے۔ عاشق شجاع (دلیر)
عاشق اپنے مطلب کا ہوتا ہے۔ عاشق کام کے نتیجہ کو نہیں سوچتا۔ عاشق کسی کام
کا انجام سوچتا اس کی پئے میں رہتا ہے۔ عاشق جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو بہت
ہی دل شکستہ۔ رنجیدہ رہتا ہے۔ عشق متعدی ہے لازمی نہیں (ایک سے دوسرے
تک پہنچتا ہے ایک ہی پر تمام نہیں ہوتا) یعنی دل ایک شخص کو عزیز رکھتا ہے
یعنی اس کے دل کی طرف ایک رغبت والتفات و توجہ ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے
ٹپک پڑتی ہے۔ یہ اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ انتہائی شوق ہے نیکوں کو مجھ سے ملنے
اور دیکھنے کا۔ اور میرا شوق ان سے ملنے ان کو دیکھنے کا ان سے بہت زیادہ ہے اگر
عشق کے راستہ میں سچائی کے ساتھ پہلا قدم پڑ جائے تو پہلے ہی قدم میں
معشوق پیشوائی و استقبال کے لئے آتا ہے۔ عاشق جادو کیا ہوا جیسا
ہوتا ہے جادو کیا ہوا وہی ہوتا ہے کہ جس کو اس کی گرفتاری معلوم نہ ہو یہ بات
اس پر ظاہر نہ ہو۔ عاشق میدان باز (جان) لڑنے والا۔ جان پر کھیل جانے والا ہوتا

ہے۔ عاشق مرد با اختیار ہوتا ہے۔ عاشق ہزار کا آدمی ہوتا ہے۔ عاشق ہر بات
کا نڈر، شرمیلا، دنیا کی خوشامد نہیں کرتا، عاشق ہر کام سے گیا ہوا ہوتا ہے۔ عاشق
کبوتر باز ہوتا ہے کبوتر دل کی ہوا اڑاتا ہے۔ وہ معشوق کا نشان ہوتا ہے۔ اس کا
ہے کہ کبوتر دل کی ہوا ہے۔ جس میں کون آزر بت آتی تصویریں وہ یہ کھیل
کھیلتا ہے کہ دونوں کا یہ ایک امتیازی نشان ہے۔ کیا نہیں جانتے کہ جو کبوتر
اڑتا ہے وہ میری جان، میرا اڑتا ہوا دل ہے۔ تو نے یہ جو مجھے کھول دیے ہیں کیا
نہیں کہ کسی اڑان تک بال و پر کھو دے گر پڑے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ
کبوتر معشوق کے چھت پر اتر جاتا ہے۔ وہاں دانہ پانی حاصل کرنا چاہے تو عاشق
کو ایک موقع ہاتھ آجاتا ہے وہ معشوق کے دروازہ پر کھڑے ہو کر چیخنا چلانا شروع
کرتا ہے کہ میرا کبوتر یہاں آگیا۔ خدا کے لئے واپس دیدو۔ معشوق کی عادت جیسی
ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کبوتر کی یہاں گذر کیسے ہوسکتی
میرے گھر سے اس کو کیا نسبت۔ آخرش دونوں میں کبوتر کے لین دین کا معاملہ
ہوتا ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی بہانہ سے آنا جانا۔ بات چیت کا موقع مل جاتا ہے۔
سیٹیاں بجانا۔ آنکھیں ملانا۔ گانٹھ لینا، چھوڑ دینا۔

اب تم ہی دیکھ لو کہ عشقبازی کے کیا کیا دلی مراد ہوئے۔ اے محمد حسینی!
تم نے بہت کہا۔ اب قلم روک لو۔ منہ زور گھوڑے کو بند کرلو۔ اس پر بات کو ختم
کردو۔ عشق کی منتہا یہاں تک لے آتی ہے۔ عاشق راستہ چلنا نہیں جانتا
عاشق کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ عاشق کسی دین کی گرفت میں نہیں ہوتا۔
عاشق کو کسی سے خوف و امید نہیں ہوتی۔ عاشق جنت دوزخ سے نہیں
ڈرتا۔ عاشق خدا و مصطفیٰ کو نہیں پہچانتا۔ عاشق خود کو کھویا ہوا ہوتا
ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ بقائے وجود کا اگر تصور کیا جا سکتا ہے تو یہ کہدو کہ یہ

ایک وہم ہے۔ ؎

کہ بود ماز ما جدا ماندہ   من و تو رفتہ و خدا ماندہ

(ہم کب ہم سے جدا رہتے ہیں   میں تو چل دیا خدا رہ گیا)

تمت الرسالہ
(رسالہ ختم ہوا)
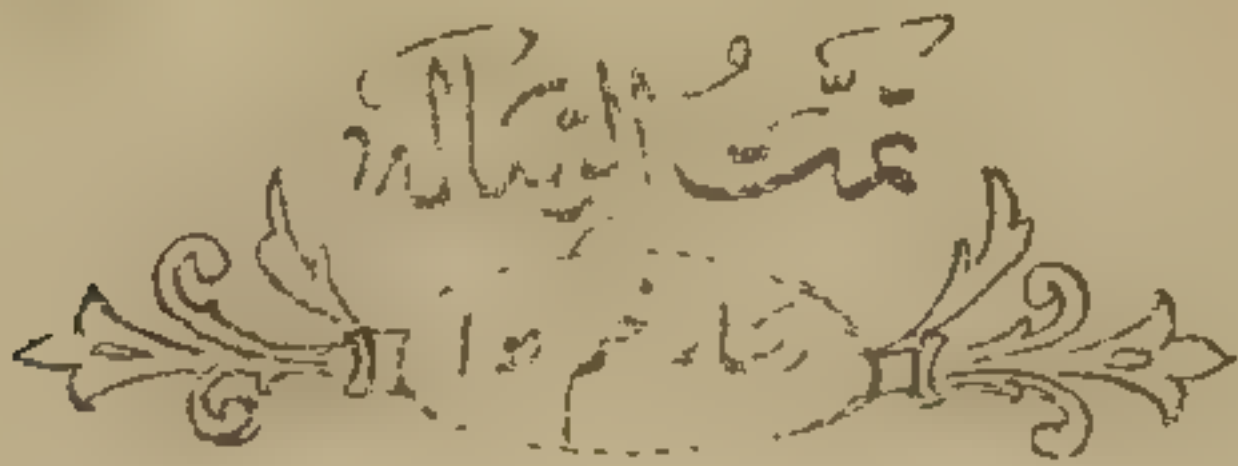
بمقام کراچی ترجمہ قدیم قلمی نسخہ اور مطبوعہ کے مقابلہ کے ساتھ کیا گیا۔

قاضی احمد عبدالصمد

رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ جنوری ۱۹۶۶ء

کتابت احمد ولی الدین خوشنویس

بُرہان العاشقین

المعروف بہ

قِصّۂ چہار برادر

ومشہور بہ

شِکار نامہ

از افادات

حضرت برہان الکاملین الواصلین سید السادات ولی الاکبر الصادق
ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نواز
قدس اللہ سرہ العزیز

و

شروح این مقالہ مستطاب از بزرگان سلف

مترجمہ

حضرت مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہ

برہان العاشقین

از تصنیفات حضرت خواجہ بندہ نواز سید السادات سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ اجمعین۔
قولہ تعالیٰ: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○

بدانکہ ما چہار برادر بودیم از آنجملہ سہ جامہ نداشتند و یکے برہنہ بود۔
آن برادر برہنہ در دستے زر و در آستین داشت بازار رفتیم تا بجہت شکار تیر و
کمان بخریم قضا رسید ہر چہار گشتہ شدیم بست و چہار زندہ برخاستیم آنگاہ چہار
کمان دیدیم سہ شکستہ و ناقص بودند یکے دو خانہ و دو گوشہ نداشت آن برادر
زردار برہنہ آن کمان بیخانہ و بیگوشہ بخرید تیرے می بایست چہار تیر دیدیم
سہ شکستہ بودند و یکے پر و پیکان نداشت آن تیر بے پر و پیکان را بخریدیم و
بطلب صید بصحرا شدیم چہار آہو دیدیم سہ مردہ بودند و یکے جان نداشت
آن برادر زردار برہنہ کمان کش تیرانداز از آن کمان بیخانہ و بیگوشہ آن تیر
بے پر و پیکان را بران آہوے بیجان زد کمندے می بایست تا صید را
بفتراک بندیم چہار کمند دیدیم سہ پارہ پارہ و یکے دو کرانہ و میانہ نداشت
صید را بدان کمند بے کرانہ و بے میانہ بر میان بستیم خندہ می بایست کہ

مقام بینم وصید رانجپتہ سازیم چہار خانہ دیدیم سہ درہم افتادہ بودند دیکے
سقف و دیوار نداشت۔ درآن خانۂ بے سقف وبے دیوار درآمدیم بر
طاق بلند کہ ہیچ حیلہ دست نمی رسید مغلکے چہار گز زیر پائے کند یدیم دست
بہ آن دیگ رسد چون شکار پختہ شد شخصے از بالائے خانہ فرود آمد کہ بخش
من بدہید کہ نصیبے مفروش دارم برادر کامل مکمل درکمین نشستہ بود
استخوان شکار را از دیگ برآورد بر تارک مروے زد درخت سنجدے
از پاشنہ پائے او بیرون آمد بر سرآن درخت زدو آلو رفتیم خربزہ کاشتہ
بودند بغلاخن آب میدادند ازان درخت بادنجان فرود آوردیم وقلیہ زرد
کے ساختیم و باہل دنیا گزاشتیم چندان خوردند کہ اماس شدند بندا شتند
کہ فربہ شدند بدر خانہ نتوانستند رفت و در نجاست خود ماندند و ما
بآسانی از کید آن خانہ بیرون شدیم و بر در خانہ بخفتیم و بسفر روان
شدیم۔ و اولوا الالباب تعرف این حالات را باز نمایند۔

—— تمام شد ——

اُردو ترجمہ

شکارنامہ

ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے۔ تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے ایک بھائی جو ننگا تھا آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔ ہم بازار میں آئے تاکہ شکار کے لئے تیر و کمان خرید لیں۔ قضا آئی اور ہم کشتہ ہوگئے چار مقتول تھے جو ہمیں زندہ ہوکر اُٹھے۔ ہم نے چار کمان دیکھے جن میں سے تین ٹوٹے ہوئے اور ناقص تھے۔ ایک کمان دو کونے اور دو خانے نہ رکھتی تھی۔ ایک بھائی جو ننگا تھا اور آستین میں اشرفی رکھتا تھا۔ اس کمان کو خریدا جو دو کونے اور دو خانے نہ رکھتی تھی۔

ہم نے چار تیر دیکھے۔ تین ٹوٹی ہوئی تھیں اور ایک پر و پیکان نہ رکھتی تھی۔ اس بے پر اور بے پیکان تیر کو خریدا اور شکار کی تلاش میں جنگل کی طرف چل پڑے۔ ہم نے چار ہرن دیکھے تین مردہ تھے اور ایک جان نہ رکھتی تھی، اس اشرفی والے ننگے بھائی نے کمان کھینچی اور تیر چلایا۔ اس بے خانہ اور بے گوشہ کمان سے اس بے پر و بے پیکان تیر سے اس بے جان ہرن کو مارا۔ ایک کمند کی ضرورت ہوئی تاکہ شکار کو فتراک میں باندھ لیں ہم نے چار کمند دیکھے جن میں سے تین پارہ پارہ تھے ایک کمند ایسی تھی جو دو کنارے اور درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔

اس بغیر کنارے اور بغیر دھارے کی کمند نے شکار کو باندھ لیا۔

ایک گھر کی ضرورت تھی جس میں بیٹھیں اس شکار کو پکائیں۔ ہم نے چار گھر دیکھے۔ تین ٹوٹے پھوٹے تھے ایک چھت اور دیواریں نہیں رکھتا تھا اس بے چھت اور بے دیوار گھر میں اُترے ایک دیگ دیکھی جو بہت ہی بلند طاق پر رکھی تھی جس تک کسی حیلہ سے بھی ہاتھ نہیں پہونچ رہا تھا اس لئے ہم نے چار گز کا ایک گڑھا کھودا اس دیگ تک ہمارا ہاتھ پہنچ گیا جب دیگ پک گئی ایک مرد اس گھر کے اوپر سے ظاہر ہوا اور کہا کہ میرا حصہ مجھ کو دے دو۔ میں بھی ایک حصہ رکھتا ہوں۔

وہ ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی تیر چلانے والا جو میں

تھا مت لگائے تاک میں بیٹھا تھا ایک ہڈی اس دیگ سے نکال کر اس کے سر پر مارا۔ درخت سنجد یعنی زرد آلو کا درخت اس کی ہڈی کے نیچے سے نکل آیا۔ اس درخت پر ہم گئے خربوزے کی کاشت ہو رہی تھی

گو پیروں سے پانی دیا جا رہا تھا تب بیماری ہو رہی تھی اس درخت سے ہم

ترجمہ

شرح برہان العاشقین

شرح

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائے سخن بنام یکے	در دو عالم یکیست نیست شکے
بات کی ابتدا ایک کے نام سے	دونوں جہاں میں ایک ہی ہے اسمیں کچھ شک نہیں
او یکے وصفات او بسیار	لیس فی الدار غیرہٗ دیار
(وہ ایک ہے اس کی صفتیں بہت ہیں	گھر میں اسکے سوا کوئی بسا ہوا نہیں) بسا ہوا نہیں

أیها الاحباب هذا جواب ما قال (اے دوستو۔ جو کچھ کہا اسکا یہ جواب یعنی شرح ہے)

"ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے"۔ اللہ اعلم (اللہ جانتا ہے) (۱) عقل ۲۔ نفس (۳) طبیعت (۴) ھیولیٰ یعنے ہم چار ارواح تھے (۱) پہلی روحِ ربانی ۲۔ دوسری روح حیوانی (۳) تیسری روح جمادی چوتھی روح ملکوتی سمائی (آسمانی) یہ چار بھائی نیلگوں پردۂ افلاک (نیلی آسمانوں کے پردہ) سے۔ خاک آلود زمین (مٹی گرد و غبار ملی ہوی زمین) پر آئے اِھْبِطُوْا کا اَمر ہونے (اتر جاؤ کا حکم ہونے) سے معرفت صفات و محبتِ ذاتِ احد پاک کے شکار کی طلب میں آسمان سے زمین پر آ گرے۔ قُرب (نزدیکی) سے بُعد (دوری) میں پہنچ گئے جمع (وحدت) سے تفرقہ (کثرت) میں آ گئے۔ کنت کنزاً مخفیاً (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) کے راز سے وقوف دئے گئے۔ باخبر کئے گئے تو عشق کی تلوار سے معشوق کی عزّت نے عاشقوں کو شہید کر ڈالا تا کہ خزانہ لوٹ لیا جائے۔

"ہم بازار میں آئے تا کہ شکار کے لئے تیر و کمان خریدیں۔ قضا آئی اور ہم کشتہ ہو گئے۔ چار مقتول سے چونتیس زندہ ہو کر اٹھے"۔

جنوبی چورستے کے سرے (نکڑ) پر تبقب بے نیازی سے عقل مجازی (ظاہری سمجھ بوجھ)۔ علم لاینفع (علم جو نفع فائدہ نہ دے) کی طرح لنڈھا دیے گئے تو اس خاک سے ان کے بدن کیچڑ جیسے ہو گئے۔ جس سے آئینۂ دل بنائے۔ پہلے مقتول سے چار قسم کی عقل۔ یعنی "حسی"۔ "غریزی"۔ "طبعی"۔ "حقیقی"۔ دوسرے مقتول سے چار قسم کے آدمی۔ کافر۔ "مومن"۔ "فاسق"۔ "منافق"۔ تیسرے مقتول سے چار عنصر۔ "آگ"۔ "پانی"۔ "ہوا"۔ "مٹی"۔ چوتھے مقتول سے چار طبائع۔ بلغم۔ صفرا۔ سودا۔ خون۔ پیدا ہو گئے چار سے چوبیس زندہ ہو گئے۔

"تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے" یعنی حیوان۔ نبات۔ جماد۔ کہ وہ کمال پانے کی استعداد کا لباس نہ رکھتے تھے۔ مطلب یہ کہ افراط (بڑھاؤ) تفریط (گھٹاؤ) اختلاف (فرق) (تفاوت) میں تھے۔ تری۔ سردی۔ خشکی۔ گرمی کی کشاکش (لڑائی) آپس میں گتھ جانے نے ان کو (دو گروہ) دو جماعت بنائی ہوئی تھی۔ چاروں کے چاروں ایک ہی دام (جال) میں پھنس گئے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ آسمان سے زمین پر آگرے تھے۔ اب وہ زمین سے آسمان پر جا رہے ہیں۔

"ایک بھائی جو ننگا تھا اور آستین میں اشرفی رکھتا تھا" یعنی وہ بھائی جو انسان تھا غرور کے لباس اور شیطانی دھوکے سے بچا ہوا تھا۔ خالی تھا۔ ایمان کی نقد اشرفی عنایت کی ہوئی آستین میں رکھتا تھا کیونکہ "عنایت الازلیت کفایت الابدیت"۔ (ابتدائی عنایت انتہا تک کافی ہے) ایک مجرد (تنہا شدہ تجرید میں آیا ہوا) عارف مخلص (سچی جان پہچان حقیقی خلوص رکھنے والا) نے وسط حال میں فاستقم کما امرت (جو حکم کیا گیا اس پر مضبوطی سے قائم رہ) کی نداسنی۔ لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما (فضول خرچی نہ کرد۔ کنجوسی نہ کرد۔ درمیانی راہ پر قائم رہو) کے خطاب کی اجابت کی یعنی مانا قبول کیا۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ

نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ کوشش کرے) کے لحاظ سے اجتہاد کرے (سوچ بچار، محنت) میں ڈال دیا گیا۔

"ہم نے چار کمان دیکھے جن میں تین ٹوٹے ہوئے اور ایک ناقص تھی"۔
یعنے تین اعتماد کے قابل (لائق بھروسہ) نہ تھے۔ پہلی ناقص کمان دنیا کے لوگوں کی رسم؛ عادت (چلن طریقہ) کہ ہر ایک اپنے اپنے اندازے سے کہ جو اندازے ہی نہ تھے بنا رکھا تھا۔ جو قدرت عامیانہ (عام لوگوں کی طاقت وسکت) کے جیسی ناقص و بے بنیاد تھی۔ (ادھوری بغیر پایہ کے تھی) ناکارہ تھی) دوسری کمان تعصب (بےجا جانب داری) اور ڈھکوسلے کی تھی جو اپنی سمجھ اپنے خیال کی بنا پر گھڑی گئی تھی جیسے کہ بہتر ۷۲ مذاہب اور فرقے کہ سب کے سب دوزخی ہیں۔

تیسری کمان۔ اسناد۔ منقولات۔ معقولات۔ روایات۔ مسائل ورسائل۔ کی تھی جو آپس میں گتھے ہوئے ہونے کی وجہ سے راستہ کو ہیر پھیر کا پریشان کرنیوالا بنائے ہوئے تھے۔ چوتھی کمان۔ قرارت۔ شرائع۔ سُنن۔ قوس مستقیم (دائرہ قائمہ) کی تھی۔ لیکن یہ کمان ہر کسی کی قوتِ بازو کے مناسب و موافق نہ تھی۔ یعنی اس کمان کے چلّے کا کھینچنا ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی

"ایک کمان دو کونے اور دو خانہ نہ رکھتی تھی"۔ یہ قرآن ہے۔ ایسی بحر (سمندر) ہے جس کی تہہ منجدھار اور کنارہ نہیں رکھتی۔ قولہ تعالیٰ لنفذ البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (ختم ہو جائیں دریا میرے پروردگار کے کلمات ختم ہونے سے پہلے) رب نور۔ قرآن کمان۔ زمانہ کی کمان کے لئے زبان کا تیر، دوست کی کمان کے لئے قلم کے تیر کی ضرورت تھی۔

"چار تیر ہم نے دیکھے جن میں تین ٹوٹے ہوئے تھے"۔ پہلا تیر بخل کا۔ دوسرا تیر قہر (زور غلبہ دباؤ) کا۔ تیسرا تیر غصہ کا۔ چوتھا تیر کبر (بڑائی شیخی) کا۔

یہ موت کے وقت تباہ ہو جاتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی آپس کی نسبت ان میں نہ رہے گی۔

"چار ہرن ہم نے دیکھے تین مُردہ تھے ایک جان نہ رکھتی تھی"۔ یعنے امارہ، لوامہ، ملہمہ جو حیاتِ حقیقی سے مُردہ اور بے خبر تھے۔ مطمئنہ وہ تھی جو جان نہ رکھتی تھی۔ فرمان کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔ فرمان ہو تو حرکت کرتی ہے صدق کے تیر ومامن توفیقی اِلّا باللہ (نہیں مجھے توفیق مگر اللہ سے) کو ہم نے اخلاص کی کمان میں رکھ لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ (اللہ کے سوا کسی میں حول وقوت نہیں یعنے اللہ ہی میں حول وقوت ہے) کی قوت سے کھینچ کر جیسے ہی چھوڑا مطمئنہ کو شکار کر لیا۔ جو کوئی پیر یعنی مرشد ہو جاتا ہے وہ ایک تیر میں تین شکار مار لیتا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ایک کلمہ سے تینوں نفوس کو قابو میں کر لیتا ہے۔

"ایک کمند درکار تھی جس سے شکار کو شکار بند پہ باندھ لیا جائے"۔ یعنے اس شکار کو جو شہید ہو گیا تھا شاہد کے شہود میں لے جائیں۔

"ہم نے چار کمند دیکھے جن میں تین پارہ پارہ تھے"۔ تین کمندیں ایسی ٹیڑھی تھیں کہ وہ کسی سے سیدھی نہ ہو سکتی تھیں۔ پہلی کمند جہل (نادانی بے علمی) کی جو جہل مُرکب (اعتقاد کر لینا کسی چیز کی حقیقت کا برخلاف اس کی حقیقت کے) مثلاً پیتل کو سونا۔ پتھر کو لعل) اور جہل بسیط (نہ جاننا کسی چیز کی حقیقت کا) کی تھی دوسری کمند (غرور، اکڑ۔ گھمنڈ۔ فریب) کی باری تعالیٰ شانہٗ کی عبادت اس کی رحمت کے زعم (زور وقوت) کی تھی۔ تیسری کمند۔ امیدِ رحمت سے دلیری تمنائے خیال ناامیدی کرم کریم کی تھی۔

"وہ ایک کمند ایسی تھی جو دو کنارے اور درمیانی دھار نہ رکھتی تھی" یعنی عنایت بے نہایت کی کمند تھی۔ جس کی ابتدا ظاہر نہ تھی کہ وہ کب سے اور کس سے ہے اس کی انتہا ظاہر نہ تھی کب تک اور کہاں تک ہے۔ اس کے درمیان سے کوئی حد یا عدد (کنارہ۔ گنتی) بھی ظاہر نہ تھی یعنے حَبْلُ اللّٰه (اللہ کی رسی) اس کے حلقہ) سے شکار کو اعتصموا باللّٰه (بھروسہ کرو اللہ پر) کے شکار بند پر باندھ کر افوض امری الی اللّٰه (اللہ کے سپرد کیا اپنا کام) کے راستے سے روانہ ہوئے رضینا بقضا اللّٰه تعالیٰ (راضی ہوئے ہم اللہ کے ٹھہرائے ہوئے پر) کے مقام میں ثابت ہو کر توکلت علی اللّٰه (بھروسہ کیا ہم نے اللہ پر۔ اللہ کو ہم نے اپنا کارساز بنالیا) کے شوق (جذبہ) کے ساتھ اس کمند پر جس کا سرا تھا پیچ باندھ لیا۔

"ایک گھر کی ضرورت تھی جس میں ٹھہریں اس شکار کر لیا میں ہم نے چار گھر دیکھے تین ٹوٹے پھوٹے تھے" پہلا گھر بدن کا تھا جو معلول (علت لیا ہوا تھا) اور سارے اضداد کا جس میں اجتماع (ایک دوسرے کے خلاف کا جس میں جماؤ) تھا معانی سے مجہول تھا (مطلب صاف نہیں کھلتا تھا) مدت سے نیچے اوپر ہوگیا تھا۔ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ دوسرا گھر دوستی امید دنیا۔ طول امل (دراز امید) انتہائی غفلت اور موت کی بھول کا تھا۔ تیسرا گھر ظاہری توت اچھے جوڑ بند۔ وجود کی استواری برداشت کا تھا۔ اس میں شکار کو رکھا یا تو وہ ندامت (شرمندگی) کی آنچ سے پک گیا۔ ہاں یہ ہوا کہ وسوسہ شیطانی۔ تو ہم غرور یعنے بڑائی۔ اپنے کو کچھ سمجھنا۔ خود پسندی۔ خود رائی۔ دماغ کے اوپر کے حصہ سے نکلا۔ خیمہ (ا) کے گستاخی کی جگہ پر آگرا اور کہاں میں بھی ایک مقرر حصہ ہے

ہوں۔ مجھ کو میرا حصہ دیدو"

"وہ بھائی جو غرور کا لباس نہ رکھتا۔ بُری باتوں سے پاک و علیحدہ تھا۔
ایمان کی اشرفی جس کے آستین میں تھی۔ اس کمند میں ایسا قابو میں کر لیا تھا کہ وہ
معرفت کے بیتے ٹھیک ہوگئی تھی"۔ یعنے وہ روح۔ نفس ناطقہ۔ عقلِ کل۔ علم بالغ
قوتِ توحید اور قوتِ عمل سے حقیقت کے ساتھ خلیفہ حق ہوگیا ہوگیا انا جعلنٰک خلیفۃ
فی الارض (ہم نے تجکو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔) کا فرمان اپنے ساتھ رکھتا تھا
جواں مردی بہادری دکھلائی نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی۔ (روکا اپنے آپ کو خواہشات
اور شہوات سے (میں رد کر) اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (جو میرے بندے
ہیں اُن پر تیرا تسلط قابو نہیں) کی آیت کے لحاظ سے وہ نفس۔ ہوا شیطانی
کی بڈیاں اکھیڑ پھینک دیا۔ مکر کے درخت کو تخم یج فی الاصل الجحیم وطلعہا
کانہ روس الشیٰطین (نکلتے ہیں تہ میں سے دوزخ کے نکلنا اُن کا جیسے کہ
شیطان کے سر) اس میں اس کے پاؤں پھنس جانے سے بچ گئے فبعزتک لاغوینہم
اجمعین (تیری عزت کی قسم اُن سب کو بھٹکا کر چھوڑوں گا) کے دعوی کی بناء
پر اس نے ... ماڑکا تھا۔ قوت ایمانی نے اس کی ضرب کو کمزور کر دیا۔ دل میں
جو کچھ تھا اس کو ظاہر کر دیا کہ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔ (البتہ شیطان کا
مکر کمزور تھا) اس سے گذر کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ
(مگر تیرے وہ بندے جو مخلص ہوں کا جو اثر ہے۔ اس سے اپنی اصل سے لامحالہ
رجوع ہو گیا کہ کل شیٔ لا یرجع الی اصلہ (ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) کاش
وہ دعوی کرنے سے پہلے سوچتا کہ یہ ایک محکمہ تیر (استوار او منتہ طراز) رکھتا
ہے۔ جب عاقبت کی وادی میں اس کا معاملہ پورا ہو گیا تو اس نے پیسہ ٹکا۔
زر و جواہر کو پیسے والے مسخروں کے لئے چھوڑ دیا کہ الدنیا جیفۃ وطالبہا

کہ ۔ دفن کا دروازے اس کا طالب کیا ؛

"وہ دنیا دار اتنا کھائے کہ اماس کر گئے اور سمجھے کہ موٹے ہو گئے" ہم ان سے ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی ان ہی کی طرح پریشان ہو جائیں کہ وہ موٹے پن کو جو اماس سوجن ہے اور دبلے پن کو جو بھوک سے ہے تمیز نہ کر سکتے تھے ۔

"وہ گھر سے آسانی کے ساتھ باہر نہیں نکل سکتے تھے ۔ اپنی نجاست میں آپ رہ گئے" یعنے والنازعات کی ضرب سے جان کندنی میں نکرداری حسرت میں رہ گئے ۔ جن کی جان کو سختی سے باہر لانا پڑا ۔ چنانچہ انہیں موت کی بے ہوشی ۔ ایمان سے پھر جانے کی بد مزگیاں دکھائی جاتی ہیں اور علت سبل (آشوب چشم آنکھ کی ایک بیماری ہے خراتی (ذرب جانا) درد ، تکلیف دماغ کا دباؤ ۔ جب کہ جان کنی کی تکلیف سے ایک پاؤں کی پنڈلی پاؤں کی پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے گی اس دن اپنے رب کی طرف تجھ کو چلنا ہوگا ۔۔۔۔ بہرحال انتہائی تکلیف دہ ۔ دوری کی مصیبت میں جان دینا پڑتا ہے ۔ اس حالت صورت کے ساتھ ان کی جان تن سے جدا ہو جاتی ہے ۔ اور قیامت تک قبر کے عذاب میں گرفتار رہتے ہیں ۔

"ہم آسانی کے ساتھ اس گھر کے سکرات سے باہر آ گئے" یعنی جو بہ انسانی قوت جذبہ رحمانی ہونے اور ارجعی الی ربک (لوٹ آ اپنے رب کی طرف) کا اشارہ پانے سے آسانی کے ساتھ جنت میں پہنچ گئے ۔ اس کے جوڑ کے لئے ارجعی کا دم پائے ۔۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں ۔) کی ندا سے ۔ جیسا کہ مسکہ میں سے بال نکلتا ہے ۔ نکل گئے ۔ جیسے کہ گلاب میں سے خوشبو کانٹے کے کھٹکے کے بغیر نکل آتی ہے ہم نکل آئے ۔ دشوار چیز ہم پر آسان ہو گئی ۔

گھر کے دروازے میں سو گئے اور خوش خوش سفر کے لئے روانہ ہو گئے "یعنی دوستان

لہ والتفت الساق بالساق الی ربک یومئذ ن المساق ۔

میں کہ فنا نے محض ہو گئے اور لوگوں کے لئے اپنا دروازہ بند کر لیا۔
باغ میں بیٹھے رہے۔ سب مسافر یہ گنگنانے کہنے لگ گئے ؎

شاہ ما چوں بہ عشق می سازد　　اِهبطو را بہ ارجعی بازد
جب ہمارا بادشاہ عشق کا کھیل کھیلتا ہے　　اترو کو لوٹو سے جتا دیتا ہے
ایں سوال و جواب گشت تمام　　بر محمد زما درود و سلام
یہ سوال و جواب پورے ہو گئے　　محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا درود و سلام

ترجمہ

شرح برہان العاشقین

شرح حضرت خواجہ ابو صالح الشیخ محمد چشتی

عرف

شیخ محمد حسن چشتی قدس سرہ العزیز

نبیرۂ

شیخ الاسلام سراج الدین علامہ چشتی قدس سرہ

مترجمہ

حضرت مولانا قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے" یعنی چار عناصر۔ نو آسمانوں سے ظہور پاتے تھے۔ ان عناصر کا ہیولیٰ (اصل) ایک تھا۔ افلاک آسمانوں کی تاثیر سے یہ چار ہو گئے

"تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے" یعنی ایسا لباس نہ رکھتے تھے کہ اپنی اصلی صورت میں باہر آجائیں۔ اگرچہ ان میں پورے طور سے اختلاط (ملاپ) ضرور ہو گیا تھا۔ کرہ ارض۔ کرۂ آب۔ کرہ ہوا کی خاصیت۔ ہر ایک میں سے جا چکی تھی۔ ان میں ایسا ملاپ پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ علم میں حکمت گڈ مڈ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایک بھائی جو ننگا تھا وہ آستین میں اشرفی رکھتا تھا" یہ عنصر آگ تھا وہ کسی سے بھی کسی طرح کا ملاپ نہ رکھتا تھا۔ لباس لینے کے بعد اس کے مزاج کی تاثیر سب سے بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اس کو روح سے نسبت تھی۔

"ہم بازار میں آئے تاکہ شکار کے لئے تیر و کمان خرید لیں۔ قضا آئی اور ہم کشتہ ہو گئے چار مقتول سے چہ ہیں[۱] زندہ ہو کر اٹھے" یعنے ترکیب میں آئے۔ یعنی مزاج پیدا کئے تاکہ روح کے شکار کے متعلق اسباب اور جو کچھ اس کی ضروریات ہو[ل] مہیا کر لیں۔ ہم آپس میں اس طرح مزاج پائے[علہ] گھل مل گئے کہ ہماری وہ اصلی صورت نہ رہی۔ ہر ایک سے چھ چھ ظاہر ہوئے۔ یعنی پانچ حواس اور روح حیوانی (خون) یہ اس لئے ظاہر ہوئے کہ ہر ایک کو اس میں ایک دخل ہے۔

"ہم نے چار کمان دیکھے جس میں تین ٹوٹے ہوئے تھے" یعنے چار اخلاط صفرا سودا۔ خون بلغم۔ تین ایسے تھے کہ جن میں قبضہ نہ تھا۔ کوئی قابلیت نہ تھی۔

ایک کمان [illegible] نقص تھی جو دو کونہ دو دہانہ نہ رکھتی تھی۔ اس کو ننگا بھائی جس کے آستین

[illegible]

میں اشرفی تھی خرید لیا" مطلب یہ کہ آگ نے صفرا سے تعلق کر لیا۔

"ایک تیر کی ضرورت تھی"۔

"ایک تیر کی ضرورت تھی"۔ ایسی تیر درکار تھی جس سے روح کو شکار کریں۔

"ہم نے چار تیر دیکھے" یہ اخلاط کے قویٰ ہیں "تین ٹوٹے ہوئے" جس سے شکار کرنا ممکن نہیں۔ وہ سودا، بلغم، خون کے قویٰ ہیں۔

"ایک تیر پر دپیکان نہ رکھتا تھا۔ ناقص تھا۔ اس کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ وہ صفرا کی قوت تھی۔

جس تیر میں پر و پیکان نہ تھا اس کو ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی کمان کھینچنے والے نے خرید لیا۔ یہ آگ کا عنصر تھا۔

"شکار کی طلب میں صحرا میں پہنچے" عنصر کے میدان میں سواری آگئی۔

ہم نے چار ہرن دیکھے" جمادیہ۔ نباتیہ۔ حیوانیہ۔ انسانیہ"

"تین مردہ ایک جان نہ رکھتی تھی"۔ جان نہ رکھنے والی روح انسانیہ ہے جب وہ جسم سے تعلق پاتی ہے تو تصرف کرنے لگتی ہے۔

ننگا بھائی آستین میں اشرفی رکھنے والا۔ کمان کھینچنے تیر مارنے والا۔ اس کمان کو جس میں دو کونے دو خانہ نہ تھے۔ پر و پیکان نہ تھے اس ہرن پر چلایا" روح گرمی (آگ) سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے ایک کمان کی ضرورت تھی کہ شکار کو زنجیر باندھ دیں۔

ہم نے چار کمان دیکھے جس میں تین پارہ پارہ (ٹوٹے ہوئے) تھے۔ گردہ۔ پھیپھڑا۔ دل۔

ایک کمان وہ تھی جو دو کنارے اور درمیانی دھارا نہ رکھتی تھی۔ یہ دل ہے جس کی شکل صنوبر کی سی ہے دو کنارے دو خانے درمیانی چیز اس لئے اس میں نہیں ہے کہ یہ مدور (گول دائرہ) ہے۔ ایسے میں یہ چیزیں نہیں ہوتی" اس پر اس شکار کو باندھ لیا" یعنے

روح انسانی نے اس سے تعلق پیدا کر لیا

"ایک گھر درکار تھا کہ ٹھہر جائیں" اور شکار کو پکائیں۔ یعنے روح انسانی اپنے کمال کو پہنچے۔

"ہم نے چار گھر دیکھے" چار کرۂ عناصر۔ تین ٹوٹے پھوٹے تھے۔ یعنے کرۂ آب کرۂ ہوا۔ کرۂ آتش کہ جس میں ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ ٹھہرنے کی جگہ نہ بنا سکتے تھے۔

"جس کی چھت تھی نہ دیوار اس گھر میں ہم اتر گئے" کرہ ارض (زمین) پر ہم نے اپنے ٹھہرنے کی جگہ اپنا گھر بنایا۔

ایک دیگ کی ضرورت تھی "جس میں شکار کو پکائیں" وہ پک جائے اپنے کمال کو پہنچ جائے۔

"ہم نے ایک دیگ اونچی طاق پر دیکھی" یہ افلاک (آسمان) ہیں۔ اس شکار کا کمال پانا۔ پک جانا ان کی قوت پر موقوف ہے۔

"ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا اس لئے ہم نے چار گز کا گڈھ کھودا" ہر عنصر کو ایک گز کے برابر فرض کر کے اعتبار دیا۔ ظاہر ہے کہ قوائے علویہ قوائے سفلیہ کے بغیر تاثیر پیدا نہیں کرتے (آسمانی قوتیں زمینی قوتوں کے بغیر یعنے جب تک دونوں نہ ملیں اثر ظاہر نہیں ہوتا۔) جب دونوں کو ایک دوسرے سے ربط دیا تو اس دیگ تک ہاتھ پہنچ گیا ان میں ربط پیدا ہو گیا تو دیگ پک گئی۔

جب دیگ پک گئی ایک مرد اس گھر کے اوپر سے ظاہر ہوا اور کہا کہ میرا حصّہ مجکو دیدو۔ میں بھی ایک حصّہ رکھتا ہوں" یعنے آسمانی علتیں۔ بلندی کی بیماریاں جو کچھ تھے وہ ظاہر ہوئے۔

زونگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی تیر چلانے والا زمین پر گر گیا نانگا بھائی ... ناک میں بیٹھا ہوا تھا یہ آگ کی گرمی تھی۔

ایک ہڈی اس کی پیٹ سے نکال کر اس کے سر پہ مارا۔ اصولاً بیماریاں علتیں روح سے دفع ہوتی ہیں۔ دور ہو جاتی ہیں جو گرمی سے نسبت رکھتی ہیں۔ ہڈی سے مراد قوائے علویہ و سفلیہ ہیں (ملائک سماوی و ارضی)۔

"درخت زردآلو یعنی سنجد کا درخت اس کی ایڑی کے نیچے سے نکل آیا"۔ بیماریاں علتیں چلے جانے کے بعد صحت ظاہر ہوئی۔

اس درخت پر ہم گئے جہاں خربزے بوئے گئے تھے ان کو فلاخن سے پانی دیتے تھے"۔ گویا اُس کے آبیاری کرتے تھے یعنے غذائیں۔ غلہ۔ ترکاریاں جو زمین پر اُگتی ہیں انکی پرورش ہوا سے ہوتی ہے۔ "اس درخت سے ہم نے سنگین توڑ لئے" یعنے وہ چیزیں جن سے انسان کو قوت آتی ہے وہ ظاہر ہوئیں۔

"اُس کا ہم نے سالن پکایا"۔ اس کو پوری طرح سے تیار کیا۔ مہیا کر لیا پکا لیا۔ تو "دنیا والوں کے لئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا"۔ جو کوئی خدا کو چاہتا ہے وہ سب سے الگ رہتا ہے۔

دنیا والے (دنیا دار) اس کو اتنا کھائے کہ سُوج گئے۔ اماس کر گئے۔ جتنی ضرورت تھی جس کی جو حاجت تھی اس سے زیادہ آگے بڑھ گئے۔ دنیا میں مبتلا ہو گئے۔

"وہ گھر سے باہر نہ نکل سکے"۔ ہم اس گیبز بسنڈ اس سے باہر ہو کر گھر کے دروازے پر دنیا میں سو گئے۔ یعنے دنیا کو ہم نے چھوڑ دیا۔ سفر آخرت کے لئے روانہ ہو گئے تصرف والے حضرات۔ معرفت والے بزرگ۔ فقیروں کے سرداران حالات کو جان لیں۔ تمت الرسالہ۔

شرح

حضرت مولانا میر سیّد عبدالواحد بلگرامی

قدس سرہٗ العزیز

مترجمہ

مولانا قاضی احمد عبدالصمد صاحب فاروقی قادری چشتی قدس اللہ سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان کلمات کا موضح (وضاحت کرنیوالا شرح لکھنے والا) عبدالواحد ابراہیم بگرامی کہتا ہے کہ اہلِ تحقیق کی باتیں اگرچہ وہ ہزل و مزاح (ہنسی دل لگی) ہی کی کیوں نہ ہوں بیہودہ (بے کار) نہیں ہوا کرتیں۔ الفقراء ھزلہم جِدّ وجہلہم جد (فقیروں کی ہنسی دل لگی کی باتیں ان کی کوشش ہے اور انکی کوشش اہم ہے) مصلحت مناسب وقت منفعت یعنے فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ بزرگوں اس کو معمہ کی سی عبارت میں لکھا اور فرمایا ہے۔ تاکہ لوگوں کی سمجھ بوجھ جو سست ہوگئی ہے وہ اس طرف رغبت کرے۔ تعجب میں ڈالنے والی باتیں معنی کی طلب اس کی یافت کا باعث و سبب ہوجائے۔ طبائع اپنی جبلّت (طبیعتیں اپنی پیدائشی خصلت) کے لحاظ سے معمہ جیسا ان کے معنی دریافت کرنے کی دھن میں ہوتی ہیں ایسے کہے ہوئے لکھے ہوئے کے حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ فقیر نے اپنی چھوٹی سی سمجھ کے لحاظ سے اس کی شرح کی ہے اگر کوئی توجیہہ شرح نامناسب پڑجائے تو پڑھنے والوں سے اسکی معذرت چاہتا ہے ؎

گرہ کشائے ورقہائے غنچہ بادِ بہار
بہوش گر شنوی فیضِ طبع درویش است

(بہار کی ہوا کلیوں کی پنکھڑیاں کھولنے والی ہے۔ ہوش کے ساتھ اگر سنیں تو درویش کی طبع کا فیض ہے۔)

تو حل عقدۂ اشکال خود زِ دل پرسی
کہ بر دوام گرفتار عقدۂ خویش است

تو اپنی مشکل باتوں کا حل اپنے دل سے ڈھونڈھا کرتا ہے۔ پوچھتا ہے
کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی گتھیوں میں آپ ہی الجھا ہوا ہے گرفتار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمد للہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہٖ اجمعین (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ درود و سلام بہترین مخلوق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سب آل پر) قولہ تعالیٰ تلک الامثال نضربہا للنّاس لعلّہم یتفکرون (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے دیتے ہیں تاکہ وہ سوچیں سمجھیں)

ہم چار بھائی تھے نو گاؤں کے یعنی ہم چار ارواح تھے۔ جمادی۔ نباتی حیوانی انسانی۔ نو آسمانوں کے تھے۔ جو عالم علویات ہے۔ مصرعہ

ماز فلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم (ہم آسمانوں سے تھے فرشتوں کے ساتھ تھے)

تین بھائی کپڑے نہ رکھتے تھے تین ارواح۔ جمادی۔ نباتی۔ حیوانی جو کثافت نسبی و اضافی کی وجہ سے قابلِ تجلیات نہ تھے اس لباس سے وہ خالی تھے۔

"ایک بھائی ننگا تھا" یعنی روحِ انسانی جو اپنی انتہائی لطافت کی وجہ سے لباسِ عوارض یعنی اسباب و علت سے عاری تھی۔ اللہ تعالیٰ کے انوار کے عکس قبول کرنے کی قابلیت رکھتی تھی۔

وہ ننگا بھائی اشرفی اپنی آستین میں رکھتا تھا۔ یعنے وہ روحِ انسانی الطف (انتہائی نازک لطیف) گنج مخفی (چھپا ہوا خزانہ) اپنے وجود میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ الانسان سرّی و صفتی (انسان میرا راز میری خوبی ہے) سر و صفت سے نسبت دیا گیا ہے۔

"بازار گئے تاکہ شکار کے لئے تیر و کمان خریدیں" ظہور میں آئے (عالم اظہار میں پہنچے)۔ مرتبہ احدیت سے مرتبہ وحدت میں پہنچے تاکہ تجلیات ذات و صفات کے

شکار ... بلیس ... ستعداد حاصل کریں۔

قضا آپہنچی۔ یعنے کنتُ کنزاً مخفیاً ناجبت اَن اعراف (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پہچانوں) کی قضا آگئی۔

ہم چاروں کشتہ ہوگئے۔ چار سے چوبیس زندہ اٹھے" یعنی ہم چاروں۔ اطلاق صرف (ہورہے ہیں) سے تقیدُ اضافی ونسبی (قید وبند میں جو اصل نہ تھا لگاؤ ونسبت) آگئے۔ مستقر غیب (جائے قرار خفی) سے مستودع فطرت (امانت کی جگہ شہادت) میں پہنچے۔ کشتہ ہوجانے سے مقام اصلی سے جدائی مراد ہے کہ الفتنۃ اَشد من القتل (فتنہ قتل سے بدتر سخت تر ہے) زندہ اٹھنے سے مراد یہ ہے کہ ان میں ایک تقیدُ اضافی ونسبی میں آتے ہی چھ چھ صفت سے متصف ہوگیا چار سے چوبیس ہوگئے۔ سب سے پہلے صفتِ وجود کا تعین ہوگیا۔ دوسری صفت میں ہر ایک نے اپنے "مرتبۂ وجود" میں ایک نام پایا۔ تیسری صفت میں ہر ایک نے ایک قابلیت پائی۔ چوتھی صفت میں ہر ایک ایک علم کو پہنچا کلٌ قد علم صلوٰتہ وتسبیحہ (ہر ایک نے اپنی صلوٰۃ وتسبیح جان لی) پانچویں صفت میں ہر ایک ایک میں کثافت نسبی پیدا ہوگئی تو ادراج لطافت صرف (نری پاک بلندی سے) نیچے آگیا۔ چھٹی صفت میں خلقیت (پیدائش۔ نوپیدا) ہونے کا دھبہ ہر ایک کی پیشانی سے بالکل ظاہر ہوگیا۔ ... سے خلق السمٰوٰت والارض فی ستہ ایام (پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں) کے اشارے تک رسائی پاسکتے ہیں۔

بصحرائے عدم خوش خفتہ بودیم	مرا با نیستی خویش خوش بود
(عدم یعنے نہونے کے میدان میں مزے سے اچھی طرح سے سویا ہوا تھا)	میں اپنے ہونے نہ ہونے میں بھی اپنے آپ میں خوش اور مگن تھا۔
زخواب خوش مرا بیدار کردی	ندانم تا ترا زیں چیست مقصود
(مزے دار نیند سے مجکو تونے جگا دیا	مجھے نہ معلوم نہیں کہ اس سے تیرا کیا مقصد تھا)

ہم نے چار کمانیں دیکھیں" یعنے چار استعداد ہمارے دیکھنے میں آ
تین ٹوٹے ہوئے ایک ناقص تھی یعنے جمادی۔ نباتی۔ حیوانی۔ انکو ٹوٹے ہوئے
اس لئے کہا کہ وہ عرفان کی قابلیت و استعداد نہ رکھتے تھے۔

ایک کمان وہ تھی کہ زد کو نے منجدھار کنارا نہ رکھتی تھی۔ یعنے چوتھی روح انسانی
کہ مظہرِ ذات وصفات واسماء ہونے کی استعداد و قابلیت رکھتی تھی۔ کوئی ٹیڑھا
پن جھکاؤ۔ ذرا سا بھی التفات ماسوا کی طرف اس کو نہ تھا۔ حقیقت میں ٹیڑھا
پن جھکاؤ۔ ذات کے سوائے دوسرے کی طرف التفات کا ہونا ہی ہے۔ انسانی
استعداد کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ آفتاب جب وہ استوئی (ٹھیک دوپہر) کے
وقت ہوتا ہے۔ جب وہ مسطح میدان میں چمکتا ہے تو وہاں کوئی ٹیڑھا پن سایہ
یا اندھیرا نہیں ہوتا۔

وہ ننگا بھائی جس کی آستین میں اشرفی تھی" یعنے وہ روح انسانی الطف
(نہایت نازک لطیف) نے گنج مخفی کی آراستگی سے وہ کمان خریدلی۔ یعنے استعداد
تھی کوئی ٹیڑھا پن جھکاؤ اس میں نہ تھا اس کو حاصل کرلیا مازاغ البصر وما طغیٰ
(نہ آنکھ جھپکی نہ بہک گئی) جس کا بیان بے عبارت میں لایا گیا ہے۔

"ایک تیر کی ضرورت تھی" یعنے ایک قابلیت درکار تھی۔

ہم نے چار تیر دیکھے تین ٹوٹے ہوئے تھے" یعنے ہم نے چار قابلیت دیکھے
تین ٹوٹے ہوئے تھے۔ یعنی امانت کے اٹھانے سے جھجکا گئے بلکہ منہ پھیر لئے
ڈر گئے۔

ایک تیر پر دیکان نہ رکھتا تھا۔ چوتھا تیر یعنے قابلیت انسانی کہ وہ بار امانت
کو اٹھائے ہوئے تھی۔ پر دبیکان یعنے خود بینی (غرور اپنے کو کچھ سمجھنا) خود نمائی
(تکبر اپنے کو کچھ دکھانا نہ رکھتی تھی)

"... میں ایک صحرا میں پہنچ گئے"۔ حقیقت کے شکار کی طلب اس کے شکار کرنے کے لئے وجود کے میدان میں پہنچ گئے۔

چار ہرن دیکھے تین مردہ تھے"۔ یعنی عالم کے چار مراتب دیکھے تین مردہ یعنی مرے ہوئے تھے۔ وہ ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت ہیں کہ عالم لاہوت سے نسبت رکھتے ہیں۔ ہالک ہیں۔ کلّ شئ ھالِک اِلّا وجہہ (ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے بجز اسکی وجہ کے)

ایک جان نہ رکھتی تھی"۔ وہ عالم لاہوت کا عالم تھا جان نہ رکھتا تھا ایسا نہ تھا کہ جس پر حقیقت ظاہر اور منکشف یعنی کھلی ہوئی ہو۔ بلکہ وہ سارے حقائق کی حقیقت خود تھا۔ ایسا بھی نہ تھا کہ وہ اور اسکی حقیقت اور ہو۔

"وہ اشرقی رکھنے۔ کمان کھینچنے تیر چلانے والا بھائی"۔ یعنے وہ روح انسانی آراستگی گنج مخفی سے اس کمان بے گوشت سے یعنی استعداد کامل والطف کی وجہ سے پوری قابلیت کے ساتھ جس میں کہ کچھ کجی وخمیدگی ٹیڑھاپن اور جھکاوٹ) نہ تھی۔ اس تیر کو جس میں نہ پر تھا نہ پیکان۔ یعنے جس میں جو قابلیت تھی وہ کسی خودنمائی وخودبینی کے بغیر تھی۔ اس کو بے جان ہرن پر چلایا۔ یعنے اس کو مقام حقیقت الحقائق کے ساتھ ربط دیا۔ جس کی عبارت ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ ہوی۔ (پھر نزدیک ہوگیا لٹک گیا اور دونوں کمانیں مل گئیں قریب تر ہوگئیں ۔ ؎

زہے بلند کمانے کہ در صف دعوے	ہمہ نشانہ او قلب قاب قوسین است
(کیا ہی بلند اچھی کمان ہے کہ اپنے دعوی میں	اسکا ہر نشانہ قاب قوسین کا دل ہے

"ایک کمان کی مذرت تھی کہ شکار کو شکار بند پر باندھ دیں"۔ ایک رابطہ درکار تھا تاکہ وہ مقام قاب قوسین اَوْ اَدْنیٰ سے رابطہ پاکر ہمیشہ کے لئے برقرار رہ جائے

تین پارہ پارہ تھے ایک ایسی تھی جس دو کنارے اور نہ درمیانی دھار تھی"۔ یعنی ہم نے چار ایسے دیکھے۔ پہلی کمان۔ ظاہری عبادت کی۔ دوسری کمان باطن کے سنور نے آباد ہونے کی تیسری کمان فنائی التوحید کی (توحید میں مٹ جانے کی) چوتھی کمان فنا الفنا (مٹنے میں مٹ جانے کی) تین پارہ پارہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبادات جو بھی ہیں ان میں خودی دوئی کی جھلک ہے۔ باطنی طور سے سنور جانے آباد ہو جانے کی بنیاد میں شرک کی جڑ گڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ شبلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ التوحید شرک لانہ صیانت القلب عن الغیر ولا غیر۔ (توحید شرک ہے کیونکہ اس میں دل کی نگہبانی کرنی ہوتی ہے غیر سے اور غیر ہے ہی نہیں) ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ افنیت عمرک فی عمارت الباطن فاین الفنا فی التحید۔ (باطن کی آراستگی اور اس کے ٹھیک کرنے میں تم نے عمر گذار دی تباہ کر دی تمہیں توحید میں مٹ جانا کب میسر ہوگا۔ ہاتھ آئے گا تیسری کمان توحید میں مٹ جانے کی تھی جس میں شعور (جاننا دریافت کرنا) باقی تھا۔ جب تک شعور باقی ہے تفرقہ ہے۔ (تمیز دکثرت ہیر پھیر ہے) جنید قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ "آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ جو ہستی سے تعلق نہیں رکھتا مگر اس قدر کہ جتنی کھجور کی گٹھلی پہ لکیر ہوتی ہے۔ جواب دیا کہ المکاتیب عبد مابقی علیہ درہم۔ مکاتب وہ غلام ہے۔ غلام رہتا ہے جس پر ایک درہم بھی باقی ہو ؎

تا کہ تو دم می زنی ہمدم نئی   تا کہ موئے ماندہ محرم نئی

جب تک تو دم مارتا ہے ہمدم نہیں ہے   بال برابر بھی رہ گیا تو محرم نہیں ہے

چوتھی کمند جو فنا اللفنا کی ہے وہ عین بقا (حقیقت میں باقی سے باقی رہنا) ہے۔ اس لئے دو کنارے درمیانی دھار نہ رکھتی تھی۔ یعنی ازل ابد اس کے درمیان۔ حدوث (نو پیدا) و امکان (دنیا کائنات کا قصہ نہ تھا۔)

شکار کو اس کمان سے جس میں دو کنارے درمیانی دھارا نہ تھا ہم نے شکار بند پر باندھ دیا۔ یعنے اس دعوت کو جس کو شکار کیا تھا شکار بند پر کس دیا ؎

ادد تو قرب قاب قوسین انگہ نسر عشق را
از صفات خود ببعد المشرقین افتی جدا

(تجکو قاب قوسین کی نزدیکی اسوقت ملتی ہے جب کہ عشق کو
اپنی صفات میں مشرق و مغرب کی دوری ہو جاتی ہے)

ایک گھر کی ضرورت تھی کہ جہاں فقیری شکار کو رکھتے یعنی ایک ضابطہ درکار تھا جو قرارگاہ اور فنا الفنا کا مقام ہو یعنی۔ ایک قاعدہ طریقہ کی ضرورت تھی کہ وہ ٹھیرنے کی جگہ اور فنا میں فنا جو ہاتھ آتی ہے۔ اس کی منزل و مقام ہو جائے۔

ہم نے چار گھر دیکھے" ایک ذکر لسانی (زبان سے یاد کرنا۔ دوسرا ذکر نفسانی (نفس سے یاد کرنا) تیسرا ذکر قلبی (دل سے یاد کرنا) چوتھا ذکر روحانی (روح سے یاد کرنا)

تین ٹوٹے ہوئے ایک چھت دیوار نہ رکھتا تھا۔ یعنے تین اذکار میں خاص طریقہ ذہن میں اُلجھا ہوا تھا۔ کیونکہ زبان سے یاد کرنا ایک رٹ ہوتی ہے۔ نفس سے یاد کرنا ایک وسوسہ و خطرہ ہوتا ہے۔ دل سے یاد کرنا ایک آواز ہوتی ہے چھت دیوار ذکر کی بنیاد کو کہتے ہیں۔ چوتھا ذکر جو تمام اذکار کی جڑ بنیاد ہے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز۔ اس لئے اِس کو "چھت دیوار نہ تھی" فرمایا۔

ہم ایسے گھر میں اتر پڑے جس کی چھت تھی نہ دیوار۔ ہم نے ایک دیگ ایک طاق میں دیکھی کسی طرح سے بھی اس تک ہاتھ نہ پہنچتا تھا۔ یعنے عشق و محبت کی ہنڈیا تھی جس میں ہر کچے کو پکایا جا سکتا تھا۔ یا یہ اخلاق کی دیگ تھی جس سے۔ تخلقوا باخلاق اللہ (ہو تو اللہ کے اخلاق) کے مقام کو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس دیگ کو طاقچہ بلند پر

جو سدرت ازلی مشکوٰۃ رفیع (بلند طاق) عنایت لم یزلی بیشہ کی مہربانی) پہ رکھ دیا گیا تھا۔ آسانی سے وہاں ہاتھ نہیں جاتا تھا۔

ایک گڑھا چار گز کا پایہ (بنیاد) کے نیچے کھودا تو اس دیگ تک ہاتھ پہنچ گیا۔ یعنی ہم نے نفس کی زمین میں چار گز کا گڑھا کیا۔ پہلا گز توبۃ النصوح کا۔ دوسرا گز ندامت و خاموش کا۔ تیسرا گز تواضع۔ عجز۔ بیچارگی۔ شکستگی کا۔ چوتھا گز نیستی و فنا کا کھودا تو من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذرعا (جب کوئی ایک بالشت میرے نزدیک آتا ہے تو میں ایک گز اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ ومن تقرب الی ذرعاً تقربت الیہ باعًا (جب کوئی ایک گز میرے نزدیک آ جاتا ہے تو میں ایک بام اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں) کے فرمان کے لحاظ سے ہمت کا ہاتھ اس دیگ تک پہنچ گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ چار طبائع کے صفت جو آدمی میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کبر ہے جس کا نتیجہ آگ ہے۔ دوسری شہوت جس کا ثمرہ ہوا ہے تیسری حرص جس کی عادت پانی ہے۔ چوتھی روک رکھنا امساک جس کی اصل مٹی ہے۔ ان چاروں ذلیل باتوں کو ہم نے اکھیڑ کر پھینک دیا۔

جب شکار پک گیا۔ یعنے اتم و اکمل (پورا و کامل) ہو گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (آج ہم نے پورا کر دیا تمہارے ہے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور راضی کر دیا تمہیں دین اسلام کیسا تھ) سے جس کو عبارت میں لایا گیا ہے۔

ایک شخص گھر کے اوپر کے حصہ سے نیچے اُتر آیا کہ میرا حصہ مجھکو دیدو کہ میں ایک مقررہ حصہ رکھتا ہوں۔ یعنے اس کی تکمیل کے بعد ایسے خطرے ظاہر ہوتے جس کے دور کرنے اس سے مقابلہ کرنے کے لئے عارف کے کامل و مکمل ہونے اور بصیرت کے تیز تر ہونے ذہن کی روشنی بہت تیز تر اور جلد پہنچنے والی کی ضرورت تھی تاکہ یہ باریک باتیں اس پر

ظاہر ہیں اور مخفی ہے اس کے معلوم سے مفہوم میں یہ آجائے کہ الشرك في أمتي اخفى من دبيب نملة تذهب في ليلة ظلمة على الصخرة السوداء (میری اُمت میں شرک کا شرک ایسا چھپا ہوا ہے جیسے کہ ایک کالی چیونٹی کالے پتھر پر اندھیری رات میں اندھیری جگہ میں چل رہی ہو۔) اس کے دیکھنے کے لئے کس قدر تیز نظر اور دل کی روشنائی کی ضرورت ہے وہ ظاہر ہے۔ ان کو اس عبارت میں کہا گیا کہ فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد (اب ہم نے کھول دیئے تجھ پر سے اندھیری اس لئے آج تیری نظر بہت ہی تیز ہے) یہ بھی ہے کہ وہ حسد قدیم یا اناد دشمن حسد رکھنے والا۔ جو شیطان ہے وہ آسمانوں کی اونچائی سے نیچے گر دعوے کر رہا ہے کہ لاتخذن من عبادك نصيبا مفروضا (میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ لیکر رہوں گا۔) یا خطرہ نفسانی ہو کہ جس نے لنفسك عليك حق (تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔) کا تقاضہ کیا ہو۔ یا یہ ہو کہ مرتبہ کا خطرہ آیا ہو جیسا کہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اخر ما يخرج من رؤس الصديقين حب الجاه (صدیقوں کے سر سے سب سے آخر میں رتبہ و مرتبہ کی محبت نکلتی ہے۔)

"وہ کامل" یعنی جو مقام تمکین میں آفتاب کی طرح روشن و نمایاں تھا۔ جیک رہا تھا جس نے خطرات کے ہجوم اور وسادس کے اژدہام کو نور روحانی سے دریافت کر لیا۔

"وہ مکمل" یعنی پیشوائے حقانی۔ عالم ربانی تھا جس نے مقام بلند۔ ينطق عن الهوى (نہیں کہتا اپنے جی سے) میں زبان کھولی تھی اور ما كذب الفؤاد ما رأى (نہیں جھٹلایا اُن کے دل نے کچھ اس میں جھوٹ جو دیکھا) کا مسند نشین تھا۔ صدق اخلاق کی پہلو میں قابو کی جگہ اس کی تاک میں مات لگا یا ہوا بیٹھا تھا۔ یعنی خطرات کی پے میں انکی تلاش میں تھا۔

شکار کی ہڈی کو دیگ سے نکالا" شکار کی ہڈی سے مراد وہ اشارہ شرک خفی

سے ہے۔ جب گوشت پک جاتا ہے اور گل جاتا ہے تو اس میں جو ہڈیں کھانے سے قابل نہیں ہوئیں وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کامل و مکمل ہونے کے بعد سالک پر یہ چھپے ہوئے جن کو وہ مونسا سمجھتا تھا۔ اچھے ہوتے تو ہیں لیکن راستہ کی روک ہوتے ہیں وہ اس پر کھل جاتے ہیں اس کو دکھ جاتے ہیں۔ (نظر آجاتے ہیں)

"اس کی کھوپڑی پر دے مارا" یہ اس لئے کہ وہ وساوس خطراتِ شیطانی جو اٹھتے رہتے ہیں ان سب کو اس نے زمین پر دے مارا۔

درخت سنجد یعنی زرد آلو اسکی ایڑی کے نیچے سے باہر نکل آیا" ایڑی سے کھاری زمین مراد ہے۔ ایڑی کے نیچے بال تک نہیں پیدا ہوتے۔ بنجر زمین کی گھاس پھوس کو درخت سنجد کہا کہ یہ بڑے خطرے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ ان عارفوں کے دل بلدۂ طیبہ (پاک شہر) کے جیسے ہیں۔ پاک صاف ہو گئے ہیں۔ ایک ٹکڑا کھاری زمین کا بیچ میں تھا جس سے یہ بڑا خطرہ ظاہر ہوا۔ جو ناپاک ہوتا ہے وہ دھونے دھلانے محنت اور کوشش سے پاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "والذی خبث لا یخرج الا نکدا (جو ناپاک ہو ... نہیں نکلتا مگر مشکل سے)

ہم زرد آلو کے درخت پر پہنچے" اس مرتاش زار و نزار درخت (جھکے ہوئے پیلے جلے ہوئے درخت) کے قریب پہنچے اس کو پاؤں کے نیچے روند دیا۔

خربوزہ بوئے تھے جس کو رہٹ سے پانی دیتے تھے" ہم نے اس وقت دیکھا کہ دنیا کی حقیقت یعنی خربوزہ کہ نبات حیوان انسان جماد ہیں اسکو نفس و ہوا کے پاؤں کے نیچے بویا کرتے ہیں۔ رجوع و قبول کے رہٹ سے پرورش کیا کرتے ہیں۔

اس درخت سے اُتر آئے اور قلیہ زرد پکاتے۔ زرد آلو سے مراد زینت اور خرافات دنیا اور جو کچھ بھی اس درخت سے تعلق رکھتا تھا ان سب سے ہم

باز آ گئے منہ پھیر لئے ان چار حقیقتوں سے کہ جماد۔ نبات۔ حیوان انسان تھے ہم نے قلیہ بنایا۔ یعنے زرد روی (حسرت و افسوس) کو آخرش ہم نے سمجھ لیا۔ جو کچھ اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذہب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذالک متاع الحیات الدنیا (لوگوں کو مرغوب چیزوں کی خواہش بھلی معلوم ہوتی ہے۔ عورتوں کی، اولاد کی، سونے چاندی کی چنے ہوئے ڈھیر کی پیلے اور رسیدے ہوئے گھوڑوں کی جانوروں کی کھیتی کی، یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں۔) جان گئے ”اس کو ہم نے دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیا۔ انہوں نے اتنا کھایا کہ سوج گئے اماس کر گئے“

دنیا کی چیزیں دنیا کے اسباب کو اتنا کام میں لایا کہ انکے دلوں میں ایک مرض ایسا پیدا ہوا کہ جس کی تصریح فی قلوبہم مرض (ان کے دلوں میں بیماری ہے) سے کی گئی ہے۔ لیکن اس کو انہوں نے بیماری نہ سمجھا۔ بلکہ ان کا خیال رہا، انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ دل کی پرورش کر رہے ہیں۔ در آنحالیکہ اس کو وہ بگاڑ رہے تھے وہ بگڑ چکا تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم موٹے ہو گئے۔ وہ یہ سمجھ لئے کہ دین پروری کی سمجھ سے قوی حال ہو گئے۔ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ بالکلیہ نفس پروری ہے۔ سمن کلبک یا کلک (موٹا تازہ کر کتے کو اپنے کھانے سے) انہیں کے احوال کا بیان ہے۔

”وہ گھر سے باہر نہ جا سکے“۔ طبیعت کے گھر سے باہر نہ آسکے کیونکہ لا یلج ملکوت السماء من لم یولد مرتین (نہیں پہنچتا ملکوت آسمان میں جب تک کہ دوبارہ پیدا نہ ہو) کی شرط لگا دی گئی ہے ؎

تو کز سرائے طبیعت نمی روی بیرون　　کجا بکوئے طریقت گذر توانی کرد

(تو اپنی طبیعت کے ٹھکانے سے باہر نہیں آیا تو طریقت کے کوچہ میں کیسے گزر کر سکیگا

"اپنی نجاست میں آپ رہ پڑے" وہ اس لئے کہ الدنیا جیفة طالبہا

کلاب وشر کلاب من وقف علیہا (دنیا مردار ہے اس کا طلب کرنیوالا یعنی

خواہشمند کتا ہے۔ بُرا کتا ان میں کا وہ ہے جو اس پر ٹھیرا رہے) بزرگوں نے کہا ہے اصلی

ناپاکی خواہشات و ہوا و ہوس کا پیدا ہونا ہے۔ نفس ناپاکی کے جیسا ہے ناپاک

ہے۔ برائی ہی برائی ہے۔

ہم بہ آسانی اس کے مکر سے باہر آگئے دروازہ پر سوار ہے۔ قافلہ سالار

علیہم السلام کے حکم سیروا سبق المفردون قالوا وما المفردون. یا

رسول اللہ قال المستظھرون بذکر اللہ (سیر کرو تنہاؤں کے ساتھ عرض

کیا کہ یا رسول اللہ تنہا رہنے والے کون ہیں؟ فرمایا" اللہ کے ذکر کیساتھ حاضر ہونے

والے) کے لحاظ سے الگ تھلگ ہو کر آسانی کے ساتھ طبیعت کی خندقوں کو

کود پھاند گئے۔ مصرعہ۔ جریدہ رو کہ گذرگاہ عاقبت تنگ است (تن تنہا و مجرد

ہو کر چل کھڑے ہو جاؤ کہ عاقبت کی گھاٹی کا رستہ بہت ہی تنگ ہے۔

سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔ یعنے فرمانِ قدیم کے حکم یاایھا الذین اٰمنوا ما لکم

اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوٰة الدنیا

من الاٰخرة (اے ایمان والو جب تم سے کہا گیا کہ کوچ کرو اللہ کے راستے میں تو

تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے آخرت کی بجائے دنیاوی زندگی سے راضی ہو گئے) کی

تعمیل میں ہم طبیعت و خواہشات کے گھر میں نہ ٹھیرے نہ دم لئے سیر معنوی کیلئے

روانہ ہو گئے۔ ارباب تصوف اور اولی الارباب نے اس راز کو ان حالات کو اس

طرح کھولا ہے۔

چوں بنائے خلق ایزد نہاد — آدم اول بہ اقلیم جماد
(جب خدا نے میری پیدائش کی بنا رکھی — تو میں پہلے پہل جماد کے ملک میں آیا

ز جمادی مُردم و نامی شدم — بعد ازاں حیوان انعامی شدم
(جمادات سے مرگیا۔ نباتات ہوگیا — اسکے بعد حیوان اور چوپایہ ہوا)

وصفِ حیوانی رہا کردم چو باز — آمدم در نوع انساں سرفراز
(جب حیوانیت کی صفت سے نکل گیا — تو انسان کی جنس میں سر اٹھایا

باز بگذشتم ز انسانی صفت — در ملک راندم بُراقِ معرفت
(پھر جب انسانی صفت سے بھی آگے بڑھا — تو فرشتوں کے عالم میں معرفت کا براق (لایا)

از ملائک چوں گذشتم در فنا — کل شئی ھالک الا وجھہ
(جب فرشتوں سے بھی آگے بڑھ گیا (فنا) میں پہنچا۔) — (ہر چیز اس کی وجہ کے سوا ہلاک ہو گئی۔)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ (اے ہمارے پروردگار ہم درود و سلام بھیجتے ہیں ہمارے آقا سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر۔

تمت الرسالہ

مترجمہ قاضی احمد عبدالصمد فاروقی

شرح برہان العاشقین

از

حضرت میر سید محمد کالپوی قدس سرہ العزیز

مترجمہ

مولانا مولوی قاضی احمد عبد الصمد صاحب فاروقی قادری چشتی

قدس اللہ سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مستعمل ہوتی ہے) اور سید الانبیا علیہم السلام کی ثنا (تعریف۔ مدح و ستائش اصطلاح میں وصف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صفت و خوبی کا بیان کرنا) آل و اصحاب مقتدا کی منقبت (تعریف کرنا ہنر ظاہر کرنا اصطلاح میں تعریف و توصیف تعریف و ثنا اہل بیت و صحابہ رضی اللہ عنہم کرنا) کے بعد اللہ تعالیٰ کا راستہ چلنے والے حضرات کے باطن پر واضح ہو جائے کہ ایک دن یہ بندہ بیکارہ سید محمد و آلہ خاک (تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ دو فقرا آئے۔ جن کے پاس ایک پرچہ کاغذ کا تھا۔ جو تمثیل ہائے اسرار پر مشتمل تھا۔ جس کا حل عقل انسانی آسانی سے نہ کر سکتی تھی۔ انہوں نے وہ مجھکو دکھا کر کہا کہ یہ ورق ملفوظات زبان گوہر فشاں سید محمد حسینی گیسو دراز نور اللہ مرقدہ سے ہم نے پایا ہے۔ جس کو ہم علماء فضلاء کے پاس لے گئے ان کے معنی بتانے اس کے حل کرنے کی ان سے استدعا کی تو انہوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ (یہ کلمات مہملہ (بے کار بے معنی خیالات) بے فائدہ کے ہیں ہیں کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یہ بہ سید محمد گیسو دراز کا کلام نہ ہوگا۔ اس کے بعد ہم نے فقرائے صاحب ارشاد مشائخان پاک اعتقاد کے پاس لے جا کر ان سے ان رموز کے حل کا معروضہ کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ عبارت اسرار عاشقان مستان جام معرفت مطلق ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کے سمجھنے اس کے مقاصد پانے کا حوصلہ نہیں۔ کوئی اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ ہم دونوں جگہوں سے ناامید ہو کر یہ کاغذ آپ کے پاس لائے ہیں تاکہ ہم جان لیں کہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ نے یہ کلمات بلاوجہ

بزرگ۔ یہ مہمل نہیں ہیں۔ آپ نے اس میں کچھ نہ کچھ اسرار ضرور درج کئے ہوں گے۔" میں نے درویشوں سے کہا۔ یہ لکھا ہوا ورق مجھے دے دو اور دو تین دن کے بعد تشریف لے آؤ۔ تاکہ ہم اس میں فکر دوڑائیں۔ اگر سمجھ میں آجائے تو آپ کے لئے اس کی شرح لکھدی جائے گی۔ چھپی ہوئی باتوں کو صاحبانِ فطرت پر کھول دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا یہی ہمارا مقصد ہے۔ اس کے بعد میں قلم اٹھایا حق سے توفیق چاہی۔ اس بزرگوار کی روح پُر فتوح کی امداد سے ان کلمات کی شرح اس طرح لکھنی شروع کی۔

قولہ تعالیٰ وتلک الامثال نضربہا للناس لعلہم یتفکرون (یہ مثالیں ہم اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ اپنی سمجھ بوجھ کو کام میں لائیں) اس آیت کو کلماتِ مقصودہ سے پہلے لانے کا مقصد یہ ہے کہ حقائق کا بیان تمثیلات کے پردہ میں ہونے سے فکر لڑانے اور ان کے مطالب تک پہنچنے کی ترغیب ہو جائے۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے لئے مثالیں۔ تمثیلات دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ ان میں غور کریں فکر لڑائیں ان سے مدعا کو پائیں۔ حق تعالیٰ نے "ناس" فرمایا انسان نہ کہا۔ سچ ہے 'ناس' اور انسان اور ہے۔ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ انسان آدم۔ بشر۔ ناس۔ ہر نام کے لئے ایک مقام ہے جس محل و مرتبہ میں وہ پہنچتا ہے تو ایک نئی صفت ایک خوبی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے اس صفت کے ساتھ موسوم ہوتا۔ نام پاتا ہے۔ جب روح مجرد تھی جسم جسمانیت کے ساتھ ملاپ و یکجائی نہ پاتی تھی۔ اس کا نام کچھ اور ہی تھا۔ جیسے ہی اس نے امانت قبول کی اس کو انسان کہا گیا۔ قولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (ہم نے انسان کو اچھی ساخت کا پیدا کیا۔) بعدہ جب خاک خمیر پا گئی جسم مرتب ہو گیا تو اس کو آدم نام دیا گیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا والادم

بین الماء والطین (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ [illegible] تھا اور [illegible] پانی
میں تھے) جب نفخ روح ہوا۔ نفخۂ روح سے علوی سفلی باہم امتزاج پائے (جب
روح پھونکی گئی۔ روح کے پھونکے جانے اعلیٰ ادنیٰ۔ اونچے نیچے میں میل ملاپ کے
بعد جب وہ آپس میں ہم مزاج ہوئے) مرکب ہوئے۔ جب لطافت [illegible] روحانی
(روح کی پاکیزگی روشنی) اور کثافت ظلمت جسمانی (جسم کی کدورت [illegible] دھول)
ہردو آپس میں ایک ہوئے تو اس صورت میں اس کو بشر کہا گیا قولہٗ تعالیٰ
انی خالق بشرا من طین (میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو مٹی سے) اس کے بعد
جب اس میں غفلت (چوک) نسیان (بھول) کا ظہور ہوا اور اس نے [illegible]
اقرار عہد فراموش کر دیا (بھلا دیا) شیطان کی بات سن کر بہکاوے میں آ گیا تو
اس کو ناس کہا گیا یعنی نسیان (بھول) میں آنے والا۔ بھول چوک کرنے والا۔
قولہٗ تعالیٰ وان کثیرا من الناس بلقاء ربھم لکافرون (بہت سارے
لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں) جو شقی اور سراپا بد ہیں جیسے کہ کفار
فاسقین یہ ناس ہیں۔ جس میں اچھی عادتیں نیک خصلتیں کم اور بری باتیں عادتیں
زیادہ ہوں جیسے کہ یہ شرح کا لکھنے والا اور دوسرے مسلمان یہ بشر ہیں۔ بشریت
کی قیدمیں رہ گئے ہیں۔ جس میں برے اخلاق بہت کم اور اچھی عادتیں نیک باتیں
زیادہ ہوں۔ عبادت الٰہی میں سرگرم ہوں۔ لگے ہوئے ہوں جیسے کہ مومنین صالحین
عابدین یہ آدم ہیں۔ آدمیت کے نشانیاں ان سے ظاہر ہیں جن کا نفس مطمئنہ
ہوگیا ہو۔ بشریت کی کدورتوں سے پاک اور عبودیت و محبت الٰہی اور اپنی فنا میں
درجہ کمال کو پہنچ گئے ہوں جیسے کہ اولیاء علیہ الرحمۃ انبیاء علیہم السلام یہ انسان ہیں۔
"انسان" ہونا مشکل ہے بلکہ "آدمیت" بھی کم یاب ہوتی ہے۔ البتہ دنیا ناس اور
بشریت پٹی پڑی ہے۔ بھری ہوئی ہے۔ خلاصہ و مقصود یہ نکلتا ہے کہ خلقت

انسانیت نہ روحانیت۔ حقیقت ہے پہلے پہل ہوئی۔ خلقت آدمیت۔ بشریت ناسیت
کہ جسمانی حقیقت ہے وہ جسم کے مزاج پانے صورت لینے کے بعد ظاہر و پیدا ہوئی۔
اسی لئے حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہٗ نے حقیقت روحانی سے ابتدا
کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "ہم چار بھائی تھے" اس سے چار روح مراد ہیں جن
کو پہلی نباتی۔ دوسری حیوانی۔ تیسری انسانی ناطق (گویا۔ بولتی) کہ جس کو
نفس ناطقہ (بولتی چالتی حقیقت) بھی کہتے ہیں چوتھی انسانی قدسی۔ اگرچہ
محققین نے چار ارواح میں روح جمادی کو داخل کیا ہے۔ روح انسانی کو
جو سب میں ہے ایک شمار کیا۔ لیکن روح جمادی میں صرف قوت ثقل جسم (زور
بھاری پن۔ لانبائی چوڑائی گہرائی) ہے۔ دوسری ارواح کی طرح قوت نشو و نما
(بڑھنے، پھولنے، پھلنے کی قابلیت) نہیں رکھتی اس مقام میں وہ ارواح مقصود
ہیں جو استعداد۔ قوت اور قابلیت رکھتی ہیں۔ وہ نباتی۔ حیوانی۔ انسانی ہیں
ارواح انسانی ایک سے نہیں یکساں نہیں۔ عام لوگوں میں کچھ اور طرح سے
انبیاء علیہم السلام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم میں کچھ اور ہی طرح اور ہی قسم سے ہے۔
وہ روح جو کامل ہے وہ اور ہی ہے۔ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ
نے چار ارواح میں سے ایک کو کامل مکمل شمار کیا ہے۔ یعنی روح انسانی کہ وہ ہر کسی
میں ہوتی تو ہے لیکن کامل نہیں ہوتی اس لئے اس کے بھی دو قسم قرار دے گئے
ہیں۔ ناطق (بولتی) قدسی (پاک) روح نباتی یعنی درخت گھانس پھوس پتی
کہ صرف قوت نباتیت (بڑھنے کی قابلیت) رکھتی ہے کہ نشو و نما۔ صفا۔ طراوت
(ٹھنڈک) ہے۔ روح حیوانی یعنی جانداروں کی روح۔ جیسے چوپایہ۔ پرند۔ چرند
درند کہ قوت نباتیت کے ساتھ ساتھ قوت حیوانیت بھی رکھتے ہیں جو کھانا پینا
سونا۔ جاگنا۔ اولاد کا ہونا یہ نباتی ہیں کھلے طور سے نہیں۔ روح انسانی ناطق

قوت نباتیت وحیوانیت۔ ساتھ ساتھ قوت نفسانیت بھی ناطقہ ممیزہ ہے یہ بات نباتی وحیوانی ارواح میں نہیں۔ روح قدسی یعنی انسان کامل کی روح قوت نباتیت حیوانیت و ناطقہ کے علاوہ ایک قوت قدسیہ بھی رکھتی ہے۔ جن کو صفاتِ ملکی (فرشتوں کی خوبیں) کشف معاملاتِ غیب (باطن کے راز اور باتوں کا کھلنا) کہتے ہیں۔ یہ بات اُن تین ارواح میں نہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ہم چار قسم کے ارواح تھے سہ

دہ بار بگفتمت کہ نہ یار مگیر — بگریز زہشت و ہفت زنہار مگیر
(میں نے دس دفعہ کہا کہ نو دوست اختیار نہ کر — آٹھ سات سے بھاگ ان کو کبھی اختیار نہ کر)
شش پنج و چہار و سہ وفائے نکند — بگذار دوئی را ویکے یار بگیر
چھ پانچ۔ چار۔ تین۔ وفا نہیں کرتے — دو کو چھوڑ ایک ہی کو دوست بنا

دس شہو کے پورے ہونے کے لئے ہے۔ نو سے نو آسمان۔ آٹھ سے آٹھ جنت سات سے سات دوزخ۔ چھ سے چھ سمتیں۔ پانچ سے پانچ حواس۔ چار سے چار عنصر۔ تین سے موالید ثلاثہ (جماد نبات حیوان) دو سے۔ دین دنیا۔ ایک سے اللہ مراد ہے۔

"**نو گاؤں کے**" یعنی نو آسمانوں کے۔ آسمان نو ہیں۔ ارواح سمائی (جانیں آسمان کی) اجسام خاکی (زمین کے جسم) ہیں۔ سات آسمان مشہور ہیں۔ فلک المنازل کو آٹھواں آسمان، فلک البروج کو نواں آسمان کہتے ہیں اسی طرح سے شمار کرتے ہیں نو آسمان قرار دئے ہیں۔ ارباب عرفان (معرفت رکھنے والے حضرات) جنھوں نے دیدہ باطن (باطنی آنکھوں) سے وجود کے دائرہ کو دیکھا ہے انھوں نے عرش کرسی کو فلک المنازل فلک البروج کے پرے مشاہدہ کیا ہے۔ نو آسمانوں کو عرش کرسی سے جدا پایا ہے۔

ظاہر ہوئے ہیں۔

"کہ شکار کے لئے تیر و کمان خرید لیں" شکار سے مقصد و مراد
انوارِ ذات صفات خلق بے ہمتا کو منکشف ہے۔ (امور غیبی کے اسرار خداوند جو ہوتا
ولی اللہ کے دل میں)

"قضا آگئی ہم چاروں کشتہ ہوگئے" یعنی معرض خطاب میں آگئے
(اور توں کے بیچ بیچ بات چیت کی چکر میں رہ گئے) کہ واذ اخذ ربک من بنی آدم
من ظہورھم ذریتہم واشہدھم علی انفسہم الست بربکم قالوا
بلیٰ شہدنا (جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان
کی نسل کو باہر نکال ان کے مقابلے میں خود ان ہی کو گواہ بنایا اور اس طرح پر کہ ان سے پوچھا
کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں۔ ہم سب اس بات کے گواہ ہیں) اسی
بارہ میں آئی ہے۔ یوں سمجھو کہ جب سب کے پیدا کرنے والے نے ارواح کو ابدان کے
نقصان سے پہلے (بدنوں کو ہونے سے پہلے) عہد میثاق (وعدۂ ازل) لینے
کے لئے اپنے علم میں جلوہ دیا تو ارواح اس ہیبت سے بیہوش ہوگئے یعنی کشتہ ہوگئے۔

"چاروں جو بیہوش زندہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوگئے" یعنی الست بربکم
(کیا میں تمہارا پروردگار نہیں) کے خطاب کے بعد ارواح درست و سرفراز ہوگئے
تو انہوں نے عرض کیا بلیٰ شہدنا (ہاں ہم سب کی گواہی دیتے ہم اس بات کے
[illegible] جب یہ کہہ چکے تو یہ نشاط و راحت اپنے آپ میں پائے نہیں ایسا معلوم
ہوا وہ دوبارہ زندہ ہوگئے اپنے آپ میں استعداد و قوتیں پائیں وہ چھ قسم کی تھیں۔
[illegible] جس طرح کی قوتیں پائیں۔ چار کو جس میں جمع کریں تو چھ جس ہوجاتے ہیں
ان چاروں [illegible] ہیں سے روح نباتی ہیں پانچ قوتیں ہیں جن کو جاذبہ۔ ماسکہ۔ نامیہ
ہاضمہ مولدہ کہتے ہیں۔ جاذبہ (یعنی نباتات) آب و ہوا کو اپنے میں جذب کرتی

(کھینچ لیتی ہے)۔ ماسکہ۔ یہ ان کو پیٹ میں ٹھہرا رکھتی ہے۔ ہاضمہ غذا آب و ہوا کو ہضم کرتی
ہے۔ نامیہ۔ نشو و نما دے کر بڑھاتی ہے۔ مولدہ پھول پتیاں سوائے ان کے پیدا کرتی ہے
روح حیوانی میں ان مذکورہ پانچ قوتوں کے علاوہ اور پانچ قوتیں ہیں جن کو ذائقہ۔ شامہ۔
باصرہ۔ سامعہ۔ لامسہ کہتے ہیں۔ ذائقہ کھانے پینے سے متعلق ہے۔ کڑوا کھٹا میٹھا [illegible]
ایک دوسرے میں فرق و تمیز کرتی ہے۔ شامہ سونگھنے سے متعلق ہے خوشبو و بدبو کی تمیز
کرتی ہے۔ باصرہ۔ دیکھتی ہے۔ سامعہ آواز سنتی ہے۔ لامسہ ہر چیز کو چھونے کے بعد
گرمی سردی نرمی سختی پاتی ہے۔ روح انسانی میں ان دس قوتوں کے علاوہ اور
پانچ قوتیں ہیں جن کو عقل مدرکہ۔ متخیلہ۔ حافظہ۔ فکر ممیزہ۔ حس مشترک
کہتے ہیں۔

عقل مدرکہ وہ ہے کہ جس سے بنی آدم عقلی نظری و عملی سمجھتے ہیں۔۔ جو نظر میں
سے آتے ہیں۔ متخیلہ وہ ہے جو خیالات [illegible] رکھتی ہے۔ مانند حقائق اشیاء یاد رکھ
لیتی ہے۔ حافظہ میں محفوظ کر لیتی ہے ان کو بھول نہیں جاتی جیسا کہ حیوانات بھول جاتے
ہیں۔ فکر ممیزہ یہ وہ قوت امتیاز ہے جو حقیقت نیک و بد حق و باطل ہے ان کو تمیز
کر کے جدا کر کے دکھلاتی ہے۔ حس مشترکہ جس طرح حیوانات پانچ حواس رکھتے ہیں اسی
طرح بنی آدم پانچ حواس ظاہر کے علاوہ پانچ حواس باطنی کا [illegible]
ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی معنوی فرماتے ہیں ؎

پنج حسہا ہست جز این پنج حس	آن چو زر سرخ و این حسها چو مس
(ان پانچ حواس کے علاوہ اور پانچ حس ہیں	وہ سونے کی طرح اور یہ تانبے کی طرح ہیں)
حس ابدان قوت ظلمت می خورند	حس جان از آفتابی می چرند
(جسم کے حواس کی غذا اندھیرا کھاتا ہے	جان کے حواس روشنی سے غذا پاتے ہیں)

یہ ظاہر ہے کہ آدمی کا دیکھنا سننا چکھنا سونگھنا چھونا اور سب حیوانات کا سا ہے

کرتے ہیں خفی قلبی۔ اس ذکر کو کہتے ہیں جس میں زبان کو دخل نہ ہو۔ صرف دل میں تعظیم و اجلالِ حق کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے حق کا ذکر کرتے۔ ذکر میں رہتے ہیں خفی سری۔ اس ذکر کو کہتے ہیں وہ ایسی یاد ہوتی ہے جس میں زبان و دل کو جنبش تک نہ ہو یعنی کوئی تحرک ان میں نہ آئے روح اور سر (روح اس کا باطن) جوش محبت میں نفس و جسم کی فنا کے ساتھ۔ محبوب حقیقی کا ذکر کریں۔ اسی کا ذکر ہوتا ہے۔ اس ذکر میں جسم زبان دل کو دخل نہیں: ان کی فنا ہو جاتی تین ٹوٹے ہوئے تھے۔ یہ تین ذکر۔ خفی سری کی نسبت کرتے ناقص ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اولیاء قدس سرہم۔ ذکر سری ہی میں ہمیشہ لگے ہوئے رہتے ہیں۔ یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ "ایک تیر میرا اور پیکان نہ رکھتا تھا" پر و پیکان کہنے کا مطلب "زبان و دل کی یکسانیت ساتھ داری مددگاری" ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ ذکر خفی سری ان تینوں کے بغیر ہے۔ "ایک تیر بے پر و پیکان خرید لیا" اس تیر کو چن لیا۔ ٹھیک کر لیا ذکر خفی سری پا گیا۔ "شکار کی طلب میں جنگل میں پہنچ گئے" یعنی تجلیات ذاتی و صفاتی کے لئے دائرۂ وجود کے میدان میں آ پہنچے۔

"چار ہرن دیکھے" یعنی چار عالم جو ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت۔ لاہوت ہیں دیکھنے میں آئے کیونکہ یہی چار عالم تجلیات کے شکار کرنے کی جگہ ہے۔ عالم ناسوت جو عالم خلق۔ عالم شہادت۔ عالم آثار ہے۔ تجلیات آثاری کے شکار کرنے کی جگہ یہی ہے۔ عالم ملکوت کہ عالم امر۔ عالم غیب۔ عالم افعال ہے۔ تجلیات افعالی کے شکار کرنے کی جگہ یہی ہے۔ عالم جبروت کہ عالم واحدیت۔ تجلی ثانی۔ عالم صفات ہے۔ تجلیات صفاتی کے شکار کرنے کی جگہ یہی ہے۔ مخالفتوں نسبتوں کی کثرت۔ اعتبارات کی دوری پر مشتمل ہے اور عالم ملکوت کے افعال آثار ہیں اس کے نسبت و اضافت یہاں جمع ہو جاتے نسبت۔ ثبوت۔ پاتے ہیں کہ اعتبار و اسمیت ہیں۔ عالم لاہوت کہ عالم احدیت۔ تجلی اول۔ عالم ذات ہے۔ تجلیات ذات کے شکار کرنے کی یہی جگہ ہے اور مخصوص مقام ہے کہ یہ وحدت و یکتائی

بھی نہیں جسم و جسمانیت بھی نہیں رکھتی سبکروح (پاکیزہ تیز رفتار ہے)۔

"جب گھر کے چھت و دیوار نہ تھی اسمیں ہم آگئے" حق کے عشق کے گھر کی ہوا فضا کہ وہ مقام لطافت (پاکیزگی نرمی) ہے کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محبت الٰہی کے گھر میں جسم و جسمانیت نہیں ہوتی۔ اس گھر کی ہوا لطیف و سبکروح ہوتی ہے۔

"ہم نے ایک ہنڈیا ایک بلند طاق پر رکھی ہوئی دیکھی"۔ یعنی عشق کی ہنڈیا جو ہمیشہ جوش میں رہتی ہے اس کو سعادت کی طاق پر کہ وہ طاق کمشکوٰۃ فیھا مصباح (جیسے کہ طاق ہو اور اس میں چراغ ہو) کلام مجید میں آیا ہے کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔ المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ (یعنی اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ تمثیل اس کے نور کی مثل طاقچہ کے ہے کہ جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ آبگینہ (شیشہ۔ کانچ) وہ کانچ کا فانوس (لباس چراغ) صاف شفاف تارے کے جیسا چمکیلا۔ بنا (روشنی و چمک) دیا ہوا متبرک درخت کا ہے۔ محققین نے یہ کہا کہ مومن کی روح طاقچہ ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم شیشہ ہے۔ اس طاق کا "نور" وجہ اللہ چراغ ہے جو اس شیشہ میں ہے۔

"کسی طرح سے بھی اس ہنڈیا تک ہاتھ پہنچ نہ سکتا تھا اس لئے ہم نے چار گز کا گڈھا اس کے پایہ میں کھودا"۔ یعنی چار قسم کی فنا حاصل کی پہلی فنا نفس امّارہ کو جڑ پیڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اخلاق ذمیمہ (بری عادتیں) نفسانی و شیطانی سے پاک ہوجانا جس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ وہ ہاتھ آگیا۔ دوسری فنا مرشد کامل کے تصور میں فانی ہوجانا جس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ میسر ہوگئی۔ تیسری فنا حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی ہوجانا کہ آپ حقیقت الانسانیت کے خلاصہ ہیں۔ جس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں سرفراز ہوجانا۔ چوتھی فنا انوارِ ذات وحدت کے

مکاشفہ میں فانی ہو جانا۔ (۳) اقبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کے راستہ پر
قدم استوار ڈالنا جس کو فنا فی اللہ کہتے ہیں امتیاز پا جانا ممتاز ہو جانا ہے۔ جب ہم
ان چار قسم کی فناؤں پورے اتر گئے فانی ہو گئے تو ہاتھ اس منزل تک پہنچ گئے
کیونکہ اپنی فنا کے بغیر عشق کی نعمت تک ہاتھ نہیں پہنچتے یعنی رسائی نہیں ہوتی
نعمت ہاتھ نہیں آتی۔

"جب منزل پر پہنچ گیا" یعنی فنا بطور … پہنچ گیا … پورا ہو گیا …
"ایک شخص آگ سے اوپر سے آیا" یعنی ابلیس ملعون … نے فرمایا کہ
ابلیس آگ سے بنایا گیا ہے چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔ خلقتنی من نار … کہ
آگ سے بنایا گیا … ہمیشہ اوپر کا رخ کرتی ہے۔ … ہوتی ہے اسی
لئے ابلیس اوپر سے سر نکالا۔

"کہا کہ میرا حصہ مجھ کو دو کہ میں ایک مقررہ حصہ و نصیبہ رکھتا ہوں" اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ وان یدعون الا شیطان مریدا لعنۃ اللہ وقال لاتخذن من
عبادك نصیبا مفروضا ولاضلنھم ولامنینھم ولامرنھم (وہ نہیں
پکارتے ہوتے مگر شیطان کو جو باغی ہے اللہ نے جس پر لعنت کی۔ وہ کہا شیطان نے میں
البتہ لوں گا تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ و نصیبہ اور ان کو بہکاؤں گا۔ امیدیں
دلاؤں گا۔ ان پر حکم کروں گا ان کو سکھلاؤں گا) اشقیا (بدبخت) شیطان کو پکارتے
اسی کو بلاتے ہیں۔ خدا نے لعنت کی ان پر اور شیطان پر۔ اس نے جناب الٰہی میں
کہا کہ میں تیرے بندوں سے نصیبہ فرض کیا ہوا (ایک مقررہ حصہ) لوں گا یعنی گمراہ
کروں گا ان کو امیدوں میں یعنی لمبے چوڑے بے انتہا آرزوؤں میں پھنسا دوں گا اور
ان کو برے کاموں کیا بدترین حرکتوں کا حکم کروں گا۔ اسی بناء پر شیطان نے چاہا
کہ کام میں خلل ڈالوں۔ تو

"برانڈہ کا نکل کر ایک ہڈی اس شکاری کی ہانڈیا سے نکال کر اس کی تالو پر دے ماری"۔ یعنی روح انسانی قدسی جو اتنے حالات کو پہنچی ہوئی تھی گھات میں بیٹھی ہوئی تھی وہ اس ابلیس پر تلبیس (دھوکہ دغا سے بھرپور) کے مکر دغابازی دھوکہ سے غافل نہ تھی وہ ہڈی کیلئے آدمی کیسا ہی مومن صالح ہو۔ جب تک وہ مقام وحدت میں نہ آجائے اثنینیت (دو کا ہونا) کہ دوئی ہے (دو کا قرار دادہے) یعنی وہم خودی سے نہیں نکلتا۔ شرک خفی میں مبتلا رہتا ہے۔ پاک روح قدسی وحدت کی خزانہ دار ہے یعنی شرک خفی کی ہڈی کو عشق کی ہنڈیا سے نکال کر اس کے سر پر دے مارا تو "زرد آلو کا درخت اس کی ایڑی کے نیچے سے نکل آیا"۔ یعنی شجرہ خبیثہ (بدترین درخت) برائیوں کی جڑ پیڑ حب دنیا (دنیا محبت اس کا عزیز رکھنا) ہے۔ جس کی جڑیں لوگوں کے دل میں گڑھی ہوئی ہیں۔ وہ ابلیس ہی کے منحوس قدم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ سب کے دلوں میں اپنی جڑیں گاڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انھا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم طلعھا کانہ رؤس الشیاطین۔ شجرہ خبیثہ وہ درخت ہے جو دوزخ کے نچلے حصہ سے نکلا ہوا ہے یعنی درک اسفل (سب سے نچلا درجہ) سے باہر آیا ہوا ہے اس کی ابھار شیطانوں کے سر ہیں۔

"ہم اس درخت کے پاس پہنچے" یعنی زرد آلو کے درخت کے نزدیک گئے اور عبرت کی آنکھوں سے اس کو دیکھنے لگے کہ جس کا پھل نتیجہ دونوں جہاں میں شرمندگی اور زرد روی کا باعث ہے۔

"خربوزہ بوئے تھے"۔ خربوزہ سے مراد و مقصود اہل دنیا ہیں کہ لذت جسمانی کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔

"گوبھن سے پانی دیتے تھے"۔ گوبھن سے مراد لوگوں کا آنا اور پسند کرنا۔ رجوع و قبول ہے یعنی دنیا والے لوگوں کے رجوع ہونے۔ قبول کرنے سے پرورش کر رہے تھے

"اس درخت سے زرد [illegible] ہم نے توڑے [illegible] کو وہ [illegible] سیاہی کا پتہ ونشان ہے ہم نے نیچا دکھا دیا۔ توڑ تاڑ کر پھینک دیا۔

"قلیہ زردک بنائے" یعنی بیگن کی پیلی کڑی کر سونا ہے پکائے۔

"اس کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دئے" کہ یہ دونوں جہاں کی روسیاہی (دونوں جہاں میں منہ کو) ہونے کی تہ ان کے چہروں کا پیلا پن تھا۔

"وہ اتنا کھائے کہ اماس کر گئے اور یہ سمجھے کہ موٹے ہو گئے" یعنی اہل دنیا اس قدر حرص سے اس کو کھائے اور اس میں تصرف کئے کہ سوج گئے۔ تن پروروں کا موٹا پن اہل بصیرت کی نظر میں اماس (سوجن) ہے جس کو دنیا والے دھوکے اور مشابہ ہونے سے موٹاپا سمجھے ہوئے ہیں۔

"گھر سے باہر جا نہ سکے" یعنی دنیا سے نکل نہ سکے کیونکہ گذرگاہ عاقبت تنگ ہے اس سے صرف اہل تجرید وتفرید ہی گذر سکتے ہیں۔ حرام مال سے جو موٹے تازے ہوئے ہیں وہ دنیا سے نہیں نکل سکتے۔

"اسی نجاست میں رہ پڑے"۔ دنیا کی نجاست میں پھنس کر رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب (دنیا مردار ہے اس کا طالب کتا) فرمایا۔

"ہم آسانی سے اس کے مکر سے نکل آئے" یعنی فیض قدسی کی مدد وامداد سے شیطان کے پنجہ اور خطرات کے ہجوم سے چھٹکارا پاگئے۔ شیطان کا مکر ہم پر چل نہ سکا کہ ان کید الشیطن کان ضعیفا (البتہ شیطان کا مکر کمزور ہے)

"ہم گھر کے دروازہ پر سو گئے" دنیا سے نکلنے یعنی میں داخل ہونے کا دروازہ کہ قبر ہے۔ جس کو پہلی منزل کہتے ہیں یعنی دنیا سے نکل کر قبر تک کہ دروازہ ہے سو گئے یہ نہ کہا کہ مر گئے کیونکہ وہ دوستانِ خدا۔ اختیاری موت نہ حاصل کئے ہوئے ہوتے

ہیں مطلب یہ ... ہادی ... ہوتے ہیں ہمیشہ زندہ ہیں
مرتے نہیں۔ ان کا دنیا سے ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتا ہے چنانچہ
رسول اللہ علیہ السلام نے ان اولیاء اللہ لایموتون بل ینتقلون من دار الی
دار (اللہ کے دوست مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں)
فرمایا۔ پروردگار عالم بھی ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء
ولکن لا تشعرون۔ (جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتا ہے ان کو مرے ہوئے
نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تم ہیں اس کا شعور نہیں) فرمایا۔ یعنی یہ کہ تم ایسا نہ کہو کہ جو
لوگ راستہ میں مارے گئے وہ مردہ ہیں۔ ان کو مرے ہوئے نہ کہو۔ مرے ہوئے نہیں
حقیقت میں وہ زندہ ہیں تم اس کو نہ توجہ سے نہ سمجھے ہو۔ یہ موت نہیں زندگی
ہے۔ اسی لئے فرما رہے ہیں کہ
''ہم سفر کے لئے روانہ ہو گئے''۔ یعنی کا سفر۔ فنا فی اللہ سے بقا باللہ کی طرف
چل کھڑا ہوتا ہے۔ صاحبانِ عرفان نے فرمایا کہ السفر سفران سفر الی اللہ و
سفر فی اللہ۔ یعنی سفر دو ہیں۔ ایک اللہ کی طرف ایک اللہ میں۔ یہاں تک جو بیان
ہوا وہ ہم نے ایسا ویسا وہ کہا۔ پہلا سفر الی اللہ کا پورا ہوا۔ دوسرا سفر جو فی اللہ
ہے ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔
''ارباب حقیقت صاحبانِ معرفت اس راز ان خیالات کو پائیں۔ جیسے
اہل سلوک باطنی تعرف و شناسائی سے اس راز کی تمثیلیں کہیں ان کو کھولتے جائیں۔
الحمد للہ کہ اہلِ محبت پر یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے لکھا۔ اس کو ہم نے
سمجھداروں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اگر کوئی اس شرح کو پسند نہ کرے تو ہم آزردہ
نہیں ہوتے وہ اس سے بہتر کہیں اور لکھیں۔ والسلام

تمت الرسالہ

شرح برہان العاشقین

از

حضرت مولینا شاہ رفیع الدین محمد دہلوی
قدس سرہ العزیز

مترجمہ

حضرت مولانا مولوی قاضی احمد عبدالصمد فاروقی قادری چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد حضرتِ الٰہ و درود پیغمبر والا جاہ اور آل و اصحاب دین پناہ کے بعد بندہ مسکین محمد رفیع الدین بن شیخ الاسلام زبدۃ العرفا ابو سیدی سندی ولی اللہ ابن الشیخ العظیم مولانا عبد الرحیم اسکنہما اللہ فی العنیین والحقہ بسلفہ الصالحین ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ ہمارے دوستوں میں سے بعض نے اسرار غریب نواز سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ میں سے ایک سر کے حل کرنے کی درخواست کی جو کچھ بلحاظ وقت یافت ہوئی اس کو لکھا جاتا ہے

قال العارف المحقق رفعہ اللہ قدرہ باسمہ سبحانہ (عارف محقق اللہ تعالےٰ ان کی قدر و منزلت بلند کرے اللہ پاک کے نام سے فرمائے ہیں) الحمد للہ رب العلمین والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین قولہ تعالےٰ وتلک الامثال نضربہا للناس لعلہم یتفکرون (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو دونوں جہان کا پالنے والا ہے درود و سلام اس کے رسول پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی ساری آل پر۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے دیتے ہیں تاکہ وہ سوچ بچار کریں)

"ہم چار بھائی تھے نو گاؤں گئے" یعنی کون ونسا دو چار عنصر تھے

نو آسمانوں گئے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] رکھتے ۔ شفاف تھے ۔ جیسے صفحہ [illegible] کہ نظر اس کے پار [illegible]

"ایک بھائی ننگا تھا" یعنے خاک ۔ زمین کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے ۔

"وہ ننگا بھائی آستین میں اشرفی رکھتا تھا" یعنی زمین ۔ جو بہت ساری صورتیں ہیآت عرضیہ (عرض کی شکلیں ذرائع اسباب) سے استعداد ۔ اپنے آپ میں رکھتی تھی (مادہ ۔ طاقت علمی سے آراستہ تھی)

"ہم بازار میں آئے تاکہ شکار کرنے کے لئے تیر کمان خریدیں" ۔ یعنے سب کے سب عالم ترکیب میں داخل ہو گئے تاکہ وہبی (دیا ہوا) کسبی (حاصل کیا ہوا) استعداد حاصل کریں تاکہ عالم تجرد کی تحصیل ہو جائے ۔ (تنہائی ۔ علیحدگی ہاتھ آجائے)

"قضا آپہنچی ہم چاروں کشتہ ہو گئے" یعنے قوائے ملکی (زور غلبہ فرشتگی ۔ قوت حصول شی جو طبیعت میں ہوتی ہے) روحانی (متعلق بہ روح) ارباب الانواع (قسم قسم کے ضروری اسباب) کے استیلا (چھا جانے) سے کھلی ہوئی صورتوں سے چھپ گئے ان میں گم ہو گئے تو چاروں سے ۔

"چوبیس زندہ ہو کر اٹھے" ۔ فعل انفعال (ترکیب و امتزاج) کے بعد ۔ چوبیس قسم کے مزاج پیدا ہو گئے ۔ آٹھ مزاج اعتدال ۔ آٹھ مزاج غیر اعتدال ۔ آٹھ مزاج اختلال اس کی صراحت اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقی طور سے آپس میں ملنا ۔ برابر ہو جانا حرارت (گرمی) کا برودت (سردی) کے ساتھ اور یبوست (خشکی) کا رطوبت (تری) کے ساتھ [illegible] [illegible] وقت [illegible]

[illegible]

(نا ممکن) [illegible] مرکب [illegible]

[illegible] ضرور ہوگی [illegible]

[illegible] غیر [illegible]

آٹھ مزاج اگر انفعال منیہ (طبائع حقیقی) کے ساتھ مرکب ملائم (ترکیب پائے ہوئے ہم مزاج) ہیں، تو مزاج اعتدال ہے اور اگر مخالف ہیں تو مزاج غیر اعتدال ہے۔ اگر منافی ہوں تو مزاج اختلال ہے۔ چار اقسام سے ترکیب مراد ہوتی ہے اس کی صورت یہ کہ مساوات چند جزو غیر مغلوب مرکب، میں جو مستدعی الخلال ترکیب (آپس میں مل جانے کے خواہش مند) ہیں وہ بسبب تساوی (برابری) میول (ملنے والے ملاپ) وجز مغلوب قاصر (دبے ہوئے کمی لئے ہوئے حصے) اجتماع میں نہیں آسکتے یعنے ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے وہ اس لئے کہ ان میں کا کوئی ضرور غالب ہوگا۔ پس [illegible] ترکیب ثنائی (دو کی ملاپ) کے حساب سے بارہ محسوب ہوتے ہیں (گنے جاتے) اس میں سے [illegible] جاتے ہیں۔ چار ترکیب ثلاثی (تین کے ملاپ) سے بھی بارہ ہوتے ہیں ترکیب رباعی (چار کے ملاپ) سے [illegible] ہوتے ہیں۔ دو ثنائی [illegible] ثلاثی میں [illegible] ساقط [illegible] ہیں۔ کیونکہ [illegible] مغلوب ہونے کے سوائے رقت کے [illegible] مستعمل [illegible] انحراف ہے اور لطیف ہونے کی وجہ سے [illegible] رنگ لے لیتی ہے۔ اس طرح [illegible] مغلوب ہوکر صرف چوبیس ہی ترکیب صالحہ میں باقی رہتے ہیں۔

"ہم نے چار کمان دیکھے" یعنے استقر مزاج کے ابد کمان کے چار درجے [illegible] ہیں پہلے پہل طبائع سامنے آئے کہ صدور انفعال کے ہوئے۔ ہر ایک کے لئے [illegible] کمان (کمان کی نشانیوں) کے جیسے ہیں۔

ہوکر اس کی تائید سے کُنہ حقیقت کے درپے ہو گئے اس نقد و نقصیر
ہے کہ ہر نوع علی کہ بجصوں صورت ہو۔ خالی از کیفیت وطبیت نہیں ہے کہ
اصل محض کی طرف راستہ نہیں رکھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت تک وصول بجز
معرفت اجمالی بلحاظی صرف کہ جس کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ نہیں ہو سکتا۔
"ہم نے چار ہرن دیکھے"۔ یعنے توجہ دوام کے طفیل میں عالم اقدس
کے چار حقیقت سے مشہود ہوئے۔
"تین مردے تھے"۔ تین حقیقتیں۔ اصطلاح لغوت میں ان کو ناسوت
ملکوت جبروت کہتے ہیں۔ اہلِ اشراق کی اصطلاح میں برزخ مثل نور
اہلِ حکمت کی اصطلاح میں طبیعت نفس عقل کہتے ہیں۔ یہ عدم ممکنی ہیں۔
قبضۂ غیر میں۔ مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں کے جیسے ہیں۔ ہر ایک دوسری کی
مدبر باطن و شارح ہے۔ ناسوت کی جان ملکوت۔ ملکوت کی جان جبروت
جبروت کی جان لاہوت ہے۔
"ایک جان نہ رکھتا تھا"۔ یعنے چوتھا جو حضرت ربوبیت ہے۔
یہ اپنا آپ مدبر باطن ہے۔ یہ خود سب کا قیوم ہے۔ باطن کا باطن ہے اپنی
ذات سے زندہ اور سب کی جان ہے۔
"وہ ننگا بھائی جو آستین میں اشرفی رکھتا تھا کمان کھینچتا تھا اس نادان نے
دلے گوشہ سے ایک تیر جس کے پر و پیکان نہ تھے اس بے جان
ہرن پر چلایا"۔ یعنے وہ شخص ارضی انسانی عدم دقائق الایمان سے ذات مقدس
کو ہدف ہمت بنالیا (اپنے تیر کا نشانہ بنالیا۔ آلات انسانی ذرائع معرفت
(اسباب۔ وسیلہ) فطری و کسبی کو فراہم لے کر کوشش عملی سے مراحل طے
کرکے ارادت کے بعد علم الیقین سے عین الیقین کو پہنچ گیا۔ چونکہ مجذوب سالک

تھا۔ تدراج اختیار [illegible] پردے کے [illegible] پر
بیان رکھتا ہے) سے حضرت [illegible] کو آشنا ہو ہیں۔

"ایک کمند کی ضرورت تھی تا کہ شکار کو شکار بند پر باندھیں۔"
یعنی معاملہ وعلاقہ درکار تھا تا کہ عین [illegible] سے حق یقین [illegible] ہیں۔
تعلق سے تخلق کی طرف رجوع ہو جائیں (رکھ و علاقہ سے خوگر متصف خوشخو
ہونے کی طرف لوٹ جائیں)

"ہم نے چار کمند دیکھے۔ تین ٹوٹے ہوئے اور ایک دو
کنارے اور بیچ کا دہارانہ رکھتی تھی" یعنے چار معاملات پیش آئے
خوف۔ طمع (لالچ) محبت۔ یہ تینوں میں غرض موجود پائی گئی۔ غرض شامل
پائی جانے سے۔ تعلق رکھنے کے نا قابل بلکہ چھوڑ دینے کے لائق پائے
گئے۔ چوتھا معاملہ فنا فی الوحدت (یکتائی میں مٹ جانا) جس میں دوئی کی
گنجائش نہیں دونوں کو برداشت؛ ان کا تحمل کئے ہوئے ہے۔ وسط (درمیان)
نہیں رکھتی۔

"شکار کو اس کمند سے جس کے دو کنارے بیچ کا دہارانہ
تھا شکار بند پر باندھے" یعنے چوتھے معاملہ واسطہ سے اپنے باطن
(اندرون) کو اپنی جان کو لاہوت کے ہما کا گھونسلا بنائے۔ بطریق مطلعہ
وحدت سے کثرت میں اپنے محبوب کا جمال اپنے آپ میں دیکھے۔ حق الیقین
سے نصیب پائے۔

"ایک گھر درکار تھا جہاں ٹھہریں شکار کو پکائیں" یعنے
قانون ضابطہ قاعدہ کی ضرورت تھی جس کی پابندی بجا آوری ملازمت سے۔
حق الیقین سے حقیقت الیقین کو تحقق سے تحقق کو۔ تخلیق سے تحقیق کو پہنچ

[illegible] ہیں۔ حقیقت یقین [illegible] [illegible] [illegible]

کرکے سارے لطائف سب طبقات کو معرفت کے رنگ میں رنگ کر وجود کے پردوں میں فرق و تمیز کر سکیں۔

"ہم نے چار گھر دیکھے۔ تین آپس میں گتھے ہوئے گرے پڑے ہوئے تھے" یعنی چار قاعدے طریقے پائے۔

(۱) شریعت پر چلنے والوں کا راستہ و طریقہ۔ جن کی روش تصحیح عبادات، اصلاح معاملات۔ تہذیب اخلاق۔ تعمیر اوقات ورد اوراد تھی۔

(۲) عزیمت (بلند ارادہ) کے ساتھ چلنے والوں کی روش بچاؤ کا پاس و لحاظ۔ تقوی کی نگہداشت۔ دعوات اسماء و موکلات تھی۔

(۳) طریقت پر چلنے والوں کی روش۔ نفس کی مخالفت اس کی خواہش کے خلاف عمل کرنا۔ انفاس کی محافظت دم کی نگہبانی ذکر میں بیٹھے رہنا۔ ذکر اور اس کی ضربات کرنا۔ تصور میں رہنا تھی یہ تین روش کے چلنے والے ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا بحث مباحثہ رکھتے ہیں۔ اپنی اپنی دھن میں ہٹتے ہیں۔ وجود کے جو پردے اور روک ہیں ان کو پھاڑ دینے۔ اٹھا دینے سے عاجز ہیں۔

"ایک گھر چھت اور دیوار نہ رکھتا تھا۔ ہم اس میں اتر پڑے" یعنے چوتھی روش جو حقیقت والوں کی تھی وہ۔ دوام شہود ہمیشہ کا حضور۔ سامنا۔ حاضری۔ تنزیہ معبود (اللہ تعالے جو لائق بندگی ہے اس کی پاکی۔ سب سے سوا جاننا) نفی وجود۔ (اپنے نہونے اس کے ہونے کا تصور) بذل موجود (جو ہے اس کا دے دینا۔ بخشش غلط حاضری) جذبۂ ملک ودود (محبت والے تنہائی مہربان کی کشش ذوق شوق) یہ ایسی روش ہے

جس میں [illegible] تربیت [illegible] نہیں - [illegible]
دو [illegible] سے [illegible] میں [illegible]

سے اپنے آپ کو تربیت الٰہی میں دیکر اس کے حوالہ کر دے کو اس طریق درویش
کو اپنے آپ پر لازم کر لیا - اس دوران - اس اثنا میں اسماء و صفات سے ترقی
پاتے اور کرتے رہے -

"ہم نے ایک دیگ اونچی طاق پر رکھی ہوئی دیکھی جہاں
کسی طرح سے کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا - یعنے تجلیات ذات تک کہ
اسماء و صفات کا منبع اور روحانی جسمانی رزقوں کا معدن ہے - رسائی نہیں
ہو رہی تھی کیونکہ یہاں بشر کی ساری قوتیں عاجز آجاتی بے کار ہو جاتی ہیں -
یہاں انتہائی انکساری عاجزی - آثار و اعیان کی نفی کے سوائے چارہ نہ تھا -
اس کے سوائے اور دوئی اس بارگاہ پہنچنے کا راستہ نہیں کہ اقرب ما
یکون العبد لا ربہ وھو ساجد (سجدہ کرنے والے سے زیادہ کوئی بندہ
اپنے پروردگار سے قریب نہیں) کا یہی رمز ہے -

"چار گز کا گڑھا اس کے پایہ میں ہم نے کھودا" یعنے باطن کے
چوتھے درجہ تک پہنچ گئے - چار درجوں میں اتر گئے - اور چار صفات کو اپنے
مرغوبات (پسندیدگی) سے کھود کر پھینکے - بدن کو ریاضت میں نفس کو
مجاہدہ میں قلب کو مشاہدہ میں - روح کو شعاع احدیت میں - تلاش کر لئے
محو کر دیئے تا آنکہ عدم اصلی (حقیقی فنا) سے مل گئے تو کان واللہ ولم یکن
معہ شی رھو الان کما کان (تھا اللہ اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی چیز اور
وہ اب بھی جیسا کہ تھا ویسا ہی ہے ویسا ہی رہے گا) کا مقام حاصل ہو گیا - اگر
چاہو تو بدن و نفس کو ایک شمار کر لو - چوتھا عین ثابتہ کو سمجھ لو - چنانچہ محققین میں

بھی جو بہترین محقق ہوئے ہیں ... کہتے ہیں ان کا مسلہ ہے کہ جب تک عین اس اسم سے کہ مبدائے یقین اس کا ہے عین ثانیہ سے گزر نہ جائے۔ استعداد جزی کے پٹے کو نکال کر نہ پھینک دے توڑ پھوڑ نہ ڈالے۔ ذات کے شیون تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور حقیقت تجلی ذات تک آئینوں کے رنگ ملے بغیر تجلی کئے ہوئے کے پانے کی استعداد کے بغیر واصل نہیں ہوتے۔

"ہاتھ اس دیگ تک پہنچ گیا" یعنے ذات کی حقیقی تجلی میسّر ہو گئی۔ مرأت وحدت (یکتائی کے آئینہ) میں کثرت کا مشاہدہ (بہتات کا دیکھنا) ہاتھ آگیا۔ اسمار وصفات الہٰی (اللہ کے نام اس کی خوبیاں) تعینات واعتبارات کیانی (مدارج ومراتب ہونے ہو جانے بنے بن جانے۔ دکھے دکھ جانے روحانی وجسمانی کے) حاصل ہو گئے۔

نفس سے روح ہوائی۔ قلب سے نفس ناطقہ۔ مراد ہے۔ روح سے وہ وجود مراد ہے جو بوقت میثاق (وعدہ ازل اللہ تعالے نے الست بربکم جب کہا ارواح نے بلیٰ کہا تھا) عین امتیازی (فرق وتمیز کا سرچشمہ۔ ممتاز آنکھ) عالم الہٰی میں ذات کی شانیں۔ذات کا ذات کے ساتھ جو اندراج واتحاد تھا وہ تمیز علمی وعملی کے ساری ہونے سے پہلے تھا۔

"جب شکار پک گیا تو گھر کے اوپر سے ایک شخص نیچے آیا کہ میرا حصّہ ونصیبہ مجکو دیدو کہ میں ایک مقررہ حصّہ رکھتا ہوں" یعنے جب عارف انتہا کو پہنچا ہوا۔ جائے ظہور۔ کمالات کا جامع۔ تمام شانوں سے ثبوت پایا ہوا۔ صفات سے موصوف ہوتا ہے تو ہر اعتبار ہر شان ہر تجلی سے ذوق پانا مزے لیتا ہے تو اس پر تجلیٔ شان مضل کہ ابلیس ہے ظہور کر کے سامنے آتا ہے تاکہ لا تخذن من عبادک نصیباً مفروضہ (البتہ میں لونگا تیرے

بہت ساری لذتوں کو ان کے ... ترک کر دیا گیا ... ہنے کا رنگ پیلا ہے۔ زرد

سے مناسبت رکھتا ہے۔

"وہ اس قدر کھائے کہ اماس کر گئے اور سمجھ لیے کہ موٹے

ہو گئے"۔ دنیا والے۔ طلب دُنیا رکھنے والے انتہائی حرص کے ساتھ فائدہ

اُٹھائے اور گمان کر لیا کہ ہم سعادت پا گئے۔ گھر سے باہر نکل نہ سکے۔ اپنی

نجاست میں آپ رہ پڑے۔ یعنی دنیا کی محبت۔ اندرون کی خرابی۔ باطن کا

دھندلا پن۔ شہوتوں میں مبتلا رہنا۔ بُری عادتیں۔ چھوچے۔ بیکار عقیدے

ان کے دلوں میں جگہ کر لئے۔ یہی وجہ ہے کہ۔ زہد و طاعت پرہیز گاری۔ عبادت

ان کے لئے مُشکل دشوار۔ موت بہت ہی نا مناسب۔ بھیانک جان لینے

والی ہوتی ہے۔ ان کے دل اسی پلیدی نجاست کے پابند و عادی ہو گئے۔

اسی میں رہ گئے وہ اسی قید خانہ میں گرفتار ہیں۔

"ہم آسانی کے ساتھ اس گھر کے مکر سے چھٹکارہ پا گئے"۔

یعنے جیسے ہی توفیق۔ ہماری رفیق ہوئی۔ جذبۂ الٰہی ہماری گردنوں کا طوق

و زیور ہو گیا۔ ہم نہایت آسانی سے دنیا کے غرور و فریب دھوکہ سے پٹے تڑا کر

پیچھا چھڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ واملی لھم ان کیدی متین (اور

ہم نے انہیں امل یعنے لانبی اُمیدوں آرزوؤں میں ڈال دیا ہمارا داؤ بہترین

باوقار ہے) اور زین لھم الشیطان (زینت دی ان کے اعمال کو شیطان

نے) کے اعمال سے ہم نجات پا گئے فقد استمسك عروة الوثقی (البتہ

پکڑ لئے مضبوط حلقہ) میں لٹک گئے ہیں ہیں مل ملا گئے۔ فی مقعد صدق

عند ملیك المقتدر (سچائی کی بیٹھک میں صاحب اقتدار بادشاہ کے

" ارباب تعرف ان حالات کو کھولیں " یعنے معرفت والے ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے کہ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (کیا برابر ہیں وہ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے)

انما یتذکر اولوا الالباب (یہ ایک نصیحت ہے سمجھداروں راہ پانے والوں کے لئے ۔ اس فقرہ میں یہ اشارہ ہے کہ وسیلہ نجات تباہی کے بھنور سے بہتر ہے ۔ علم حقیقت سے صحبت اہل حقیقت بہتر ہے یہی تھا جس تک یہ شرمسار پہنچا ۔ مصنف کی مراد کیا اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔ مخفی نہ رہے کہ اس کا نام برہان العاشقین دیکھنے میں آیا ۔ چونکہ یہ سرگذشت طالب پر مشتمل ہے جو مرتبہ جمادیہ سے اعلیٰ مراتب کمال تک پہنچا ہے لہذا یہ نام بہت ہی موزوں ہے ۔ والحمد للہ الذی عندہ علم الخفیات ومن جود نیل الطلبات والصلوۃ والسلام علی محمد صاحب الآیات المحکمات والمتشابہات وعلی الہ وصحبہ نجم الہدایات ونسئل اللہ العفو والمہدایت فی جمیع حالات (سب تعریف اللہ ہی کی ذات کے لئے ہے جس کے پاس چھپی ہوئی چیزوں کا علم اور اس کی سخاوت و عنایات اُنکے لئے جو اس کی طلب میں ہیں درود و سلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ محکمات و متشابہات کی نشانی والے ہیں ۔ آپ کی آل آپ کے اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں ۔ اے اللہ ہم چاہتے ہیں تیری درگذر معافی اور تمام حالات میں ہدایت) بتاریخ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ تالیف ختم ہوئی ۔